إنما وليكم الله ورسوله والذين آمنوا
الذين يقيمون الصلاة ويؤتون الزكاة وهم راكعون

الولی



تالیف

مترجم ومفسر قرآن مولانا سید **فرمان علی** صاحب قبلہ اعلی اللہ مقامہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشاعت بسلسلۂ ڈیڑھ سو سالہ یادگار قیامِ ادارۂ اصلاح

۱۵ر شعبان المعظم ۱۴۳۲ھ

اَلوَلِی

تالیف

مترجم و مفسر قرآن مولانا سید **فرمان علی** صاحب قبلہ ممتاز الافاضل اعلی اللہ مقامہ

سابق مدرس اعلیٰ مدرسہ سلیمانیہ پٹنہ بہار

تصحیح و تحقیق:

مولانا سید محمد رضا رضوی گوپالپوری، قم

ناشر

ادارۂ اصلاح مسجد دیوان ناصر علی مرتضیٰ حسین روڈ لکھنؤ۔ ۲۲۶۰۰۳

فون و فیکس: 0091 522 4077872

E-mail: islah_lucknow@yahoo.co.in

www.islah.in

مشخصات

کتاب کا نام	:	الولی
تالیف	:	مولانا سید فرمان علی طاب ثراہ
صفحات	:	۲۵۶
سنہ اشاعت	:	شوال المکرم ۱۴۴۲ھ (2021ء)
طبع	:	دوم
مطبع	:	امپریشن پرنٹ ہاؤس، لکھنؤ
قیمت	:	۱۵۰/روپیہ
ناشر	:	ادارۂ اصلاح لکھنؤ۔ ۲۲۶۰۰۳

ISBN-13 : 978-81-949853-7-2

ISBN-10 : 81-949853-7-4

IDARA E ISLAH
Masjid Diwan Nasir Ali, Murtaza Husain Road
Yahiyahganj, Lucknow-226003 UP INDIA
E-mail:islah_lucknow@yahoo.co.in
www.islah.in

باسمہ سبحانہ نحمدہ و نصلی

إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ

اے ایماندارو تمہارے سرپرست صرف یہ ہیں اللہ اس کے رسول اور وہ ایمان والے بزرگ جو نماز قائم رکھتے اور حالت رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں

الحمد للہ

کہ

رسالہ مبارکہ و ذخیرہ تحقیقات عالیہ

الولی

مصنفہ

جناب عمدۃ العلماء المحققین، زبدۃ الفضلاء المدققین، مترجم قرآن مولانا حکیم سید **فرمان علی**

صاحب قبلہ ممتاز الافاضل و مدرس اعلیٰ مدرسہ سلیمانیہ پٹنہ اعلیٰ اللہ مقامہ

(جس میں اس زبردست مناظرہ کی مفصل کیفیت درج ہے جو خلافت بلافصل حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے متعلق مشہور مناظر و عالم اہلسنت جناب مولوی ثناء اللہ صاحب اڈیٹر اخبار اہل حدیث امرتسر اور مولانائے مرحوم میں مدت دراز تک ہوتا رہا)

فہرست

بسمہ تعالیٰ

عرض ناشر

مترجم قرآن مولانا حافظ فرمان علی صاحب قبلہ اعلیٰ اللہ مقامہ صوبہ بہار کی ایک ایسی علمی شخصیت تھے جن کا لوہا غیر منقسم ہندوستان میں سبھی نے مانا ان کا ترجمہ کردہ قرآن مجید مقبولیت کے لحاظ سے ہمیشہ سر فہرست رہا اور آج بھی اس کے ایڈیشن پر ایڈیشن شائع ہوتے رہتے ہیں۔ بہت کم لوگوں کو معلوم ہوگا کہ بحیثیت مترجم ہی نہیں بحیثیت اہل قلم کے بھی ان کی ماضی میں ایک شناخت تھی لیکن دور حاضر میں حافظوں میں صرف ان کا ترجمہ کردہ قرآن مجید یا پھر کسی حد تک ان کی مرتبہ دینیات کے حصص ہی ذہنوں میں رہ گئے۔

ادارۂ اصلاح کے موقوفہ کتب خانہ کھجوہ ضلع سیوان بہار میں ایک ان کی ایسی کتاب موجود تھی جس میں ولایت امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے موضوع پر بہت تحقیقی روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہ کتاب حجۃ الاسلام مولانا سید شجاعت حسین صاحب قبلہ گوپالپوری سابق منیجر اصلاح کے پاس محفوظ ہے۔ میری فرمائش پر انہوں نے ٹائپ کرا کر اسے بھیج دیا۔ جس پر ان کے فرزند مولانا سید محمد رضا رضوی گوپالپوری کے تحقیقی نوٹ بھی ہیں۔ ارادہ تھا کہ یہ کتاب ڈیڑھ سو سالہ یادگار ادارۂ اصلاح کے موقع پر شائع کی جائے اس سلسلے کا کوئی باقاعدہ پروگرام ابھی نہیں بن سکا ہے۔ لیکن جب بھی سرمایہ فراہم ہوگیا انشاء اللہ یہ کتاب شائع کردی جائے گی۔ انشاء اللہ

مسئول ادارۂ اصلاح

سید محمد جابر جوراسی

۲۲ شعبان المعظم ۱۴۴۲ھ

(یوم وفات مجاہد اسلام مولانا سید محمد باقر نقویؒ مدیر دوئم مجلہ اصلاح)

دیباچہ

الحمد للہ رب العالمین والصّلوٰۃ والسلام علی خیر خلقہ محمد و آلہ الطاہرین

علماء مذہب حق کثّرھم اللہ فی البریۃ ابتداء سے اپنے فرائض ارشاد و ہدایت و تعلیم و ترویج دین حق میں مشغول رہتے آئے ہیں اور کبھی اختلاف و افتراق اور فتنہ و فساد کو پسند نہیں کیا لیکن جب ان کے مذہب پر کسی کا اعتراض ہوا تو احقاق حق کرنے کے لئے اس کی رد لکھنی بھی ضروری سمجھی۔ ہاں اپنی طرف سے چھیڑنا یا کسی مذہب پر اعتراض کرنا کبھی گوارہ نہیں کیا چنانچہ ان کی جلیل القدر مصنفات اس دعویٰ کی شاہد ہیں۔ یہاں صرف ہندوستان کی حالت بطور اختصار درج کی جاتی ہے:

اس ملک میں سلاطین مغلیہ کے وجود سے کئی سو برس پہلے سے نور ایمان پھیلا ہوا تھا۔ اس طرح کہ بابر کی سلطنت ۹۳۳ھ سے شروع ہوئی اور اس سے قبل ایران کے مشہور مقدس نائب امام جناب مولانا شاہ طاہر قمی علیہ الرحمہ ہندوستان تشریف لا چکے تھے اور آپ کی وجہ سے مذہب حق کی اچھی ترقی ہو رہی تھی جس کی تفصیل یہ ہے:

برہان نظام شاہ والی ریاست احمد نگر (دکن) کا جس نے ۹۱۴ھ سے ۹۶۱ھ تک بادشاہت کی، بہت پیارا بیٹا شاہزادہ عبد القادر تپ محرقہ (میعادی بخار) میں گرفتار ہوا۔ بادشاہ نے تمام حکیموں کے علاج کر ڈالے مگر کچھ فائدہ نہیں ہوا۔ پھر برہمنوں کے بت خانوں میں صدقات بھجوائے۔ ہندو مسلمان سب سے دعا کرائی لیکن اب بھی کوئی نتیجہ نہیں ہوا۔ اس وقت جناب مولانا شاہ طاہر علیہ الرحمہ نے جو ایران سے آئے تھے اور بادشاہ کی خدمت میں

بحالت تقیہ بسر کرتے تھے، بادشاہ سے عرض کی کہ حضور شاہزادے سلمہ اللہ وعافاہ کی شفا کے بارے میں بندہ نے ایک تدبیر سوچی ہے۔ اگر جان کی امان پاؤں تو عرض کروں۔ بادشاہ نے اصرار کیا تو جناب مولانا شاہ طاہر علیہ الرحمہ نے جرأت کر کے کہا کہ بادشاہ سلامت عہد کریں اور نذر مانیں کہ اگر شاہزادے صاحب کو آج رات میں خدا کے فضل سے شفا ہو جائے تو زر خطیر حضرات ائمہ معصومینؑ کی اولاد یعنی سادات کی خدمت میں پیش کریں گے۔ برہان نظام شاہ نے کہا ائمہ معصومینؑ یعنی دوازدہ امام کون ہیں؟۔ جناب مولانا شاہ طاہرؒ نے بارہ اماموں کے نام مع ولدیت (حضرت علیؑ سے امام مہدیؑ تک) بتا دیئے۔ برہان نظام شاہ نے کہا کہ جب میں بت خانوں میں نذریں گزران چکا تو کیا حضرت علی مرتضیٰؑ اور بی بی فاطمہؑ کے فرزندوں کے نام لوازم نذر بجا نہیں لاؤں گا؟ جناب مولانا نے کہا بس تو آج شب جمعہ ہے۔ بادشاہ سلامت نذر کریں کہ اگر جناب باری حضرت پیغمبر آخر الزمان اور دوازدہ امام علیہم السلام کے قرب ومنزلت کی برکت سے آج شب کو شاہزادہ عبدالقادر کو شفا عطا فرمائے تو ائمہ اثنا عشر کا خطبہ پڑھوا کر ان کے مذہب کی ترویج میں کوشش کریں گے۔

برہان نظام شاہ جس کو اب اپنے چہیتے بیٹے کی صحت کی بالکل امید باقی نہیں تھی اور اس کی شفاء سے قطعاً مایوس ہو چکا تھا جناب شاہ طاہرؒ کی تجویز سن کر نہایت خوش ہوا اور اسی وقت جناب شاہ طاہرؒ کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر عہد و پیمان بجالایا۔ اس کے بعد شاہزادے کی تیمارداری میں مشغول ہوا مگر اس کا مرض بڑھتا ہی گیا۔ دن کسی طرح گزرا، رات کے وقت بادشاہ کو ایسا کرب تھا کہ شاہزادے کے پلنگ کی پٹی سے لگا بیٹھا رہا۔ ہر چند شاہزادے کو لحاف اڑھانے کی کوشش کی جاتی تھی مگر وہ بیچینی سے ہاتھ پاؤں مار کر لحاف کو پھینک دیتا تھا۔ بادشاہ نے شاہزادے کی زندگی سے بالکل مایوس ہو کر حکم دیا کہ اب شاہزادے کو لحاف نہ اڑھایا جائے اور کہا بیچارہ اسی رات کا مہمان معلوم ہوتا ہے ایک ساعت اور اسے دنیا کی ہوا

سے خوشحال ہونے دو۔ اور خود اسی طرح پٹی سے لگا بیٹھا رہا۔ صبح ہوتے پٹی پر سر رکھ کر سو گیا۔ خواب میں کیا دیکھتا ہے کہ ایک بزرگوار نورانی صورت اس کے سامنے آئے اور ان کے داہنے بائیں بارہ شخص اور بھی ہیں۔ برہان نظام شاہ استقبال کر کے مودب کھڑا ہو گیا تو ان حضرات میں سے ایک صاحب نے فرمایا کہ تو ان بزرگوار کو جانتا ہے کہ کون ہیں؟ یہ حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور یہ بزرگوار جو ان کے داہنے بائیں ہیں دوازدہ امام علیہم السلام ہیں اسی درمیان میں حضرت رسالتمآبؐ نے فرمایا: "اے برہان! حق سبحانہ وتعالی نے علیؑ اور ان کے فرزندوں کی برکت سے (شاہزادے) عبدالقادر کو شفا بخشی۔ تجھے لازم ہے کہ میرے فرزند طاہر کے کہنے سے تجاوز نہ کرے"۔

بادشاہ برہان نظام شاہ اس خواب سے خوش حال بیدار ہوا۔ دیکھا کہ شاہزادے عبدالقادر پر لحاف پڑا ہوا ہے اور اس کی دایہ اور والدہ سے جو برابر جاگتی رہی تھیں معلوم ہوا کہ کسی نے اس لحاف کو نہیں اڑھایا ہے بلکہ اسی وقت خود بخود حرکت کر شاہزادے پر جا پڑا ہے۔ بادشاہ نے ہاتھ ڈال کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ عبدالقادر خواب راحت میں سوتا ہے اور بالکل اچھا ہو گیا ہے۔ اس کے بعد برہان نظام شاہ نے اپنے وعدہ کو پورا کیا۔ مذہب شیعہ اختیار کیا اور خطبہ میں نام دوازدہ امام علیہم السلام کا جاری کر دیا۔

صاحب تاریخ فرشتہ لکھتے ہیں کہ مورخین توران وایران کا اتفاق ہے کہ غازان خاں نے مسلمان ہونے کے بعد دو مرتبہ حضرت رسالتؐ پناہ کو خواب میں دیکھا اور ہر مرتبہ حضرت امیر المومنین یعسوب الدین علی ابن ابیطالبؑ حضرتؐ کے ہمراہ تھے۔ حضرت خاتم الانبیاء نے بعد تعریف عترت طاہرہ کے فرمایا کہ تجھے لازم ہے کہ تو میرے اہلبیتؑ کی نسبت طریق اخلاص جاری رکھے اور ان کی پیروی کرے۔ سادات کو گرامی رکھے۔ اسی سبب سے غازان خاں نے اہلبیتؑ کی محبت اپنے صفحۂ دل پر نقش کی اور سادات کربلا ونجف کو گرامی رکھ کر شیعہ

مذہبوں کو مقرب درگاہ کر کے مناسب عہدوں پر مقرر کیا۔ اب صاحب تاریخ فرشتہ لکھتے ہیں کہ میں حیرت میں ہوں کہ اگر مذہب امامیہ حق ہے تو دوسرے مذہبوں کا انجام کیا ہوگا۔ اور اگر دوسرا مذہب حق ہے تو مذہب امامیہ کے رواج میں یہ سفارش کیا معنی رکھتی ہے؟!۔

اللھم افتح بیننا و بین قومنا بالحق و انت خیر الفاتحین ۔ انتھی ملخصاً"۔ (تاریخ اسلام مطبوعہ دہلی، ج ا،ص ۳۸۶)

یہ واقعہ تاریخ اسلام سے نقل کیا گیا ہے ۔ پوری تفصیل تاریخ فرشتہ میں ہے جو ہندوستان کی سب سے زیادہ مفصل اور معتبر تاریخ ہے ۔ اس کا مصنف فرشتہ، حضرات اہلسنت کا ایک بہت مشہور اور معتمد علیہ عالم تھا۔ مگر چونکہ اصل تاریخ فرشتہ فارسی زبان میں ہے اور اسکی عبارت بہت طویل ہے ۔ اس وجہ سے اس کا نقل کرنا ضروری نہیں معلوم ہوا۔ یہ واقعہ اس قدر مشہور اور یقینی ہے کہ کسی شخص کو اس کے متعلق شک وشبہ نہیں ہوسکتا۔ اس خواب کے بہت مدت بعد جناب شاہ عبد العزیز صاحب دہلوی ہوئے ۔ انھوں نے اپنی کتاب میں اس واقعہ کو تسلیم کیا ہے ۔ چنانچہ لکھتے ہیں "کیفیت خواب برہان شاہ و دعوت طاہر قمی بمذہب شیعہ" یعنی برہان شاہ کے خواب اور طاہر قمی کے مذہب شیعہ کی طرف دعوت دینے کی کیفیت ۔

(فتاوی عزیزیہ مطبوعہ دہلی ص ۲۳۴)

پھر اسی کتاب میں ہے "سوال حکایت طاہر قمی با برہان شاہ کہ دعوت بمذہب امامیہ نمودہ بود و شفائے پسر او را معلق باختیار مذہب ائمہ اثنا عشر ساختہ، باز رویاے برہان شاہ جناب رسالت مآبؐ را و فرمودن آں جناب کہ فرزند تو شفا یافت و بگفتہ طاہر عمل کن از تاریخ فرشتہ منقول فرمودہ بودند"

یعنی طاہر قمی کی حکایت برہان شاہ کے ساتھ کہ، انھوں نے اس بادشاہ کو مذہب امامیہ کی دعوت دی تھی اور اس کے پسر کے شفا کو اس پر معلق کیا تھا کہ مذہب ائمہ اثنا عشر

کو قبول کرلو اس کے بعد برہان شاہ نے جناب رسالت مآب کو خواب میں دیکھا اور آنحضرتؐ نے برہان شاہ سے فرمایا کہ تیرا فرزند اچھا ہوگیا اب طاہر کے کہنے پر عمل کر۔ حضور نے تاریخ فرشتہ سے نقل فرمایا تھا۔ (فتاوے عزیزیہ ص ۱۷۳)۔

اس کے سمجھانے اور مذہب اہلسنت کے بچانے کے لئے شاہ صاحب نے بہت ہاتھ پاؤں مارا ہے۔ مگر سب بیکار۔ اس کے شروع میں لکھا ہے:

''جواب اول مہربان من این سوال و اشکال چند بار پیش فقیر آمدہ و در جواب آن تحریرات چند واقع شدہ کہ این وقت نہ در حافظۂ فقیر است و نہ منقول پیش فقیر ماندہ''

یعنی یہ سوال اور اعتراض چند بار میرے پاس آیا اور اس کے جواب میں کئی تحریریں ہوئیں مگر اس وقت وہ نہ میرے حافظہ میں ہیں نہ ان کی نقل موجود ہے۔ (صفحہ ۱۷۳)

غرض جناب شاہ عبدالعزیز صاحب نے بھی اس واقعہ سے انکار نہیں کیا بلکہ اس کو تسلیم کر کے اپنی کتاب میں درج فرمایا۔ جس سے معلوم ہوا کہ جناب شاہ طاہرؒ نے صرف اپنے مذہب کی حقیقت کا جلوہ اس بادشاہ کو دکھایا۔ کسی مذہب پر اعتراض نہیں کیا۔ کسی کی رد میں کوئی تصنیف نہیں لکھی۔ کسی مذہب پر طعن اور اعتراضات کو پسند نہیں فرمایا۔ ہاں جب کسی نے علماء شیعہ کو مجبور کیا تو وہ اس سے عاجز نہیں رہے چنانچہ جناب شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی نے شیعوں کی ترقی دیکھ کر خود ہی کتاب تحفہ اثنا عشریہ (۱) لکھی چنانچہ وہ تحریر فرماتے ہیں (صرف ترجمہ لکھا جاتا ہے):

''غرض تحریر اس رسالہ اور تسوید اس مقالہ سے یہ کہ ہمارے زمانہ اور شہروں میں

۱۔ تہمتوں اور بے بنیاد باتوں سے بھری اس کتاب میں بارہ ابواب ہیں جن میں کا ہر باب شیعوں کے کسی نہ کسی عقائدی یا فقہی مسائل سے مربوط ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ کتاب شاہ عبدالعزیز کی تصنیف نہیں ہے بلکہ عربی میں ملا نصر اللہ کابلی کی کتاب الصواقع کا فارسی ترجمہ ہے جس کو انھوں نے اپنے نام سے شائع کیا۔ اس علمی سرقہ کو محققین نے ثابت کیا ہے بلکہ خود شاہ صاحب نے اپنی کتاب فتاوائے عزیزیہ میں اعتراف کیا ہے۔ ایسا کیوں کیا اس کے بارے میں وہ خود لکھتے ہیں۔

بالفعل مذہب شیعہ یہاں تک مروج ہوگیا اور پھیل گیا کہ بہت کم گھر ہوں گے جن میں دو ایک آدمی شیعہ مذہب نہ ہو گئے ہوں اور اس عقیدے کی طرف راغب نہ ہوں"۔

(ہدیہ مجیدیہ اردو ترجہ تحفہ اثنا عشریہ، ص ۳)

جس سے ثابت ہوا کہ شاہ صاحب نے شیعوں کی کسی کتاب کے جواب میں یہ کتاب نہیں لکھی بلکہ شیعوں کی ترقی دیکھ کر خود ہی بطور حملہ اس کتاب کو لکھا۔ الحمد للہ کہ اس کتاب کے بکثرت جواب (۱) لکھے گئے اور ہزاروں اوراق کے علمی و دینی تحقیقات اس کی وجہ سے جمع ہوگئیں۔ اسی طرح جناب مولوی حیدر علی صاحب فیض آبادی نے کتاب منتہی الکلام لکھی تو اس کے جواب میں کتاب مستطاب استقصاء الافحام (۲) لکھی گئی۔

جناب قاضی احتشام الدین صاحب مراد آبادی نے نصیحۃ الشیعہ لکھی تو اس کے جواب میں انتصار الشریعہ اور روشنی لکھی گئی۔ جناب نواب محسن الملک مولوی مہدی علی خان صاحب نے آیات بینات لکھی تو اس کا جواب رمی الجمرات و آیات محکمات میں دیا گیا۔ مولوی عبدالحلیم صاحب شرر نے ناول سکینہ بنت الحسین لکھا تو اس کے جواب میں جواب شرر شائع کیا گیا۔ مولوی عبد الشکور صاحب نے اخبار النجم لکھنوء سے نکالا تو مجبوراً اس کے جواب میں کھجوا (سیوان، بہار) سے رسالہ الشمس جاری کیا گیا۔ اسی سلسلہ میں جناب مولوی حاجی ثناء اللہ صاحب

۱۔ متعدد علماء نے مختلف ابواب کی رد میں تقریباً پچاس جوابات دیئے ہیں پانچ ابواب کے جواب غفرانمآبؒ نے دیئے، پانچ ابواب کے مفتی محمد قلیؒ نے جواب دیئے اور دیگر حضرات نے ان میں کے ایک یا دو ابواب کے جواب دیئے۔ اسی کے ساتویں باب امامت کا مشہور جواب میر حامد حسین ہندی کی کئی جلدوں میں عبقات الانوار ہے جس کا اردو ترجمہ نور الانوار کے نام سے اب تک پانچ جلدوں میں شائع ہو چکا ہے۔ پوری تحفہ کے دو جوابات مشہور ہیں ایک شہید رابع کی فارسی میں بارہ جلدوں میں نزہتہ اثنا عشریہ ہے مگر ساری جلدیں دستیاب نہیں ہے۔ اور دوسری مرزا ہادی رسوائی اردو میں ہے جواب تک شائع نہیں ہوئی۔

۲۔ اس کے مؤلف میر حامد حسین صاحب عبقات الانوار ہیں۔

امرتسری اڈیٹر اخبار اہلحدیث امرتسر بھی خود پنجاب وصوبہ متحدہ کا سفر طے کر کے صوبہ بہار میں تشریف لائے اور پٹنہ کے مشہور مدرسہ سلیمانیہ میں پہونچ کر جناب عالم جلیل و محقق نبیل مولانا حکیم سید فرمان علی صاحب مرحوم مدرس اعلیٰ سے زبانی مناظرہ کیا۔ پھر دونوں صاحبوں میں تحریری مناظرہ ہونے لگا۔ مولوی ثناء اللہ صاحب اپنے اخبار اہلحدیث میں اعتراض کرتے تھے اور جناب مولانا مرحوم رسالہ اصلاح کھجوا (سیوان، بہار) میں اس کا جواب دیتے تھے۔ جمادی الاولی ۱۳۲۷ھ سے ربیع الثانی ۱۳۳۲ھ تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ بعد کو مولانا مرحوم نے خود ارادہ کیا تھا کہ ان تحریروں کو کتابی صورت میں شایع کر دیں تا کہ سب ایک جگہ رہیں۔ چنانچہ اپنے مترجم قرآن مجید میں اپنے اس رسالہ کا حوالہ بھی بعض جگہ دیا ہے۔ مگر ہزار افسوس موت نے مہلت نہ دی اور آپ نے جلد ہی انتقال کیا جس سے شیعی دنیا کو نقصان عظیم اٹھانا پڑا۔

چونکہ یہ کل مضامین علمی اور دینی تحقیقات میں اپنی آپ نظیر بلکہ قیمتی ذخیرہ ہیں اس وجہ سے اب دائرہ تحقیق کھجوا (سیوان، بہار) ان سب کو شائع کرتا اور اس کا نام مشل سابق 'الولی' رکھ کر مسلمانوں کی خدمت میں پیش کرتا ہے۔

مختصر حالات مصنف مرحوم

جناب مولانا حکیم سید فرمان علی صاحب مرحوم موضع چندن پٹی ضلع دربھنگہ (صوبہ بہار) کے باشندے تھے ابتدائی کتابیں اپنے اطراف میں پڑھ کر لکھنؤ تشریف لے گئے۔ وہاں کئی سال تک باقاعدہ اور خاص انہماک سے مشغول تحصیل علم رہے۔ آپ کو علم کی اشاعت کا اس قدر شوق اور تحصیل علم دین کرنے والوں کے ساتھ اتنی محبت تھی کہ اپنے زمانہ طالب علمی میں بمقام لکھنؤ بھی چھوٹے لڑکوں کی خدمات ان کی ماؤں کی طرح انجام دیتے اور پھر ان کو کمال توجہ سے پڑھایا کرتے۔ جناب حجۃ الاسلام مولانا السید نجم الحسن صاحب قبلہؒ (۱) و جناب حجۃ الاسلام مولانا السید ظہور حسین صاحب قبلہؒ (۲) اور جناب حجۃ الاسلام مولانا السید محمد باقر صاحب قبلہ اعلیٰ اللہ مقامھم (۳) سے سے۔ بہت دنوں تک تکمیل علوم و معارف کر کے اور مدرسہ ناظمیہ لکھنؤ کی آخری سند ممتاز الافاضل سے مشرف ہو کر اپنے وطن تشریف لائے، جس کے قریب مظفر پور میں مطب شروع کیا۔ یہاں بھی آپ کا سلسلۂ تعلیم و تدریس جاری رہا بہت سے اہلسنت علماء بھی آپ سے علوم درسیہ اور علم طب حاصل کرتے رہے اور جس نے پڑھا اس کے دل پر آپ

۱۔ معروف بہ نجم الملۃ متوفی ۱۳۵۹ھ۔

۲۔ معروف بہ ظہور الملۃ متوفی ۱۳۵۷ھ۔

۳۔ معروف بہ باقر العلوم متوفی ۱۳۴۶ھ۔

کا سکہ بیٹھ گیا۔ پھر پٹنہ کا مشہور مدرسہ سلیمانیہ (۱) قائم ہوا تو آپ اس کے مدرس اعلیٰ مقرر کئے گئے جس کو آپ نے اپنی خداداد قابلیت اور غیر معمولی مساعی جمیلہ سے کالج کے درجہ و شان تک پہونچا دیا۔ تمام اطراف کے طلبہ اس طرف کھنچنے لگے۔

غرض مدرسہ کو آپ کے زمانہ میں نہایت ترقی ہوئی۔ اسی زمانہ میں آپ کی کوششوں سے آل انڈیا شیعہ کانفرنس کا اجلاس بھی پٹنہ میں ہوا تعلیم دینیات میں آپ نے مفید رسالوں کا سلسلہ بھی شروع کیا۔ چنانچہ دینیات کی پہلی۔ دوسری۔ تیسری اور عربیت کی الصرف، النحو، اب تک رائج ہیں۔ قرآن مجید کا نہایت سلیس اردو ترجمہ بھی لکھا جو کئی مرتبہ چھپ چکا ہے۔ زبانی مناظرہ بھی کئی دفعہ کیا ان میں ایک وہ جو جناب شیر پنجاب مولوی ثناء اللہ صاحب اڈیٹر

۱۔ مولانا فرمان علی صاحب مرحوم کی ایما پر نواب الطاف حسین صاحب مرحوم نے ۱۹۰۵ء میں یہ مدرسہ قائم کرکے اس کی ساری ذمہ داری ان ہی کو سونپ دی تھی جس میں مختلف ادوار میں جید علماء تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے۔ اس میں جہاں علامہ عدیل اختر صاحب مرحوم، استاذ الاساتذہ مولانا رسول احمد صاحب مرحوم اور رئیس المبلغین مولانا سعید اختر صاحب مرحوم جیسی علمی شخصیتوں نے کسب علم کیا وہیں علامہ جمیل مظہری مرحوم، جذب گوپال پوری مرحوم اور ہوش عظیم آبادی مرحوم جیسے عظیم شاعروں نے بھی کسب فیض کیا۔

بہر کمالی را زوال والے قاعدے سے یہ مدرسہ بھی نہ بچ سکا اور مدرسہ بہار بورڈ سے وابستہ شیعہ اور سنی سیکڑوں مدرسوں میں سب سے قدیمی یہ مدرسہ زوال کی انتہا تک پہنچ گیا اور جس کا دار الاقامہ طلاب سے چھلک رہا تھا سناٹے میں تبدیل ہو گیا۔ مگر بانی مدرسہ کے اخلاص نے اپنا اثر دکھایا اور اس سناٹے کو اسی کی دہائی میں مولانا الطاف حسین صاحب مرحوم گوپال پوری نے توڑ کر اس میں نئی روح پھونکی اور جہاں اچھے استاد کے آنے کی راہ ہموار کی وہیں دوبارہ دار الاقامہ کو بھی زندہ کیا اور سناٹا چہل پہل میں تبدیل ہو گیا۔ گرچہ ان کے ساتھ وہی سلوک کیا گیا جو حضرت علیؑ کے ساتھ کیا گیا تھا مگر انھوں نے بقائے مدرسہ کی خاطر اسی طرح صبر کیا تھا جس طرح بقائے اسلام کے لئے حضرت علیؑ نے صبر کیا تھا اخلاص کی یہی علامت ہے۔

ناشکری ہوگی اگر یہاں مولانا ڈاکٹر امانت حسین صاحب کا ذکر نہ کیا جائے جنہوں نے جہاں ماضی میں اس مدرسہ کی ترقی کے لئے کوششیں کیں وہیں آج بحیثیت پرنسپل اس کو بام عروج تک پہنچانے میں مشغول ہیں۔

اہلحدیث امرتسر سے پٹنہ میں ہوا۔ دوسرا وہ جس کے لئے آپ باقاعدہ پنجاب میں طلب کئے گئے زیادہ مشہور اور بڑے عظیم الشان ہوئے۔ اور دونوں میں آپ کو اعلیٰ درجہ کی کامیابی حاصل ہوئی۔ آپ سے قوم کو بکثرت دینی، علمی اور قومی امیدیں وابستہ تھیں مگر افسوس اے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔ آپ نے ۴ رجب ۱۳۳۴ھ کو انتقال کیا جس سے وہ سب تمنائیں زیر زمین دفن ہوگئیں۔

ممدوح نے صرف چھ ماہ میں پورا قرآن حفظ کرلیا تھا۔ جس طرح آپ نے علم اچھا پایا تھا عمل میں بھی بہت عالی ہمت اور جفاکش تھے۔ مدرسہ کے علاوہ جو وقت ملتا وہ بھی تعلیم تصنیف وتالیف اور اشاعت دین میں صرف کرتے تھے۔ طلبہ کو تو اپنی خاص اولاد سمجھتے۔ اپنا مال کثیر ہر ماہ ان کی ذات پر صرف کردیتے اور اپنی ظاہری عزت کی ذرہ برابر پرواہ نہ کر کے بے تکلف خوشحال مومنین سے بھی ان کا انتظام کردیتے۔ ایسے باعمل علماء سے زمانہ خالی ہوتا جاتا ہے۔ آپ کی ولادت غالباً ۱۲۹۳ھ میں ہوئی تھی۔ آپ کے انتقال کی تاریخ جناب صفی لکھنوی کے اس شعر سے نکلتی ہے:

ہم نے جب کوہ کنی کی تو یہ نکلی تاریخ	ایک الحمد کو ہے حافظ قرآں محتاج

۱۹۴۷ء

اس سے ۳۱ نکال دیجئے تو ۱۹۱۶ء سال وفات نکلتا ہے۔ جناب مرحوم نے جناب سیدہ کی مفصل سوانح بھی لکھی تھی۔ اگر جناب مرحوم کے اعزاء اس کا مسودہ تلاش کر کے عنایت کریں تو دائرہ تحقیق اس کو بھی شائع کردے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مولوی ثناء اللہ صاحب کی راستبازی

جو تمہاری طرح تم سے کوئی جھوٹے وعدے کرتا
تمہیں منصفی سے کہہ دو تمہیں اعتبار ہوتا

صفر کی بائیسویں تاریخ ہے اور شام کا وقت ہے اور میں دریا کنارے گلزار باغ جہاز اسٹیشن پر اپنے ایک خاص عزیز کو (جو حج سے واپس آئے تھے) رخصت کرنے کی غرض سے گیا ہوں وہاں سے پلٹتا ہوں اور سات بجنے کے بعد مدرسہ کے احاطہ میں پہونچتا ہوں اور یہ خبر معلوم ہوتی ہے کہ نواب ابو صاحب (۱) رئیس گلزار باغ پٹنہ تشریف لائے ہیں اور ان کے علاوہ چند حضرات اور بھی آئے ہوئے ہیں یہ سن کر میں اپنے قیام گاہ پر آتا ہوں اور اپنے معزز دوست مولانا سید سبط حسن صاحب (۲) کو جو ایک روز قبل سے تشریف رکھتے ہیں اور نواب ابو صاحب موصوف اور اپنے خاص دوست سید محمد اسحاق صاحب اور پانچ اجنبی آدمیوں کو اپنے کمرے میں موجود پاتا ہوں۔ میں بیٹھتا ہوں اور بیٹھتے ہی مذہبی چھیڑ چھاڑ شروع ہو جاتی ہے (جس کو میں آئندہ عرض کروں گا) مجھے اس تحریر سے نہ بحث کرنی منظور ہے نہ جھگڑا بلکہ صرف اتنا دکھلا دینا ہے کہ مولوی ثناء اللہ صاحب اڈیٹر اہلحدیث اس واقعہ کے بیان کرنے میں کتنا سچ بولے اور اس کی تصدیق ان کے ساتھی حضرات سے بھی چاہتا ہوں اور اس کے بعد پھر موقع موقع پر ایک آیت کی

۱: آپ کا نام سید محمد عباس تھا۔ آپ ہی کے نام پر آپ کے بیٹے نواب سید محمد صاحب نے ۱۳۴۲ھ میں دولی گھاٹ پٹنہ میں مدرسہ عباسیہ قائم کیا تھا جس کا افتتاح باقر العلوم مولانا سید محمد باقر صاحب نے کیا تھا۔ مگر حالات کی وجہ سے یہ سترہ سال سے زیادہ نہ رہ سکا۔

۲:۔ مولانا فرمان علی صاحب کے ہم درس مولانا سبط حسن صاحب متوفی ۱۳۵۴ھ کو دنیائے خطابت میں وہی مرتبہ ملا جو مرثیہ نگاری میں میر انیس کو حاصل ہوا تھا۔ خطیب اعظم اور خطیب آل محمد سے سب سے پہلے آپ ہی ملقب ہوئے تھے۔ کیونکہ اردو زبان کی مجلسوں کے موجد خطابت آپ ہی ہیں۔

تلاوت کرتا جاؤں گا۔

یہ واقعہ جس دن کا ہے اسی دن میرے احباب نے مجھ سے اصرار کیا تھا کہ تم اس واقعہ کو من وعن شائع کردو مگر میں نے عمداً اس سے پہلوتہی کی تھی اور اس کو معمولی بات ناقابل اجتناب سمجھ کر ٹال دیا تھا مگر یہ نہ سمجھا تھا کہ مولوی ثناء اللہ صاحب ماشاءاللہ حق سے کنارہ کشی میں مشاق ہیں کہ دو روز کے واقعہ کو یوں سے یوں بنا دیں گے جس سے مجھے اس کا بھی یقین ہوگیا کہ ان کے پیشواؤں نے اگر خم غدیر کے واقعہ کو دو ڈھائی مہینے کے اندر عمداً بھلا دیا اور اس کو جھوٹا کر دکھایا تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کیونکہ یہ ان حضرات کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔

آج تیرہویں ربیع الاول دوشنبہ کو اہلحدیث کا پرچہ نظر پڑا جس میں ''میرا سفر'' کی سرخی سے عظیم آباد پٹنہ کی حالت لکھتے ہوئے اس واقعہ کو تحریر فرماتے ہیں۔ مجھے صرف مولوی ثناء اللہ صاحب کی راستگوئی دکھانا ہے اور یہ بھی دکھلا دینا ہے کہ یہ لوگ خواہ مخواہ کی چھیڑ کیوں کر نکالتے ہیں۔ میں ان حضرات اہل تشیع سے بھی ان کے اقوال کا داد طلب ہوں جو بے دھڑک فرمایا کرتے ہیں کہ 'اصلاح' 'شیعہ' خواہ مخواہ کی چھیڑ نکالتے ہیں جس سے جھگڑوں کی ابتداء ہوتی ہے حالانکہ اس کی خبر نہیں کہ شیعہ کبھی اپنی طرف سے ابتداء نہیں کرتے بلکہ ہمیشہ ان حضرات اہلسنت کے اعتراضات اور یاوہ سرائیوں کا جواب دیتے ہیں شیعوں کی طرف سے نہ کبھی جھگڑے کی ابتداء ہوتی ہے نہ ہوگی مگر بات تو یہ ہے کہ شیر ہزار کج وکاواک رستے کو چھوڑ سیدھے رستے ٹھنڈے ٹھنڈے چلے مگر خواہ مخواہ چیخنے والے جانور بغیر چھیڑے نہیں مانتے اور پھر شیر کو کچھ نہ کچھ چشم نمائی کی ضرورت پڑتی ہے۔

اگر مولوی ثناء اللہ صاحب کو شوق ہے تو بسم اللہ میدان میں آئیں تقریراً یا تحریراً جس طرح چاہیں مناظرہ کرلیں اور میں اسی آیت 'انما ولیکم اللہ ورسولہ ...'' سے خلافت بلا فصل علی بن ابی طالب علیہ السلام کو ثابت کردوں گا اور اس وقت میں یہ بتا دوں گا کہ جس طرح اس دن

شب کو میدان ہمارے ہاتھ رہا اور مولوی صاحب وقت کی تنگی، آواز کی خشکی کا گرم پانی پینے پر بھی عذر بارد کر کے بھاگتے نظر آئے اور ایسے محترم بزرگ (مولوی سبط حسن صاحب) کو جوان سے مولوی فاضل کے امتحان میں بدرجہ افضل و اعلیٰ تھے کہ مولوی ثناء اللہ صاحب کا نمبر چودھواں تھا اور ان کا پانچواں اپنے کھسیانے پن میں نو آموز کہنے لگے۔ ع: 'بایں عقل و دانش بباید گریست'

اور میں ہر چند روکتا رہا کہ مولوی صاحب ابھی تشریف رکھئے ابھی تو آپ سے باتیں ہی کیا ہوئیں مگر مولوی صاحب نے چونکہ اتنے ہی دیر کی تقریر میں سمجھ لیا تھا کہ یہ نرم چارہ نہیں ہے نہ مانا اور چلتے پھرتے نظر آئے اس کے بعد اپنی خجالت مٹانے کے واسطے آپ نے اپنے اخبار میں یوں گہر فشانی کی ہے۔ مگر مولوی صاحب کو یاد رکھنا چاہیے کہ 'مشتے کہ بعد از جنگ یاد آید برکلہ خود باید زد' ع:

اب پچھتائے کا ہوت ہے　　　　جب چڑیاں چگ گئیں کھیت

پہلے میں مولوی صاحب کے جملوں کو نقل کر کے ان کی راستبازی اور صدق بیانی کی داد دیتا ہوں اس کے بعد جو تقریریں فی مابین ہوئی تھیں من وعن عرض کروں گا مگر قبل اس کے اتنا بیان کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ مولوی صاحب کو میرے پاس تشریف لانے کا آخر باعث کیا ہوا۔ اس کی وجہ بیان کر دینے سے ناظرین کو اس تقریر کا زیادہ لطف آئے گا وہ یہ ہے کہ مولوی عبد الہادی صاحب جو غالباً موتیہاری کے مدرسہ کے مدرس ہیں ایک مرتبہ اس اسٹیمر پر جو پٹنہ شہر سے پلہیزا گھاٹ جاتا ہے اور میں بقصد مظفر پور اتفاقاً اس پر سوار تھا اور مجھ سے ایک دوسرے شخص سے تبرا کے بارے میں گفتگو ہو رہی تھی کہ آپ دخل در معقولات کرتے ہوئے دھنس پڑے اور مجھ سے باتیں ہونے لگیں اس تقریر میں کچھ ایسے شرمندہ ہوئے تھے کہ مجھ سے میرے قیام کا پتہ ونشان پوچھ لیا تھا اب اتنے عرصہ کے بعد مولوی ثناء اللہ صاحب کو اپنے خیال میں ایک بڑا آدمی سمجھے تو اپنی خجالت مٹانے کے واسطے اپنا پشت و پناہ بنا کر لے آئے مگر افسوس یہ پشت

پناہ بھی کام نہ آئے اب ان کے جملوں کو اوران کی صدق بیانی کو ناظرین ملاحظہ فرمائیں:

''طبیعت کو شوق ہوا کہ پٹنہ کے مشہور مدرسہ سلیمانیہ میں چل کر شیعہ علماء سے ملیں''۔

شوق ذوق تو نہیں ہوا مولوی عبد الہادی صاحب آپ کو ابھار کر اپنی خجالت مٹانے کے واسطے لائے تھے۔ مگر افسوس یہ تمنا بر نہ آئی۔

''چنانچہ ہمراہی مولوی عبد السلام صاحب وعبد الہادی صاحب بعد مغرب مدرسہ مذکور میں پہونچے''

سبحان اللہ جب کل کے واقعہ کے نسبت آپ کے حافظہ کا یہ حال ہے تو تیرہ سو برس کے واقعات میں معلوم نہیں آپ کیا کرتے ہوں گے۔ اجی حضرت آپ کے ساتھ چار بزرگ تھے اب یاد آیا؟

''مدرسہ کے مدرس اعلیٰ مولوی فرمان علی صاحب (فرمان علی) کے پاس مولوی سبط حسن صاحب موجود تھے''۔

کیا کہنا ہے اس راست گوئی کے صدقے۔ اگر کہئے تو ایک آیت پڑھ دوں جو آپ سمجھ گئے ہوں گے میں اس وقت کہاں موجود تھا اس وقت تو صرف نواب ابو صاحب اور مولوی سبط حسن صاحب اور سید محمد اسحاق صاحب وہاں موجود تھے۔

''معمولی مزاج پرسی کے بعد میں نے گفتگو شروع کر دی''۔

یہ بھی غلط ہے مزاج پرسی وغیرہ کیسی۔ صاحب سلامت تو البتہ ضرور ہوئی تھی۔ اور کچھ بھی نہیں۔

''شیعہ سنی میں مشترک ماہیت اور متفق علیہ کتاب قرآن مجید ہے''۔

ہاں جناب یہ تو سچ کہا آپ نے۔ واقعی اپنی تقریر میں شیعہ سنی کے مشرک ماہیت قرآن مجید کو قرار دیا تھا اور اب بھی آپ اسی پر اڑے ہوئے ہیں۔ شیعہ سنی کے مصداق خواہ اشخاص ہوں یا مذہب مگر قرآن مجید ان دونوں میں سے کسی کی ماہیت مشترکہ نہیں ہو سکتی یہ آپ کی نئی منطق ہے جس پر آپ کے ساتھی مولوی صاحبان نے آپ کی منطقیت پر کمال حیرانی اور سرور ظاہر کیا تھا۔

اور آپ کو اہلحدیث کا یکتا معقول مانا تھا۔ اب ہم بھی آپ کی منطقیت پر صاد کرتے ہیں آپ نے اتنی چالاکی تو ضرور کی ہے کہ اس وقت شیعہ سنی کی مشترک ماہیت فرمایا تھا اور اب شیعہ سنی میں مشترک ماہیت فرماتے ہیں مگر یہ چالاکی کچھ کام نہ آئے گی۔

برو این دام بر مرغ و گر نہ		کہ عنقار ا بعید است آشیانہ

جب آپ یکتا معقولی ایسے ہیں تو معلوم نہیں دوسرے کیسے ہوں گے۔

قیاس کن ز گلستان من بہار مرا

آپ نے یہ ضرور کہا تھا اور مولوی سبط حسن صاحب نے اس پر تعرض بھی کیا تھا اور میں نے اس کو سبقت لسانی پر محمول کر کے اس سے تعرض کرنا مناسب نہ سمجھا تھا اور مولوی صاحب کو باز رکھا تھا۔

"مناسب ہے کہ شیعہ سنی کے مسائل اختلافیہ کا فیصلہ اسی کتاب (قرآن مجید) سے ہو جائے"

سبحان اللہ آپ بھی کس قدر سچ بولتے ہیں، حضرت اتنا جلد بھولے یا عمداً آپ نے اپنی عیب پوشی کے واسطے باقی کو قلم انداز کر دیا اچھا اب سنیئے آپ نے فرمایا تھا کہ شیعہ سنی میں اختلاف صرف مسئلہ خلافت میں ہے اور اس کو قرآن ہی سے فیصلہ ہونا چاہیے جس پر میں نے تعرض بھی کیا تھا کہ مابہ الاختلاف صرف خلافت نہیں ہے بلکہ توحید سے لے کر قیامت تک بہت سے مسائل میں اختلاف ہے مگر آپ تو اخفائے حق میں مشاق ہیں آخر یہاں بھی وہی کر گزرے کیا کیجئے گا۔

العادة كالطبيعة الثانيه

"مولوی فرمان علی صاحب نے جواب میں قرآن مجید کو مدار کار مانا اور آیہ انما ولیکم اللہ ۔۔۔الخ پڑھی"

اس میں بھی آپ کچھ نہ کچھ جھوٹ بول ہی گئے۔ میں نے ہرگز مدار کار نہیں مانا تھا ہاں اگر یہ کہیئے تو صحیح ہے کہ میں نے آپ کے قول کو تسلیم کر لیا تھا اور کوئی نقض اس پر وارد نہیں کیا تھا اور آپ ہی کے قول کی بناء پر اثبات خلافت میں یہ آیت پیش کی تھی۔ اور آپ کی فرمائش سے وجہ

استدلال اور شان نزول بھی بیان کر دیا تھا۔

''فرمایا کہ اس میں ذکر ہے کہ جو لوگ رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں وہ تمہارے ولی ہیں''

سبحان اللہ میٹھا میٹھا ہڑپ اور کڑوا کڑوا تھو۔ میں نے جو وجہ استدلال اور شان نزول بیان کیا تھا اور جس عنوان کا ترجمہ کیا تھا ان سب کو تو آپ کھا بیٹھے اور صرف ایک جملہ اپنی طرف سے میرے نام سے گڑھ کر لکھ مارا۔

''شیعہ سنی دونوں کا اس پر اتفاق ہے کہ جناب علی مرتضیٰؑ نے انگوٹھی سائل کو دی تھی میں نے کہا سنیوں کا نام تو نہ لیجیے۔ وہ تو اس روایت کو موضوع (جھوٹی) بتلاتے ہیں''

واقعی آپ بھی کس قدر سچے ہیں کوئی جملہ بھی پورا پورا سچ نہیں بولتے۔ آپ نے تو صرف علامہ ابن تیمیہ کا نام لیا تھا کہ وہ اس روایت کو موضوع بتلاتے ہیں اور آج آپ فرماتے ہیں کہ سنیوں کا تو نام نہ لیجیے۔ جس طرح آپ اس نقل میں سچے ہیں اسی طرح آپ اپنے قول میں بھی سچے ہیں۔ اگر آپ میدان مناظرہ میں تشریف لایئے گا تو میں بتا دوں گا کہ کتنے سنی اس کے قائل ہیں۔ ملاحظہ ہو منہاج السنۃ۔ یہ آپ اب فرما رہے ہیں جس کے جواب میں میں عرض کروں گا کہ بُرکلہ خود باید زد۔ اس وقت تو آپ نے اس کا نام ایک حرف بھی اپنی زبان پر جاری نہ کیا تھا۔ اس پر بھی اگر نہ مانیئے تو میں پھر وہی آیت پڑھوں گا۔

''علاوہ اس کے آیت جملہ اسمیہ ہے جو وقت نزول سے انتہائے مدت تک اپنا حکم دیتا ہے۔ پس آیت کے معنی (حسب قول شیعہ) یہ ہوئے وقت نزول آیت حضرت علیؑ خلیفہ تھے حالانکہ اس وقت جناب رسولؐ زندہ تھے اور خلافت کے مفہوم میں بعدیت ماخوذ ہے''

جملہ اسمیہ والا جملہ تو آپ نے بیشک فرمایا تھا اور شاید آپ عمر بھر میں یہی ایک سچ بولے ہیں۔ مگر آپ نے یہ ہرگز نہیں فرمایا تھا کہ وقت نزول آیت کے حضرت علیؑ خلیفہ تھے۔ آپ نے کیا کہا تھا یہ میں بعد کو عرض کرتا ہوں۔

''اس تقریر کو ذرا منطقی طریقہ سے ادا کیا''

کیوں نہ ہو آپ ہیں بھی تو بڑے منطقی مولوی صاحب پاس کر چکے اور وہ بھی چودھویں نمبر پہ ،پھر آپ کے منطقی ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے ۔جب ہی تو آپ اپنے مولوی صاحبان کے نزدیک یکتا معقولی قرار پائے اور شیعہ سنی کی مشترک ماہیت قرآن کو قرار دے دیا۔

''تو مولوی صاحب موصوف نے فرمایا کہ ہاں اس وقت بھی علیؑ واجب الاتباع تھے''۔

بیشک میں نے یہ جملہ ضرور کہا تھا مگر اس کے ساتھ کچھ اور کہا تھا یا نہیں اس کو آپ نے اپنی نیک نیتی اور دیانت سے قلم انداز کر دیا۔آپ تو ضرور فقط ''لا تقربوا الصلوٰۃ '' پہ عمل کرتے ہوں گے اور'' و انتم سکاریٰ '' کو غائب۔

''میں نے کہا کیا بحیثیت خلافت کے واجب الاتباع تھے؟ کیا خلیفہ من حیث الخلیفہ ہونے کے قبل از نصب اور بعد از عزل بھی واجب الاتباع ہوتا ہے''

مولوی صاحب آپ نے جھوٹ بولنے میں ماشاء اللہ اچھا ملکہ پیدا کیا ہے ۔حیثیت کی قید تو مولوی سبط حسن صاحب کی سوجھائی ہوئی آپ کو سوجھی تھی ۔تقریر کے وقت تو ہرگز یہ الفاظ آپ کی زبان سے نہ نکلے تھے ۔اور اگر میرے کہنے میں کچھ شک ہو تو میں پھر وہی آیت پڑھوں گا جس میں کچھ جھوٹوں کی مدح خوانی ہے۔

''مولوی صاحب نے کہا ہاں ہوتا ہے''

سبحان اللہ میں نے یہی کہا تھا افسوس کہاں تک وہ آیت پڑھوں مگر فضل خدا سے آپ اپنی عادت سے باز نہ آئیں گے ۔ع: 'میرے شیر شاباش رحمت خدا کی'۔

''مگر جھٹ سے دوسرے مولوی صاحب (سبط حسن نے) ان کی تلقین یا تائید کی''

ماشاء اللہ آپ کا قلم ہے یا کیا کہ کسی جگہ قرار ہی نہیں لیتا۔جھوٹ کا طوفان ہے کہ اُمڈا آتا ہے مگر آپ ایسے غیرت دار ہیں کہ ڈوب بھی نہیں مرتے ۔مولوی صاحب نے نہ تلقین کی تھی نہ تائید۔

اور نہ جھٹ سے بلکہ ہم لوگوں کی طولانی تقریر کے بعد یہ البتہ کہا تھا جس کو آپ خود آگے نقل کرتے ہیں کہ "مان لیجیے" دروغ گورا حافظہ نباشد آپ ہی کے واسطے موضوع ہوا ہے۔

"کہ آپ (مولوی فرمان علی صاحب) مان لیجیے کہ بعد از عزل خلیفہ بحیثیت خلافت واجب الاتباع نہیں رہتا مگر بحیثیت ولایت رہ سکتا ہے"۔

اس میں بھی آپ اپنی راست گفتاری سے باز نہ آئے۔ مولوی سبط حسن صاحب نے یہ البتہ ضرور کہا تھا ان عزل الخلیفة فاتباعه لیس بواجب من هذه الجهة "آپ نے اس جملہ شرطیہ کو سالبہ جملہ بنا دیا کیوں نہ ہو آپ منطقی بھی تو بڑے ہیں اور سچے اعلیٰ درجہ کے ہیں بھلا خلیفہ اور عزل کیونکر ممکن ہے۔

"میں نے کہا بس اب تو مطلع بالکل صاف ہے معلوم ہوا کہ ولایت وخلافت دو جدا جدا مفہوم ہیں"

ہاں بے شک آپ نے یہ کہا تھا مگر مجھے حیرت ہے کہ آپ سچ کیوں کر بول بیٹھے۔ ہاں صحیح تو ہے "النادر کالعدم"۔

"مولوی سبط حسن صاحب نے تسلیم کیا کہ ہاں ولایت عام ہے"

یہاں بھی آپ وہی چال چلے "لا تقربوا الصلوٰة" کو پڑھا اور "انتم سکاریٰ" کو چھوڑا۔ مولوی سبط حسن صاحب نے یہ بھی کہا تھا۔ مگر مصداقاً دونوں ایک ہیں۔ اس کے بعد جو کچھ آپ نے تحریر فرمایا ہے یہ محض آپ کی لن ترانی ہے اس وقت تو یہ سب آپ نے کچھ بھی نہیں کہا تھا اور اس کے جواب میں میں "ہر کلمہ خود باندزد" عرض کروں گا۔

"اس پر دونوں صاحب کھسیاتے ہوئے تو ہم نے سلام عرض کر کے رخصت حاصل کی"

یہ تو آپ کا دل ہی جانتا ہو گا جیسے کھسیانے ہوئے اٹھے تھے۔ آپ جو فرمایئے

ع: چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد۔

"دوسرے روز دونوں صاحب اپنی اخلاقی جرأت سے ملاقات وبازدید کو جلسہ گاہ میں تشریف لائے"

باز دید کو تو خیر گیا ہی تھا مگر یہ بھی مقصود تھا کہ دروغ گو را تا بدر باید رسانید، مگر افسوس آپ جلسے میں تھے اور مجھے اس کی پہلے سے خبر نہ تھی۔

"جس کے لئے ہم ان کے مشکور ہیں"

ہاہاہا آپ نے مشکور کا لفظ کس موقع سے صرف کیا ہے یہ بھی آپ کی عربیت کی دلیل ہے۔

اب ناظرین سنیں کہ مجھ سے اور مولوی ثناء اللہ صاحب سے کیا باتیں ہوئیں اتنا تو آپ سن چکے کہ جب یہ حضرات آئے ہیں تو میں موجود نہ تھا جب میں آیا تو یوں سلسلہ کلام شروع ہوا:

نواب ابو صاحب (مجھے دیکھ کر): لیجئے وہ خود آ گئے سب حضرات نے میری عزت افزائی کی تعظیم کو اٹھے میں بھی سلام کر کے بیٹھ گیا۔

مولوی عبد الہادی صاحب (جو مولوی ثناء اللہ صاحب کو اپنی خجالت مٹانے کے واسطے لائے تھے میری طرف مخاطب ہو کر): آپ مجھے تو پہچانتے ہوں گے؟

میں: اچھی طرح تو نہیں پہچانتا۔

مولوی عبد الہادی صاحب: آپ سے مجھ سے جہاز پر ملاقات ہوئی تھی۔

میں: ہاں ہاں یاد آیا۔ بیشک میں نے پہچانا۔

اس کے بعد دو تین منٹ تک کچھ رسمی باتیں پان وغیرہ کے متعلق ہوئیں اس کے بعد

مولوی ثناء اللہ صاحب (اور میں اس وقت تک ان سے واقف نہیں ہوں): میں نے آپ کی تعریف بہت سنی ہے اور آپ کے علم و فضل کا بہت شہرہ ہے۔

میں: میں تو کسی قابل نہیں ایک طالب العلم ہوں۔

مولوی ثناء اللہ صاحب: خیر اس وقت اس لئے آیا ہوں کہ آپ سے کچھ علمی باتیں کروں۔

میں: بسم اللہ

مولوی ثناء اللہ صاحب: اس میں شک نہیں کہ شیعہ و سنی کی مابہ الاشتراک قرآن ہے۔

مولوی سبط حسن صاحب: ایں یہ ماہیت مشترکہ کیسی۔

میں: خیر جانے دیجئے یہ کوئی بات نہیں۔

مولوی ثناء اللہ صاحب: جناب یہ داب مناظرہ کے خلاف ہے آپ ایک صاحب گفتگو کریں۔ میں آپ سے مخاطب ہوں آپ ہی جواب دیں۔

میں: اچھا جناب آپ فرمایئے میں ہی جواب دوں گا۔ آپ نہ بولیں گے۔

مولوی ثناء اللہ صاحب: میں ثابت کردوں گا کہ ماہیت مشترکہ کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

میں: خیر آپ ثابت کیجئے گا۔ یہ کوئی تعرض کی بات نہیں ہے۔ آپ کو جو فرمانا ہے فرمایئے۔

مولوی ثناء اللہ صاحب: تمام فرق اسلام قرآن کو اپنا مستمسک قرار دیتے ہیں اور اس میں تمام احکام موجود ہیں۔

میں: مستمسک تو قرار دیتے ہیں اور تمام احکام بھی ہوں مگر سب صراحتاً نہیں ہیں۔ بلکہ بہت سے اجمالاً اور بہت سے کنایۃً۔

مولوی ثناء اللہ صاحب: اور شیعہ سنی میں مابہ الاختلاف صرف مسئلہ امامت ہے۔

میں: صرف مسئلہ خلافت ہی مابہ الاختلاف نہیں ہے بلکہ من التوحید الی المعاد بہت سے مسائل میں اختلاف ہے۔

مولوی سبط حسن صاحب (مجھ سے): خیر اس وقت مان لیجئے کہ اسی میں اختلاف ہے۔

میں: اچھا جناب بہتر آگے فرمایئے۔

مولوی ثناء اللہ صاحب: میں چاہتا ہوں کہ کوئی آیت ثبوت خلافت بلافصل میں پیش کیجئے

میں: اہل تشیع ثبوت خلافت بلافصل علی بن ابی طالبؑ میں بہت سی آیتیں رکھتے ہیں۔ منجملہ ان کے ایک آیت یہ ہے: "انما ولیکم اللہ و رسولہ والذین آمنوا الذین یقیمون الصلوٰۃ و یوتون الزکوٰۃ وھم راکعون" اس آیت کا ترجمہ تو آپ جانتے ہی ہیں؟

شانِ نزول میں بھی غالباً آپ کو اختلاف نہ ہوگا؟!۔

مولوی ثناء اللہ صاحب: آپ بیان فرمایئے

میں: ترجمہ تو یہ ہے: 'تمہارا حاکم اور سرپرست صرف خدا اور اس کا رسولؐ اور وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے ہیں اور نماز کو برپا رکھتے ہیں اور حالت رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں'۔

شانِ نزول میں اس کے قریب قریب کل مفسرین کا اتفاق ہے کہ علی بن ابی طالبؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔

مولوی ثناء اللہ صاحب: یہ تو غلط ہے۔ ہم اہلحدیث کے بڑے بزرگ علامہ ابن تیمیہ کا قول ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے کہ یہ آیت علی بن ابی طالبؑ کی شان میں نازل ہوئی۔ جناب وجہ استدلال بیان کیجئے؟۔

میں: وجہ استدلال یہ ہے کہ خداوند عالم نے اس آیت میں حکومت کو اپنی ذات اور اپنے رسولؐ اور ان ایمان داروں میں جو حالت رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں منحصر فرمایا ہے اور ان ایمان داروں سے مراد (بقول مفسرین) علی بن ابی طالبؑ ہیں۔ پس حاکم ہم لوگوں کے صرف یہی تین قرار پائے: اول خدا، دوسرے رسولؐ، تیسرے علی بن ابی طالبؑ۔

مولوی ثناء اللہ صاحب: یہ ظاہر ہے کہ یہ جملہ اسمیہ ہے۔

میں: ہاں ہے۔

مولوی ثناء اللہ صاحب: اور جملہ اسمیہ ہمیشہ ثبوت و دوام پر دلالت کرتا ہے۔

میں: اچھا پھر؟ (حالانکہ بجائے خود یہ بھی مسلم نہیں)۔

مولوی ثناء اللہ صاحب: تو ثابت ہوا کہ علی بن ابی طالب وقت نزول سے الی ابد الآباد واجب الاتباع تھے۔

میں: ہاں، یقیناً، بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ اس سے بھی قبل سے واجب الاتباع تھے پھر اس

میں خرابی کیا لازم آتی ہے۔

مولوی ثناء اللہ صاحب: پھر اس سے خلافت ثابت نہیں ہوئی جس کا آپ نے دعوی کیا تھا کیونکہ اس کے مفہوم میں بعدیت ماخوذ ہے۔

میں: ضرور خلافت ہی ثابت ہے مگر ہاں بات یہ ہے کہ میری اور آپ کی اصطلاح میں فرق ہے۔ تو بہتر ہے کہ پہلے خلافت کے معنی طے ہو جائیں۔

مولوی ثناء اللہ صاحب: تو بہتر بیان کیجئے۔

میں: آپ کے ہاں خلافت کے معنی یہ ہیں کہ رسولؐ کے بعد چند اشخاص کا اجماع کر کے کسی کو خلیفہ رسولؐ بنا لینا اور میرے خیال میں یہ صحیح نہیں بلکہ خلافت کے معنی یہ ہیں کہ وہ ریاست عامہ جو بندوں کے امور معاش و معاد کی اصلاح کے واسطے منجانب اللہ رسولؐ کی جانشینی سے حاصل ہو۔ اور اس کا نفاذ پورا پورا عام طور پر اگر چہ رسولؐ کے بعد ہوتا ہے مگر اس کے قبل بھی خلیفہ واجب الاتباع ہے مگر رسولؐ کی موجودگی کی وجہ سے اس کو اپنے احکام جاری کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اور اس کی حالت بعینہ کسی بادشاہ کے ولیعہد کی ہوتی ہے۔

مولوی ثناء اللہ صاحب: تو ہم یہاں ایک جملہ شرطیہ بناتے ہیں ان عزل الخلیفة فاتباعه لیس بواجب صحیح ہے یا نہیں (مگر ماشاء اللہ بولنے میں عَزَلَ برابر بہ صیغہ معروف ہی بولتے رہے)۔

میں: صحیح نہیں ہے۔ اس کا مقدم و تالی دونوں غلط ہے۔

مولوی ثناء اللہ صاحب: کیا شرطیہ کی صحت میں مقدم و تالی کے صحت کی ضرورت ہے تو پھر قضیہ" لو کان اللہ ولد لکنا اول العابدین" بھی غلط ہو گا۔

میں: نہیں۔ مقدم و تالی کے صحت کی ضرورت نہیں بلکہ بین المقدم والتالی ایک علاقہ خاصہ جو تلازم پر دلالت کرے ضرور ہونا چاہئے اور بغیر اس کے شرطیہ صحیح نہیں ہو سکتا اور یہاں نہ مقدم و

تالی صحیح ہے نہ دونوں میں علاقہ معیحہ ہے۔

میری اتنی تقریر کے بعد مولوی ثناء اللہ صاحب نے فرمایا کہ مجھ سے بات نہیں کی جاتی آواز نہیں نکلتی تھوڑا پانی پلایئے۔جب پانی دیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ میں گرم پانی پیوں گا۔غرض پانی گرم ہو کر آیا اور آپ نے نوش کیا اور اتنی دیر میں کچھ سوچ ساچ کر پھر تیار ہوئے اور فرمایا:

مولوی ثناء اللہ صاحب: تو کیا خلیفہ بعد العزل بھی واجب الاتباع ہوگا۔

میں: یقینا، کیونکہ ہماری آپ کی اصطلاح میں فرق ہے۔ پہلے ہی عرض کر چکا کہ خلافت منصوص من اللہ ہوتی ہے پھر آدمیوں سے کسی کو اس کے عزل ونصب کا اختیار نہیں۔اس بناء پر خلیفہ کا معزول ہونا محال اور جب مقدم محال ہوا تو بنا بر قاعدہ کلیہ، **المحال یستلزم المحال** دوسرے محال کو بھی مستلزم ہوگا۔

اس تقریر میں مجھ سے اور مولوی ثناء اللہ صاحب سے کچھ دیر تک گفتگو کا سلسلہ بڑھا اور آپ نے پھر آواز کی خستگی کا عذر بار دپیش کیا۔

مولوی سبط حسن صاحب (اجازت لے کر): میں دیکھتا ہوں کہ آپ دونوں حضرات ایک منطقی مسئلہ میں الجھے ہوئے ہیں اور کوئی نتیجہ نہیں نکلتا۔لہذا میں اس نزاع کو قطع کرنے کے واسطے عرض کرتا ہوں کہ آپ (میں) صحیح مان کر جواب دیجئے۔

میں: میں کیوں مانوں۔اگر غلط کہہ رہا ہوں تو مولوی ثناء اللہ صاحب فرمادیں۔

مولوی سبط حسن صاحب: اچھا صاحب آپ نہ مانئے میں اسے مان کر آپ کی طرف سے جواب دیتا ہوں۔ ہاں جناب سنئے۔اچھا میں مانتا ہوں کہ یہ قضیہ صحیح ہے **ان عزل الخلیفة فاتباعه لیس بواجب من هذه الجهة و اما من جهة الولایة فاتباعه واجب** (اور اس کو فی الجملہ بسط دے کر ثابت کیا)

مولوی ثناء اللہ صاحب: تو اب میدان بالکل صاف ہے اور گل مقصود صاف نظر آتا ہے۔جب

یہ دونوں مفہوماً جدا گانہ ہیں تو ولایت کے ثبوت سے خلافت کیوں کر ثابت ہوگی۔

مولوی سبط حسن صاحب: آپ کا کُل مقصود صاف نہیں ہے اس میں بہت سے کانٹے ہیں اور میں دیکھ رہا ہوں اور چن چکا۔ ولایت وخلافت دو جدا مفہوم ہیں دونوں میں عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے۔ مفہوماً ہوں تو ہوں مگر مصداقاً دونوں ایک ہی ہیں۔

مولوی ثناء اللہ صاحب سے اس کا جواب تو بن نہ پڑا اور کھسیانے ہو کر بھاگنے کی تدبیریں کرنے لگے اور کھسیانے ہو کر بولے: آپ کے کل مقدمات بعض نظری نہیں بلکہ صریحی البطلان ہیں اور میں یہ دیکھتا ہوں کہ علمائے شیعہ کی یہ عادت ہے کہ علوم معانی و بیان وغیرہ پر نظر ڈال کر اس کے قاعدہ سے گفتگو نہیں کرتے فقط اِدھر اُدھر کی زبانی باتیں کرتے ہیں (اس قسم کے الفاظ اور بھی بولے یہ آپ کی تہذیب تھی)۔

میں: یہ داب مناظرہ کے بالکل خلاف ہے۔ تہذیب کے میدان سے باہر نہ جائیے۔

مولوی ثناء اللہ صاحب: میں نے کیا خلاف تہذیب بات کی یہ تو مناظرہ کی اصطلاح ہے۔

میں: اصطلاح سہی، مگر انسانیت کوئی چیز ہے۔ زہر مار کرنے اور نوش فرمانے کے ایک معنی ہیں مگر پھر بھی کتنا فرق ہے۔

مولوی ثناء اللہ صاحب: پھر میں کہاں سے ایسے الفاظ لاؤں۔

مولوی سبط حسن صاحب: مجھ سے سیکھیے اور جیسے الفاظ میری زبان سے نکلتے ہیں اسی طرح بولئے۔

اس قسم کی باتیں ہوتی تھیں کہ:

مولوی سبط حسن صاحب نے فرمایا کہ شانِ نزول کے بارے میں تو امام رازی نے بھی علی بن ابی طالبؑ ہی کو لکھا ہے اس پر مولوی ثناء اللہ صاحب نے فرمایا کہ ہرگز نہیں امام ایسے نہیں ہیں اگر امام نے لکھا ہو تو میں شیعہ ہونے کو تیار ہوں مگر اس پر بھی قائم نہ رہے۔ کئی بات بدلتے رہے

نواب ابو صاحب: میرے خیال میں یہ بحث فضول ہے۔ اس کا کوئی نتیجہ نہیں۔

مولوی ثناء اللہ صاحب: اہل علم کے پاس آ کر آخر علمی باتیں نہ ہوں تو کیا پولیٹیکل باتیں کروں اچھا یہ ہے تو یہی سہی میں پولیٹیکل باتیں کرنے کو بھی تیار ہوں۔

میں: نہیں جناب آپ علمی ہی باتیں کیجئے۔ ہاں مولوی صاحب کے مقدمات کا جواب دیجئے۔

مولوی ثناء اللہ صاحب: میں ایسی باتوں کا کیا جواب دوں و قد بقی خبایا فی زوایا الکلام۔ میں اب جاتا ہوں وقت زیادہ آیا میری آواز بھی کام نہیں دیتی۔

میں: ہاں اس سے اتنا تو معلوم ہوا کہ آپ نے حمد اللہ پڑھی ہے۔ معاف کیجئے کا یہ اس کلمہ کا جواب ہے جو آپ نے علماء شیعہ کی نسبت فرمایا تھا۔ ابھی جایئے کیوں ابھی تو آٹھ بجے ہیں شہر میں ہیں کچھ ویرانہ میں نہیں۔ ابھی تو آپ سے باتیں ہی نہیں ہوئیں۔

مولوی عبد الہادی صاحب: تو اب آپ دونوں صاحب (مولوی ثناء اللہ صاحب اور میں) بدتہذیب ٹھہرے۔ اس کلمہ سے سب کو تنغص ہوا۔ اور نواب ابو صاحب نے فرمایا کہ میں نے کہا تھا کہ آخر اس کا نتیجہ رنج ہے۔

اسی پر مولوی ثناء اللہ صاحب اٹھ کھڑے ہوئے اور میں ہر چند روکتا رہا مگر نہ مانے اور چلنے پر آمادہ ہو گئے۔

میں (بہت اصرار کے بعد): حضرت خیر آپ تو مانتے ہی نہیں۔ آپ تو جاتے ہیں مگر اپنا اسم مبارک تو بتاتے جایئے۔

مولوی ثناء اللہ صاحب (کھڑے کھڑے): مبارک و بارک تو ہی نہیں نام پوچھ کے کیا کیجئے گا۔

میں: جناب آخر آپ کا اس میں نقصان ہی کیا ہوتا ہے؟۔

مولوی ثناء اللہ صاحب: مجھے ثناء اللہ کہتے ہیں میں امرتسر کا رہنے والا ہوں۔

میں: آپ کا قیام یہاں کہاں ہے؟۔

مولوی ثناء اللہ صاحب: اگر آپ آنے کا وعدہ فرمائیں تو میں اپنے قیام کی جگہ بتا دوں ورنہ

بیکار ہے۔

میں: یہ تو اچھا انوکھا تلازم ہے۔ حضرت اس میں آپ کا حرج ہی کیا ہے۔

مولوی ثناء اللہ صاحب (اپنے ساتھی سے): مجھے تو یاد ہی نہیں۔ بتادو پتھر کی مسجد۔ مدرسہ۔

اس کے بعد آپ نے کھڑے کھڑے مصافحہ کیا اور تشریف لے گئے اور کھسیانے پن میں مولوی سبط حسن صاحب کو نوآموز کہتے گئے۔

یہ ہے واقعہ جو ہمارے اور ان کے درمیان گزرا اور جس کے بیان میں مولوی ثناء اللہ صاحب نے اپنی راست گفتاری اور دیانت کی داد دی ہے۔

مجھے حیرت تو یہ ہے کہ اس مذہب کے جب اہل علم کی یہ حالت ہے تو اور لوگوں کی کیا حالت ہوگی

گر ہمیں مکتب است و این ملا — کار طفلاں تمام خواھد شد

والسلام علی من اتبع الھدیٰ

(فرمان علی مدرسہ سلیمانیہ پٹنہ)

نوٹ از مدیر اصلاح علامہ علی حیدر نقوی رحمۃ اللہ علیہ:

مولوی ثناء اللہ صاحب اڈیٹر اہلحدیث کو کذب و دروغ گوئی سے دوسروں کے لئے اس قدر نفرت ہے کہ ہر جلسہ میں آپ اپنے بھائیوں سے اس کا عہد لیتے ہیں کہ جھوٹ نہ بولیں گے۔ یہاں تک کہ آپ نے جو اپنے والی سرائے ہونے کا پروگرام شائع کیا ہے اس میں جھوٹ بولنے والے کو ۳۰ بیت (بید) تجویز کیا اور آخر میں جلاوطنی کی سزا۔

لیکن بذات خود اس قدر جھوٹ بولنے میں مشاق ہیں کہ اپنے جھوٹ کو جھوٹ ہی نہیں جانتے مولوی صاحب نے یہ سب تقریر تو کی مگر اس کو نہ بتایا کہ آخر یہ آیت قرآنی صحیح ہے یا غلط، با معنی ہے یا بے معنی۔ کوئی مفہوم بھی ہے یا نہیں۔ جو خداوند عالم حصر کر کے فرماتا ہے کہ ولی تمہارا خدا اور رسول اور وہ لوگ ہیں جو اقامہ صلوٰۃ کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں حالت رکوع میں۔

اگر یہ قرآنی آیت ہے اور وہ کوئی معنی رکھتا ہے تو ہر مسلمان پر لازم ہے کہ اس پر ایمان لائے اور قبول کرے کہ ہمارے ولی یہی تین ہیں خدا اور رسول اور وہ شخص جو حالت رکوع میں زکوٰۃ دیتا ہے۔ جس کے بعد اس کو یہ دریافت کرنا ہوگا کہ وہ کون شخص ہے جس نے حالت رکوع میں زکوٰۃ دی کہ دوسرا کوئی استحقاق ولایت نہیں رکھتا۔

پس اگر حضرات اہلحدیث سے ہوتے جن کا مقولہ یہ ہے اصل دیں آمد کلام اللہ مقدم داشتن تو پہلے اس آیت پر ایمان لاتے اور اس سے مفہوم و مصداق کی تحقیقات کرتے۔ مگر رسول اللہ کی حدیث کیوں کر غلط ہو سکتی ہے کہ حضرتؐ نے فرمایا ہے یہ لوگ قرآن کو پڑھیں گے مگر ان کے حلق کے نیچے نہ اترے گا جن کی تصدیق اسی سے ہوگئی کہ آپ نے جملہ اسمیہ نکال کر کہ وہ دوام پر دلالت کرتا ہے، اس آیت کو غیر واجب اللہ میں قرار دیا۔ اس سے بڑھ کر آپ کی ایمانداری کیا ہو سکتی ہے۔

اگر اس آیت سے ولایت جناب امیرؑ بسبب جملہ اسمیہ ہونے کے نہیں ثابت ہوتی تو پھر ولایت رسولؐ اللہ بھی ثابت نہیں ہوتی۔ کیونکہ قرآن آپ کے ہاں قدیم ہے۔ جس سے حضرت کی ولایت بھی قدیم ہوئی۔ اور ولایت جناب رسالت مآبؐ کا قبل از بعثت کوئی قائل نہیں۔ لہذا حسب تقریر آپ کے اس آیت سے ولایت رسولؐ اور ولایت جناب امیرؑ دونوں ساقط ہوئی۔ فافہم۔

اور چونکہ اس آیت کریمہ کی پوری تفصیلی بحث کتاب بطشۃ الٰہیہ معروف بہ مناظرہ کلیمیہ میں ہو چکی ہے جس میں ان مفسرین کے تمام اقوال درج ہیں جنہوں نے اس کا شان نزول بہ شان جناب امیر لکھا ہے۔ اور علمائے فرنگی محل نے جو جو تاویلیں و اعتراضات اس پر کئے ہیں وہ بھی جمع ہیں لہذا زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ یہ کتاب زبان اردو میں چھپ چکی ہے اور اس کی روشنی میں ایک عالم کو منور کر دیا ہے۔ اگر مولوی ثناء اللہ صاحب یا کسی عالم سنی سے ہو سکے تو اس پر تفصیلی بحث کرے جو محال ہے پھر قدرت خدا دیکھئے کہ اصلاح کس طرح اظہار حق میں سعی کرتا ہے۔

واللہ بالغ امرہ ایڈیٹر (اصلاح)

(منقول از رسالہ اصلاح نمبر ۵ جلد ۱۲ ماہ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۷ھ)

آیت اِنَّمَا ولیکم اللہ ۔۔۔۔ الخ

سے

جناب امیرؑ کی بلافصل خلافت کا ثبوت

اخباری دنیا کی سیر کرنے والے ۔ زمانہ کی کایا پلٹ دیکھنے والے ۔کھرے کھوٹے کے پرکھنے والے ۔حق و باطل کی تمیز رکھنے والے اس سے خوب آگاہ ہیں کہ اہل حدیث اخبار کے اڈیٹر مولوی ثناء اللہ صاحب چار پانچ ماہ قبل مجھ سے مباحثہ کے واسطے آئے تھے اور مجھ سے ان سے جو باتیں ہوئی تھیں انھیں ناظرین ملاحظہ فرما چکے ہیں ۔

میری تحریر کے جواب میں مولوی ثناء اللہ صاحب نے اپنے اخبار میں میرے نام ایک کھلی چٹھی لکھی اور تحریری مناظرہ کے شوق و شغف کا اظہار کیا تھا۔ اس میں اس کا وعدہ کیا تھا کہ ''میں تمہارے مضمون کو مع جواب کے مذاکرہ علمیہ کے نام سے اپنے اخبار میں برابر شائع کردیا کروں گا''۔

میں نے اس کھلی چٹھی کا جواب لکھا اور اخبارات میں اور خود مولوی ثناء اللہ صاحب کے پاس بھی بھیج دیا۔ اور چونکہ مکابرہ مقصود نہ تھا بلکہ اثبات حق و ابطال باطل مدنظر تھا اس لئے قصہ مختصر کرنے کی غرض سے اس جواب میں چند امور جو میرے اور مولوی ثناء اللہ صاحب کے درمیان تنقیح طلب اور قبل سے طے ہو جانے ضروری تھے بغرض دریافت لکھے تھے ۔

مگر افسوس مولوی صاحب نے اپنے وعدہ کے خلاف پہلو تہی کی اور جواب دینا تو درکنار شائع تک نہ کیا (اگرچہ اخبار اثنا عشری میں وہ مضمون کچھ قطع و برید کے بعد شائع ہوگیا)

اور مجھے اس کے جواب میں ایک کارڈ مورخہ ۲۹ مئی ۱۹۰۷ء لکھا کہ میں آپ کے خط کو پرائیوٹ رکھتا ہوں آپ رسالہ بے شک لکھیں مگر اخبار میں مضمون بھیجیں جو مع جواب شائع ہوتا رہے گا۔ کیونکہ اس میں ایک گونہ جدت ہے۔

میں نے اس کے جواب میں اسی وقت ایک کارڈ مورخہ ۳۱ مئی ۱۹۰۷ء لکھا کہ میں تو اب اپنا مضمون شائع کر چکا خیر آپ ان باتوں سے قطع نظر کر کے میرے تنقیح طلب امور کا جواب دیجئے۔ پھر میں اصل مضمون شروع کر دوں گا۔

اس کا مولوی صاحب نے کوئی جواب نہ دیا اور میں برابر منتظر رہا۔ اور ایک مہینہ تک سکوت محض رہا۔

یکا یک مولوی صاحب کا ایک کارڈ جو آپ نے اپنے اوپر سے الزام چھوڑانے اور اپنی سرخروئی کے واسطے اپنے دوست مولوی عبدالرحیم صاحب میر شکار ٹولی پٹنہ کے نام سے لکھا تھا نظر پڑا۔

جس میں آپ تحریر فرماتے ہیں کہ: ”مولوی فرمان علی صاحب نے مجھ سے بھی وعدہ کیا تھا مگر تا حال مضمون نہیں بھیجا ممکن ہو تو یاد کرا دیجئے“۔

میں نے اُسے دیکھ کر فوراً مولوی صاحب کو مورخہ ۵ جولائی ۱۹۰۷ء ایک کارڈ لکھا کہ:

”سبحان اللہ آپ اپنے ہم چشموں میں سرخروئی کے واسطے مجھ ہی پر الزام رکھتے ہیں اور اُلٹے مجھ ہی سے ایفاء وعدہ کے طالب ہیں خدا کے واسطے ان ترکیبوں کو چھوڑ دیئے یہ اہل علم کی شان کے خلاف ہے“۔

مولوی صاحب نے اس کے جواب میں ۱۰ جولائی ۱۹۰۷ء کو مجھے لکھا کہ:

''میں تو آپ کے طولانی خط (پچھلی چٹھی کا جواب) کے جواب میں لکھ چکا ہوں کہ ''آپ مجھ سے معنی ولایت وغیرہ کیوں معین کراتے ہیں''۔

اور اپنی برئیت کی کچھ ایسی توجیہ کی جو مولوی صاحب کچھ خود ہی سمجھے ہوں تو سمجھے ہوں۔ عقلاء کے سمجھنے کے قابل تو ہر گز نہ تھی۔

میں نے اس کے جواب میں لکھا کہ: ''یہ آپ اب لکھ رہے ہیں آپ کے سابق دونوں خطوں میں اس کا ایک لفظ بھی نہیں ہے۔ اگر اعتبار نہ ہو تو کہیئے تو دونوں خطوط کی نقل بھیج دوں۔ میرا مضمون اگر چہ تیار ہے مگر اب تا وقتے کہ میرے تنقیح طلب امور کا جواب آپ نہ دیں گے میں شائع نہ کروں گا آپ کم از کم یہی شائع کر دیں کہ میں جواب نہ دوں گا''۔

اس پر مولوی صاحب کچھ شرمائے اور ۱۶ جولائی ۱۹۰۷ء کو مجھے لکھا کہ:

''میں آپ کی نسبت غلط گوئی کا خیال نہیں کرتا (الحمد للہ والفضل ما شھدت بہ الاعداء) شاید میرا خط آپ کو نہ ملا ہوگا (حالانکہ ۲۹ مئی ۱۹۰۷ء کا بلکہ کل خطوط اب تک میرے پاس موجود ہیں۔ یاللعجب) اس لئے میں حسب ایماء آپ کے انکار شائع کر دوں گا''۔

اس کے بعد پھر سکوت کا عالم رہا۔ بارے خدا خدا کر کے آج ۵ اگست ۱۹۰۷ء کو مولوی صاحب کی تحریر دیکھی کہ آپ نے اپنے اخبار میں (ایک شیعہ دوست کا جواب) کی سرخی سے ایک مختصر سا مضمون شائع کیا ہے جس میں بقول شخصے

خوب پردہ ہے کہ چلمن سے لگے بیٹھے ہیں
صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں

میرے تنقیح طلب امور کے جواب سے انکار بھی نہیں کرتے پھر انکار کا بھی ایک نرالا انداز ہے مگر عاقلان خوب می دانند۔

بھر رنگی کہ خواھی جامہ در پوش

من انداز قدرت را می شناسم

میں اس کے جواب میں اپنے مخاطب دوست کو اور تو کیا کہوں مگر اتنا عرض کروں گا

ع: کفر ٹوٹا خدا خدا کر کے

میری تمہید کو اگر چہ کچھ طول ہوا مگر ناظرین کی واقفیت کے لئے اتنا عرض کر دینا ضروری تھا۔ اگر چہ مجھے افسوس ہے کہ مولوی صاحب نے خواہ مخواہ قصہ کو بڑھایا۔ کاش وہ اُن امور کا جواب دیتے تو اصل مطلب اُنھیں کے مسلمات سے بہت جلد آسانی سے ثابت کر دیتا۔ مگر اب قبل از مقصود اس آیت کے چند الفاظ کی تحقیق میں چند مقدمے عرض کرنے پڑے۔

مجھے اگر چہ اس کا افسوس ضرور ہے کہ باوجود میری پوری کوشش کے چونکہ علمی مضامین میں اور بہت سی اصطلاحات مذکور ہیں جن کا ترجمہ ہو نہیں سکتا۔ اس مضمون کے اکثر مباحث بالکل عام فہم نہ ہوسکیں گے پھر بھی فائدہ سے خالی نہیں۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ اس کی خوشی بھی ضرور ہے کہ بافہم حضرات ناظرین پسند کریں گے۔ اور بالخصوص متوسط طلبہ کے واسطے مفید اور بہت مفید ہو گا۔ ان شاء اللہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ

ترجمہ: تمہارا حاکم اور سرپرست صرف خدا ہے اور اس کا رسول اور وہ لوگ جنھوں نے ایمان قبول کیا اور نماز کو پابندی سے ادا کرتے ہیں اور حالت رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں۔

پہلا مقدمہ

لفظ انّما کی تحقیق

تمام نحویین کل اہل عربیت۔ سارے اہل لغت اور سب مفسرین اس پر متفق ہیں کہ لفظ انّما عرب کی زبان اور محاورات میں انحصار و قصر کے معنی پیدا کرتا ہے اور اسی بنا پر میں نے اس کا ترجمہ "صرف" کے ساتھ کیا ہے۔ چنانچہ چند اقوال بطور نمونہ عرض کرتا ہوں۔ اور لطف یہ ہے کہ اگرچہ خود اس لفظ کے بیان معنی میں مذہب سے کوئی سروکار اور لگاؤ نہیں ہے۔ مگر میں جن کتابوں کا حوالہ دیتا ہوں خدا کے فضل سے سب کی سب اہل سنت یا نصرانی کی ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی شیعہ کی نہیں ہے۔ جس کو ذرا بھی شک ہو اصل کتاب کو دیکھ لے:

ا۔ قاموس:

"إنّما يفيد الحصر كأنّما واجتمعتا في قوله تعالىٰ قل انّما اوحي اليّ انّما الهكم اله واحد فاولى لقصر الصفة على الموصوف والثانية لعكسه(۱)۔

ترجمہ: انّما کی طرح انّما بھی حصر کا فائدہ دیتا ہے اور دونوں ایک ہی آیت میں مجتمع ہوگئے ہیں۔ جیسے قول خدا: انّما ۔۔۔ الخ (اے رسول ربوبیت کے بارے میں) کہہ دو کہ میری طرف صرف یہی وحی کی گئی ہے کہ تمہارا معبود صرف ایک ہی معبود ہے۔ پس پہلا (انّما) صفت کا موصوف میں

منحصر ہونا ثابت کرتا ہے۔ دوسرا (انّما) موصوف کا صفت میں منحصر ہونا"۔

۲۔ منتھی الارب:

"انّما بفتح مفید حصر باشد۔ چنانچہ اِنّما بکسر و ہر دو دریں آیت اِنّما اُوحیٰ ۔۔۔الخ مجتمع شدہ۔ پس اول برائے قصر صفت است بر موصوف وثانی برائے قصر موصوف بر صفت"(۱)

۳۔ صحاح جوھری:

"و ان زدت علی ان ما صار للتعیین لقوله تعالیٰ "انّما الصدقات للفقراء و توجب اثبات الحکم للمذکور و نفیه عما عداه"(۲)

ترجمہ: اور اگر تم ان میں ما بڑھا دو تو تعیین وحصر کے واسطے ہو جاتا ہے جس طرح قول خدا انّما الصدقات ۔۔۔الخ یعنی صدقے صرف فقیروں کے واسطے ہیں۔ کیونکہ انّما شئے مذکور کے واسطے ثبوت حکم اور اس کے ماسوائے نفی حکم کا باعث ہوتا ہے"۔

۴۔ محیط المحیط:

"و قد تدخل علیها ما الزائدة فتکفها عن العمل و تفید الحصر نحو انّما زید قائم"۔

ترجمہ: کبھی ان پر ما زائدہ بھی داخل ہوتا ہے۔ پس ان کو عمل کرنے سے باز رکھتا ہے اور حصر کا فائدہ دیتا ہے۔ جیسے انّما زید قائم، زید صرف قائم ہے"۔

۱: منتہی الارب، ج ۱، ص ۴۳۔

۲: صحاح جوہری، ج ۵، باب النون۔

۵۔ صراح:

”و قد تزاد علی المکسورۃ المشدّدۃ ما فصار للتعیین کقولہ تعالیٰ۔ انّما الصدقات للفقراء و توجب اثبات الحکم للمذکور و نفیہ عما عداہ“

کبھی ان پر ما بڑھا دیا جاتا ہے تو یقین وحصر کے واسطے ہو جاتا ہے جیسے قول خدا انّما الصدقات ۔۔۔ الخ یعنی صدقات صرف فقراء کے لئے ہیں۔ اور شئے مذکور کے لئے ثبوت حکم اور ماسوا کے لئے نفی حکم کا باعث ہوتا ہے“۔

۶۔ شرح مغنی:

”انّما بالفتح تفید الحصر کانّما بالکسر“

ترجمہ: جس طرح انّما حصر کا فائدہ دیتا ہے اسی طرح اِنّما بھی ہے“۔

۷۔ تفسیر کشاف

(خاص اسی آیت کے تحت میں):

”و معنی انّما وجوب اختصاصھم بالموالات۔

ترجمہ: ان لوگوں کا موالات کے ساتھ ضروری طور پر مخصوص ہونا انّما کے معنی ہیں“(۱)

۸۔ تفسیر بیضاوی ص ۱۸ جلد اول:

”لانّہ انّما تفید قصر ما دخلت علیہ علی ما بعدہ مثل

۱۔ تفسیر کشاف، ج ۱، ص ۶۲۳۔

انما زید منطلق و انما ینطلق زید"(۱)
انما جس لفظ پر داخل ہوتا ہے اس کو مابعد کے لئے منحصر کردیتا ہے۔ جیسے زید صرف چلنے والا ہے اور صرف زید ہی چلتا ہے"۔

۹۔ تفسیر حسینی:

اسی آیت کے ترجمہ میں لکھتے ہیں: "جزاین نیست۔۔۔الخ"(۲)

غرض ساری دنیا میں کوئی ایسا نہیں جس نے انما کے بہ معنی حصر ہونے سے انکار کیا ہو بلکہ ہر شخص اس پر متفق ہے۔ اور بہتیروں نے اس کو تصریحاً بیان بھی کردیا ہے۔ مگر زمانہ بھر کے خلاف امام فخر الدین رازی صاحب، محض اس سبب سے کہ کہیں خلافت بلافصل علی ابن ابی طالبؑ ثابت نہ ہوجائے۔ مخصوص اس آیت میں انما کے بہ معنی حصر ہونے سے صاف انکار کرگئے چنانچہ اپنی تفسیر جلد سوم ص ۴۳۳ مطبوعہ مصر میں تحریر فرماتے ہیں:

"لا نسلم ان کلمة انما للحصر والدلیل علیه قوله تعالیٰ انما مثل الحیوٰة الدنیا کماء انزلناه من السماء و لا شك ان الحیوٰة الدنیا لها امثال اخریٰ۔ سوی هذا المثل و قال انما الحیوٰة الدنیا لعب و لهو ولا شك ان اللعب واللهو قد یحصل فی غیرها"(۳)

ترجمہ: ہم نہیں مانتے کہ لفظ انما حصر کے لئے ہے اور اس کی دلیل قول

۱: تفسیر کشاف، ج ۱ ص ۶۲۳۔
۲: تفسیر بیضاوی، ج ۱ ص ۲۷۔
۳: تفسیر کبیر، ج ۱۲ ص ۳۰۔

خدا ہے: انّما مثل ... الخ یعنی زندگانی دنیا کی مثل صرف اس پانی کی جسے ہم نے آسمان سے برسایا۔ کیونکہ اس میں شک ہی نہیں کہ اس مثل کے علاوہ زندگانی دنیا کی بہت سی مثلیں ہیں اور پھر خدا نے کہا: انّما الحیٰوۃ .... الخ یعنی زندگانی دنیا صرف کھیل تماشہ ہے۔ کیونکہ اس میں شک ہی نہیں کہ کھیل تماشہ زندگانی دنیا کے علاوہ میں بھی حاصل ہوتا ہے''۔

یہ ہے امام صاحب کا قول اور یہ ہے ان کی دلیل مگر مجھے حیرت ہے کہ خداوند عالم نے اپنے کلام پاک میں قریب قریب ایک سو پچیس جگہ لفظ 'انما' کو استعمال فرمایا ہے۔ اور امام صاحب نے ماشاء اللہ پورے قرآن کی تفسیر بھی لکھی ہے مگر امام صاحب کو بہت تردد و تلاش سے بخیال خود اپنے دعوے کی دلیل میں صرف دو آیتیں ملی ہیں اور وہ بھی ایسی کہ جس پر لڑکے بھی ہنس پڑیں۔

اب ناظرین، امام صاحب کی دونوں دلیلوں کو ملاحظہ فرمائیں اور اس ایجاد بندہ کی تحقیق کی داد دیں۔ پہلی دلیل کا خلاصہ تو یہ ہے کہ خدا نے زندگانی دنیا کی مثل پانی سے انما کے ساتھ بیان کی ہے مگر انما کے معنی حصر کے نہیں ہیں۔ کیونکہ زندگانی دنیا کی اس کے علاوہ اور بھی بہت سی مثالیں ہیں لیکن مزا تو یہ ہے کہ امام صاحب کے خیال میں اس کی مثلیں بہتیری ہیں مگر افسوس معاذ اللہ خدا کند ذہن تھا کہ پانی کے سوا اس کو زندگانی دنیا کی کوئی دوسری مثال سوجھی ہی نہیں۔ کیونکہ زندگانی دنیا کی مثال خدا نے قرآن میں تین جگہ بیان کی ہے اور تینوں جگہ پانی ہی سے مثال دی ہے۔ ملاحظہ ہو:

سورۂ یونس: ''اِنَّمَا مَثَلُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَاءٍ أَنْزَلْنَاهُ مِنَ السَّمَاءِ فَاخْتَلَطَ بِهِ نَبَاتُ الْأَرْضِ مِمَّا يَأْكُلُ النَّاسُ وَالْأَنْعَامُ حَتّٰى ... الخ'' (سورہ یونس، آیت ۲۴)

سورۂ حدید: ''اعْلَمُوا أَنَّمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَلَهْوٌ وَزِينَةٌ وَتَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ ....'' (سورہ حدید، آیت نمبر ۲۰)

تعجب ہے کہ اہلسنت کے امام صاحب حافظ تو ضرور رہوں گے۔ کیونکہ ان کے ہاں تو پانچ پانچ سات سات برس کے لڑکے چاہے کیسے ہی ہوں (بقول اہلسنت) حافظ ہوتے ضرور ہیں۔ لیکن امام صاحب کو ان کے حافظہ نے سخت دھوکہ دیا کہ ان کو یہ بھی یاد نہ رہا کہ خدا نے قرآن میں زندگانی دنیا کی کئی جگہ اور کیا کیا مثال بیان کی ہے۔ اگر یاد ہوتا تو کبھی ایسی جسارت نہ کرتے۔

مگر ہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ خدا نے نہ بیان کی ہو نہ کرے مگر امام صاحب کے خیال میں تو ایک دو کیا چیز ہے بہتیری مثالیں موجود ہیں۔ لیکن افسوس تو یہ ہے کہ خدا نے جب مثال بیان کی تو ہر پھر کے پانی ہی کی اور وہ بھی ہر جگہ انما ہی کے ساتھ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس کی کوئی دوسری مثال ایسی جامع و مانع ہی نہیں۔ مگر یہ کہا جائے کہ امام صاحب نے قرآن میں اصلاح دی ہے تو البتہ میں کچھ نہیں بول سکتا اور یہ کہنا صحیح ہوگا کہ خدا کو نہ سوجھے نہ سوجھے مگر امام صاحب کو تو سوجھے، پھر تو معلم الملکوت سے بالاتر امام صاحب کو معلم اللہ کا خطاب مل جائے گا۔ حالانکہ اگر امام صاحب انصاف کو کام میں لاتے اور تعصب سے علیحدہ ہو کر سچے اسلام کو اختیار کرتے تو اقرار کرتے کہ ایسی عجیب وغریب مثال جو تمام پہلو و جوانب کو حاوی اور ممثل لہ سے پوری مطابق ہو دوسری ہو ہی نہیں سکتی چنانچہ خود اس آیت کی تفسیر کے تحت میں اقرار فرماتے ہیں اور لکھتے ہیں: ”اتبعه بهذا المثل العجيب الذى“ یہاں تو اس مثال کو عجیب فرمارہے ہیں اور دوسری جگہ اپنی غرض حاصل نہ ہوتے دیکھ کر فرماتے ہیں کہ ایسی مثالیں بہتیری اور بھی ہیں ”ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا“

یہ تو پہلی دلیل کا حشر ہوا اب دوسری دلیل کو دیکھئے:

امام صاحب فرماتے ہیں: ”خدا نے زندگانی دنیا کو لعب ولھو انما کے ساتھ فرمایا ہے مگر انما کے معنی حصر کے نہیں ہو سکتے کیونکہ لہو ولعب دنیاوی زندگی کے علاوہ بھی ہوتا ہے“۔

ہاہا ۔

پڑھا ہے، ہم نے بھی قرآں قسم ہے قرآں کی جواب ہی نہیں رکھتی ہے گفتگو تیری

اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب کا دنیا میں کھیل تماشے سے جی نہیں بھرا ہے جب ہی تو آخرت میں کھیلنے کی امید رکھتے ہیں۔ کیونکہ دنیا اور آخرت کے علاوہ کوئی تیسری شق نہیں۔ مگر کوئی عالم در عالم رحم، عالم برزخ وغیرہ کو بھی ایک قسم کی زندگی قرار دے مگر یہ بھی معلوم نہیں بہشت میں کھیلیں گے یا نہیں اور شاید اسی وجہ سے سر سید نے لکھا ہے کہ مسلمانوں کی بہشت سے ہمارے خرافات ہی اچھے ہیں۔ جب ہی تو ایک منچلا شاعر اپنی عالم مستی میں یوں بول اٹھا۔

ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن دل کے بہلانے کو غالب یہ خیال اچھا ہے

لیکن حیرت تو یہ ہے کہ امام صاحب نے یہاں تو فرمایا کہ انما حصر کے واسطے نہیں ہے مگر خدا نے اس مطلب کو دوسری جگہ یوں ادا فرمایا ہے: "وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَعِبٌ وَلَهْوٌ" (۱) (نہیں ہے دنیاوی زندگی مگر کھیل تماشا) معلوم نہیں امام صاحب اس کی کیا تاویل کریں گے کیا یہاں بھی حصر کے قائل نہ ہوں گے۔ اور ان کے طرفدار تو عجب نہیں کہ یہاں بھی بول اٹھیں کہ حصر مقصود نہیں ہے۔ مگر بمصداق حافظہ نباشد اس آیت کی تفسیر میں بڑے زوروں میں بہت سی دلیلوں سے امام صاحب نے ثابت کیا ہے کہ دنیاوی زندگی کھیل تماشے کے سوا کچھ نہیں، چنانچہ ما الحیوۃ ... الخ کی تفسیر کے تحت میں ان دلیلوں کو لکھتے لکھتے ارشاد فرماتے ہیں: (ملاحظہ ہو تفسیر کبیر جلد ۴، ص ۳۳ مطبوعہ مصر):

"فثبت بمجموع هذه الوجوه ان الذات و الاحوال الدنيوية لعب و لهو و ليس لها حقيقة معتبرة" (۲)

ترجمہ: ان تمام دلیلوں سے ثابت ہوتا ہے کہ دنیاوی حالات ولذات یقیناً کھیل تماشا ہیں اور ان کی کوئی قابل اعتبار حقیقت ہی نہیں ہے"۔

۱:۔ انعام، آیت ۳۲۔

۲:۔ تفسیر کبیر

واقعی یہ ایسی نادر اور متناقض تحقیق ہے کہ جسے سن کر انسان تو انسان پرند بھی عالم وجد میں آ کر یہ شعر پڑھنے لگیں۔

اب ہم ہی تیرے چال میں پتے نہیں صنم　　پامال کبک بھی تو ہوئے کوہسار میں

اس سے لطیف تر سُنئے کہ خداند عالم تو یہ فرمارہا ہے کہ دنیاوی زندگی صرف لہو ولعب ہے۔ یہ نہیں فرمایا کہ لہو ولعب صرف دنیا میں ہوتا ہے آخرت میں نہیں ہوتا۔ مگر امام صاحب معلوم نہیں کس عالم میں تھے کہ آپ نے اس آیت کا دوسرا مطلب سمجھا اور یہ کہہ گزرے کہ کھیل تماشا کچھ دنیا ہی میں منحصر نہیں بلکہ اس کے غیر میں بھی ہوتا ہے خدا تعصب کا برا کرے کہ اس نے امام صاحب سے قواعد معانی و بیان کو بھی کوسوں دور پھینک دیا اور کچھ کا کچھ کہنے لگے۔

بک رہا ہوں جنوں میں کیا کیا　　نہ سُنئے کچھ خدا کرے کوئی

اس سے اور مزیدار اور پھڑکتا ہوا جملہ سُنئے جو شائد کبھی نہ سنا ہو اور یہ ایسا عجیب وغریب معما ہے جسے کوئی عقل تو شاید ہی حل کر سکے۔ ملاحظہ ہو:

آپ اسی تفسیر کبیر کی جلد ۲، ص ا مطبوعہ مصر آیت "انما یامرکم بالسوء و الفحشاء و ان تقولوا علی اللہ ما لا تعلمون" کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں:

دلت الآیة علی ان الشیطٰن لا یامرا لا بالقبائح لانه تعالیٰ ذکرہ بکلمة انما و هی للحصر"(۱)

ترجمہ: آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ شیطان سوائے برائیوں کے دوسرے کام کا حکم دیتا ہی نہیں کیونکہ خدا نے اسے انما کے ساتھ ذکر کیا ہے اور انما حصر کے واسطے ہے"۔

اب کوئی شخص امام صاحب کے ان دونوں فقروں کو ملا کر دیکھے۔ لا نسلم ان کلمة

۱۔ تفسیر کبیر، ج ۵، ص ۵۔

انما للحصر (ہم نہیں مانتے کہ انما حصر کے واسطے ہے) اور وھی للحصر (انما حصر کے واسطے ہے)۔

اب حضرات ناظرین امام صاحب کی حق گوئی کی داد دیں اور تعصب پر مرحبا کہیں۔ اس وقت تو امام صاحب کی حالت بعینہ شتر مرغ کی سی ہے

گر بگویم پر بگوید اشترم در بگوئم بر بگوید طائرم

باقی آئندہ

فرمان علی

نوٹ از مدیر اصلاح علامہ علی حیدر نقوی رحمۃ اللہ علیہ :

اس تحریر کو اڈیٹر صاحب اہل حدیث نے اپنی عادت قدیمہ کے خلاف درج اخبار کیا جس کے ابتدائے تقریب میں اڈیٹر اصلاح کو مخاطب کیا ہے جس پر ہم آپ کا شکریہ بھی ادا کرتے ہیں۔ کیونکہ آج تک تو آپ نے اپنے خصم کی پوری عبارت کبھی نہ نقل کی۔ مگر جناب مولوی فرمان علی صاحب دام مجدہ نے کچھ ایسی تکذیب آپ کی ثابت کی کہ آپ اس تحریر کی اشاعت پر مجبور ہوئے کیونکہ جذبہ ملاقات میں بہت سے شیعہ اور وہابی بھی تھے جس سے آپ کو اپنی دروغ بیانی پر شرمانا پڑا اور اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ اس تحریر کو بلا تحریف شائع کیا مگر افسوس یہ عزت اصلاح کو کہاں حاصل ہو سکتی ہے کہ کبھی پوری عبارت اصلاح شائع کریں۔

بہر حال اس تحریر پر آپ کا نوٹ حسب ذیل ہے:

اهل حدیث:

''شتر مرغ'' دشنام دہی کی عادت نہ گئی کیا اسی شیریں کلامی کی آپ داد چاہتے تھے کہ ہمارے بلکہ کل اسلامی دنیا کے (ہیرو) بزرگ کے حق میں بدگوئی کریں۔ پھر ہم ہی سے اس کی اشاعت کرائیں۔ مولوی صاحب! آپ تو مدرس ہیں ماشاء اللہ کتب معقول و فلسفہ بھی پڑھاتے ہوں گے

کیا حمد اللہ میں آپ نے نہیں دیکھا کہ صاحب حمد اللہ باوجود سنی ہونے کے علامہ میر باقر (شیعہ) کا نام کس ادب اور لیاقت سے لیتا ہے۔ یاد نہ ہو تو سنئے: خیر اللحقة بالمهرة يعني افضل المتاخرين نہایت افسوس ہے کہ خلافیات میں تنگ ظرفی جو عام علماء کی عادت ہے اس سے بھی آپ ایک درجہ آگے بڑھ گئے اسی لئے میں آپ کو بار بار لکھتا ہوں کہ آپ اہل معقول کی طرح برہان سے کام لیں جدل سے کیا مطلب۔ مجھے خطرہ ہے کہ آپ خفگی میں اصل مضمون نہ چھوڑ دیں اس لئے زیادہ لکھنا نہیں چاہتا۔ ہاں اگر آپ اجازت دیں تو اتنا عرض کرتا ہوں کہ دنیا بھر کے شیعہ مجتہد اور غیر مل کر بھی خلافت علیؑ بلافصل قرآن مجید سے ثابت کرنا چاہیں تو لا يثبتونها و لو كان بعضهم لبعض ظهيرا (ہرگز نہ کرسکیں گے) آپ کی تمہید ختم ہے مطلب پر آیئے۔ ہم مانتے ہیں کہ انحصر کے لئے ہے آگے چلئے (ایڈیٹر)

نوٹ از مدیر اصلاح علامہ علی حیدر نقوی رحمۃ اللہ علیہ:

یہ نوٹ آپ کا جس عنوان سے لکھا گیا ہے اس سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ آئندہ آپ اس مضمون کی اشاعت کو روکنا چاہتے ہیں جس کی تمہید آپ نے ابھی سے شروع کر دی۔ ”دشنام دہی کی عادت نہ گئی۔ ہمارے بلکہ کل اسلامی دنیا کے ہیرو (بزرگ) کے حق میں بدگوئی کریں پھر ہم سے اس کی اشاعت کرائیں“ صاف کہہ رہا ہے کہ آپ اپنے عوام کو بھڑکا رہے ہیں کہ دو چار خط آجائیں تبرا ہو رہا ہے اور آپ اس مفید سلسلہ کو ترک کر دیں ورنہ کون شخص کہہ سکتا ہے کہ فخر رازی آپ کے یا کل اسلامی دنیا کے ہیرو ہیں حالانکہ آپ کے امام اعظم علامہ ذہبی ان کی شان میں لکھتے ہیں:

”الفخر بن الخطيب صاحب التصانيف راس فی الذكاء و العقليات لكنه عری من الآثار و له تشكيكات على مسائل من دعائم الدين تورث حيرة نسأل الله ان

یثبت الایمان فی قلوبنا وله کتاب السر المکتوم فی مخاطبة النجوم سحر صرح فلعلة تاب من تالیفه ان شاء اللہ۔ ص ۲۹۲۔(۱)

جس سے ظاہر ہے کہ ذہبی ان کو فخر الدین کہنا بھی نہیں جائز جانتے بلکہ صرف فخر لکھتے ہیں۔ ذہن وذکا کا اقرار کر کے لکھتے ہیں:

"علم اخبار وآثار سے عاری ہیں۔ مسائل اصول دین پر ایسے شکوک وارد کرتے ہیں جن سے حیرت ہو۔ خدا سے دعا کرتے ہیں کہ ہم لوگوں کے ایمان کو ثابت رکھے۔ ان کی کتاب سر مکتوم علم نجوم میں سحر صریح ہے۔ شاید اس سے توبہ کیا ہو"۔

پھر افسوس ہے کہ محض شیعوں کی ضد میں آج آپ ان کو اپنا بلکہ کل اہل اسلام کا ہیرو اور بزرگ بناتے ہیں۔ حالانکہ وہابیوں کو جو عدات ان لوگوں سے ہے وہ کسی سے مخفی نہیں۔

فخر رازی کی نسبت تمثیل شتر مرغ سے آپ کو یہ غصہ آیا مگر افسوس ائمہ واہلبیت اطہار کی عظمت آپ کے ذہن میں فخر رازی کے برابر بھی نہیں جو آپ کا اخبار مورخہ ۷ اشعبان لکھتا ہے:

"لیکن وہ فرقہ جس کے ائمہ آم کو املی اور دن کو رات کہتے ہوئے تامل نہیں کرتے اور آیہ کریمہ "فبدل الذین ظلموا قولا غیر الذی قیل لھم فانزلنا علی الذین ظلموا رجزا من السماء بما کانوا یفسقون" جس میں حضرت موسیٰ کے وقت کے بنی اسرائیل کا ذکر ہے۔ ظلموا کے معنی ظلموا آل محمد حقھم کے لیتے ہیں تو ان سے کون سی بات بعید ہے"۔

۱:۔ میزان الاعتدال، ج ۳، ص ۳۴۰، نمبر ۶۶۸۶۔

مگر افسوس اس جملہ پر آپ کو اسلامی غیرت نہ آئی کہ اس شخص نے صرف شیعوں پر نہیں اتہام کیا بلکہ خاکش بدہان، ائمہ اطہارؑ کو آم کا املی اور دن کا رات بنانے والا کہا۔

مگر ہم کو اس کی کوئی شکایت نہیں۔ کیونکہ جب رسولؐ اللہ آپ کے نزدیک ایک چمار سے زیادہ عزت نہیں رکھتے (معاذ اللہ)۔ ملاحظہ کیجئے اپنا اخبار مورخہ ۲۰ اگست، ص ۵ تو پھر ائمہ اطہارؑ کی عظمت آپ کے دل میں کیا ہو سکتی ہے۔

بہر حال اہلحدیث کے نزدیک لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہنا شرک ہے کیونکہ قرآن میں اس طور (۱) سے مجموعاً نہیں مذکور ہے تو پھر آپ خلافت بلافصل جناب امیرؑ کو قرآن سے کب مانیں گے۔ اسی لئے تو میں نے بارہا عرض کیا کہ آپ ایک مسئلہ بھی قرآن سے ثابت کر دیں تو اسی استدلال سے میں خلافت جناب امیرؑ کو ثابت کروں مگر آپ نہیں مانتے اور ہمیشہ اسی سے گریز ہی کرتے رہے۔

مگر آپ اگر مسلمان ہوں گے تو قرآنی فیصلہ سے کسی طرح عدول نہ کریں گے لیکن آپ کو یہ بتا دینا ضروری ہے کہ آپ اہل قرآن سے ہیں یا اہل حدیث سے تاکہ بحث مکمل طریقہ پر ہو سکے۔ کیونکہ اب تو آپ کے فرقہ کے لوگ عام طور سے اہل قرآن بن رہے ہیں اور آپ اس کا پیش خیمہ ڈال رہے ہیں ورنہ آپ لوگوں کی حالت تو قدیم سے شتر مرغ کی چال سے بھی بدتر ہے۔ (اڈیٹر)

(از اصلاح ماہ رمضان ۱۳۳۲ھ)

۱:۔ ملاحظہ ہو اخبار اہل فقہ امرتسر جو خاص فرقہ حنفیہ کا ارگن ہے اور جس نے اپنی پُر زور تحریروں سے وہابیوں کا جوڑ جوڑ الگ کر دیا۔ مگر افسوس کہ قوم کی ناقدری سے کافی ترقی نہیں کرتا۔ پتہ: مینیجر اہل فقہ امرتسر کافی ہے۔

دوسرا مقدمہ

لفظ ولی کی تحقیق

عرب کے محاورہ میں ولی جو اسم فاعل یا صفت مشبہ کا صیغہ ہے مختلف موقعوں پر مختلف معانی میں مستعمل ہوتا ہے۔ دوست، مددگار، نگہبان، کسی پر حکومت کرنے والا، نزدیک، مالک، بلا فصل کسی چیز کے بعد ہونے والا، بارش کے بعد بارش اور کبھی حافظ النسب، آزاد کنندہ، غلام، چچازاد بھائی کے معنی میں بھی بولا جاتا ہے اور حسب تصریح اہل لغت اس کا مصدر تین طرح آیا ہے: وَلی، وِلایہ، وَلایہ۔ اور وَلاو وِلایۃ ان شہروں کو بھی کہتے ہیں جن پر والی مسلط ہوتا ہے اور یہ دونوں امارت، بادشاہی، قدرت، ملک پر قبضہ و تصرف کرنے کے معنی میں بھی آتے ہیں اور وِلایۃ ملک کے کسی خاص حصہ کے معنی میں بھی آتا ہے۔(۱)

۱۔ **فائدہ:** پہلا حصہ اس مضمون کا مذاکرہ علمیہ متعلقہ خلافت کی سرخی سے اہلحدیث مورخہ ۷ ۱۲ اگست ۱۹۰۹ء میں شائع ہوا ہے جس پر مولوی ثناء اللہ صاحب کا شکرگزار ہوں کہ آپ نے میرے مضمون کو بلا تغیر شائع فرما دیا اور اس کا بھی شکرگزار ہوں کہ آپ نے اس خاص بحث میں خواہ مخواہ کی ہٹ دھرمی نہیں کی۔ اور اس کو مان لیا کہ اتنا حصہ ہی کے واسطے ہے۔ اور اپنے امام فخر الدین رازی صاحب کی جنبہ داری سے علیحدہ رہے۔ خدا کرے مولوی صاحب آئندہ بھی اسی طرح راہ راست کو اختیار کریں اور تعصب و جنبہ داری سے برطرف رہیں۔ اگرچہ اس کی امید نہیں مگر دعا ضرور ہے۔

مگر ساتھ ہی اس کے تعجب بھی ہے کہ میں نے امام فخر الدین رازی صاحب کے تناقض کو دکھلا کر امام صاحب کو شتر مرغ سے تشبیہ دی تھی۔ اس پر مولوی صاحب بہت تلملائے ہیں۔ حالانکہ مولوی صاحب کو اس کی خبر نہیں کہ۔ "اے باد صبا ایں ہمہ آوردۂ تست" یہ تو آپ ہی کے عطار خانہ کا معجون ہے۔ میں نے محض آپ کی تقلید کر لی تھی اور وہ بھی تخفیف کے ساتھ۔ اس پر آپ مجھے فرماتے ہیں کہ "دشنام دہی کی عادت نہ گئی" شرم۔ شرم۔ شرم

آپ کو حیرت ہوگی کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔ اچھا تو لیجئے اپنے قلم سے لکھے مضمون کو اسی اہلحدیث مورخہ ۱۰ ربیع الاول ۷ ۱۳۲ھ مطابق ۱۲ اپریل ۱۹۰۹ء صفحہ ۵ کو ملاحظہ فرمائیے:

"میں کہتا ہوں کہ یوں تو مذہب شیعہ تمام کا تمام شتر مرغ کی مثل ہے جس کی شان ہے:

گر بہ پر گویمش گوید اشترم — ور نہی بارش بگوید طائرم

مگر تقیہ کے مسئلہ سے اس مشابہت میں جیسی انھوں نے ترقی کی ہے۔ دنیا بھر میں نہ ملے گی۔ تقیہ کیا ہے اچھی خاصی ٹٹی کی آڑ" ا ہ کہیے مولوی صاحب اب بھی آپ شرماتے یا نہیں؟ اسی شیریں کلامی پر آپ دوسروں کو سمجھانے بیٹھے ہیں؟ اے سبحان اللہ۔ مولوی صاحب (آپ کا) اخیر فقرہ (ٹٹی کی آڑ) اہل علم کی زبان ہے؟ میں نے تو صرف ایک عالم کو شتر مرغ سے تشبیہ دی اس پر آپ اس قدر چراغ پا ہو گئے اور دشنام کہنے لگے۔ اور آپ جو تمام مذہب شیعہ کو کہہ گزرے جس میں ائمہ معصومینؑ وعلماء سب داخل ہیں اس پر آپ کو کیا انعام دیا جائے؟ آپ جو قرآن اور شیعہ تفسیر تحریر فرماتے ہیں اس میں جیسے مہذب الفاظ آپ کے قلم سے نکلتے ہیں اگر اس کا عشر عشیر بھی آپ کی شان میں کوئی کہے تو معلوم نہیں کہ آپ کی کیا حالت ہو جائے۔ بہر حال خدا آپ کو توفیق دے آپ خوب دل کھول کے ائمہ معصومین کو گالیاں دیجئے مبارک ولکن سیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون۔ بہر کیف اگر میں نے گالی دی تو مذمت کے مستحق بھی آپ ہی ہیں اور اگر میں نے اچھا کیا تو تعریف کے مستحق بھی آپ ہی ہیں۔ مجھے اس سے کچھ بحث نہیں۔

اسی تحریر میں آپ مجھے تو سمجھانے بیٹھے ہیں۔ اور خود مجھے کیا کچھ کہہ گزرے اس کی خبر نہ ہوئی۔ دشنام دہ مجھے بنایا۔ بدگو مجھے فرمایا۔ تنگ ظرف کا مجھے خطاب ملا۔ اڈیٹر اصلاح رافضی الگ بنائے گئے۔ دوست مستور ایک طرف۔ او خویشتن گم است کرا رہبری کند کا موقع ہے یا نہیں۔ میں اس بارے میں ابھی اور بھی کچھ لکھتا مگر مجھے خطرہ ہے کہ آپ خفا ہو کر کہیں میرے مضامین کو شائع کرنا نہ چھوڑ دیں۔

ہاں یہ تو فرمایئے کہ مولوی حمد اللہ صاحب کو آپ نے سنی کہاں سے فرمادیا۔ شاید وہ بچپن میں سنی ہوں تو ہوں مگر اخیر میں تو یقینی شیعہ تھے کیا آپ نے ان کی شرح زبدۃ الاصول ملاحظہ نہیں فرمائی اگر نہ دیکھی ہو تو اب دیکھئے۔ نہیں تو تھوڑی سی تکلیف اٹھا کے سندیلہ میں جایئے۔ ابھی ان کی اولاد واحفاد زندہ ہیں ان سے تحقیق کر لیجئے۔ خیر یہ تو معمولی باتیں ہیں۔ اب اصل مضمون کو ملاحظہ کیجئے۔ راقم (فرمان علی صاحب مرحوم)

یہ امور تمام اہل لغت کی تصریحات و مسلمات سے ہیں۔ اور ہر شخص ان کا متفق اللفظ گویا ہے اور چونکہ ان میں کسی ایک بات سے بھی۔ اہل لغت، شعرائے عرب، اہل زبان میں سے کسی نے انکار نہیں کیا ہے اور نقل اقوال میں بہت طویل ہو جانے کا خوف ہے۔ اس وجہ سے میں حوالہ کتب کو ترک کرتا ہوں۔ مگر ایک انوکھی جو نہ کسی نے دیکھی نہ سنی بلکہ بالکل اچھوتی تحقیق سنئے اور سن کر وجد کیجئے۔ حضرات اہلحدیث کے مایہ ناز حضرت علامہ ابن تیمیہ صاحب اپنی کتاب منہاج السنۃ کے جزء رابع ص ۸ میں تحریر فرماتے ہیں:

"الوجه السادس ان الفرق بين الوَلاية بالفتح والوِلاية بالكسر معروف والولاية ضد العداوة وهي المذكورة في

هذه النصوص ليست هي الولاية بالكسر التي هي الامارة وهولاء الجهال يجعلون الولي هو الامير و لم يفرقوا بين الولاية والولاية والامير يسمى الوالي الخ..(۱)

ترجمہ: وَلایۃ و وِلایۃ میں فرق مشہور ہے۔ پس ولایت جو عداوت کے خلاف ہے وہی ان آیات میں مذکور ہے۔ اور جو ولایت بہ معنی امارت ہے اس کا ذکر نہیں ہے۔ اور یہ جہال (یہ خطاب شیعوں کو علامہ کے دربار سے عطا ہوا ہے) ولی کو بمعنی امیر قرار دیتے ہیں اور وَلایۃ و وِلایۃ میں فرق نہیں کرتے۔ حالانکہ امیر کو والی کہتے ہیں۔

اس کے دو تین سطر کے بعد ارشاد فرماتے ہیں:

" فبين ان الآية دلت على الموالاة المخالفة للمعاداة الثابتة لجميع المومنين بعضهم على بعض و هذا مما يشترك فيه الخلفاء الاربعة و سائر اهل بدر و اهل بيعة الرضوان فكلهم بعض اولياء بعض و لم تدل الآية على احد منهم يكون امير اعلى غيره بل هذا باطل من وجوه كثيرة اذ لفظ الولي والولاية غير لفظ الوالي الخ..(۲)

ترجمہ: اس سے ظاہر ہوا کہ آیت دوستی پر دلالت کرتی ہے جو دشمنی کے خلاف ہے۔ اور تمام مومنین کے واسطے دوسرے پر ثابت ہے۔ اور اس معنی میں چاروں خلفاء اور کل اہل بدر اور اہل بیعۃ رضوان مشترک ہیں۔ پس یہ سب ایک دوسرے کے دوست ہیں اور آیت نے اس پر دلالت

۱۔ منھاج السنۃ، ج ۷، ص ۲۸۔

۲۔ منھاج السنۃ، ج ۷، ص ۲۹۔

نہیں کی کہ ان میں سے کوئی اپنے غیر پر امیر ہو بلکہ یہ تو بہتیری دلیلوں سے باطل ہے کیونکہ لفظ ولی اور ولایۃ اور ہے اور لفظ والی اور"۔

ناظرین غور سے ملاحظہ فرمائیں تو عنوان عبارت صاف صاف بتاتا ہے کہ علامہ کے ذہن شریف میں وَلایۃ وولایۃ میں دو فرق ہیں۔ ایک تو یہ کہ وَلایۃ کے معنی دوستی کے ہیں اور ولایۃ کے معنی امارت وحکومت کے ہیں۔ اگرچہ علامہ کی یہ تحقیق انیق میرے مخالف نہیں مگر مجھے صرف یہ دکھلا دینا ہے کہ علامہ کس درجہ تعصب کے گہرے رنگ میں رنگے ہوئے ہیں اور اس کی بدولت کیا سے کیا کہہ جاتے تھے۔ کیا علامہ کو اس کی خبر نہ تھی کہ ان دونوں لفظوں میں یہ فرق بالکل غلط ہے۔ بلکہ ہر ایک دوسرے کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔ ملاحظہ ہو منتہی الارب ص ۲۸۹۶ چھاپ کلکتہ:

ولایۃ بالفتح والکسر دست یافتن بر آں۔ وتصرف کردن در اں ونیز وَلایۃ بالفتح بادشاہی راندن ویاری دادن (۱)

اور اس پر مزا تو یہ ہے کہ آپ اس تفرقہ نہ ماننے والے کو جاہل کا خطاب بھی دیتے ہیں۔ بریں عقل و دانش بباید گریست۔

مگر ہاں شاید علامہ نے صحاح جوہری (جس کا رتبہ کتب لغت میں مثل صحیح بخاری کے ہے) کی عبارت ملاحظہ فرمائی ہو:

"قال سیبویہ الولایۃ بالفتح والولایۃ بالکسر الاسم مثل الامارۃ والنقابۃ الخ۔"(۲)

ترجمہ: سیبویہ نے کہا ہے وَلایۃ مصدر ہے اور وِلایت اسم ہے۔ مثل امارت ونقابت کے۔

اور یہ جملہ دھر گھسیٹا ہو۔ مگر اس پر تو بے ساختہ یہ شعر پڑھنے کو جی چاہتا ہے۔

۱: منتہی الارب، ج ۲، ص ۱۳۳۹۔

۲: صحاح جوہری، ج ۶ طبع دار العلم، مادہ ولی۔

چہ خوش گفتہ است سعدی در زلیخا　　الا یا ایھا الساقی ادر کاسا وناولہا

دوسرا فرق یہ فرماتے ہیں کہ ولایت کا اسم فاعل تو ولی ہے اور ولایۃ کا والی اور اس تفرقہ پر ان کی پوری عبارت خصوصاً آخر فقرہ واضح طور پر دلالت کرتا ہے۔ ہاہاہا۔

جو بات کی خدا کی قسم لا جواب کی　　پاپوش میں لگائی کرن آفتاب کی

ملاحظہ ہو کیا نرالی تحقیق ہے کہ کسی محقق کو تو کیا حضرت امام رازی کو بھی نہ سوجھی۔ افسوس علامہ ابن تیمیہ کو باوجو دیکہ دمشق کے رہنے والے تھے جو عرب کا ایک حصہ ہے۔ اس کی بھی خبر نہ تھی کہ والی کا مصدر ولا ہے۔ ملاحظہ ہو محیط المحیط، جلد ثانی، ص ۲۲۸۸۔ والولاء مصدر والی مگر ہاں شاید علامہ نے صحاح جوہری کی یہ عبارت ملاحظہ فرمائی ہو الولی ضد العدو (۱) مگر تعجب تو یہ ہے کہ علامہ نے ایک ہی سطر کے بعد یہ نہ ملاحظہ فرمایا: ''کل من ولی امر واحد فھو ولیہ ''جو شخص کسی دوسرے کے کام کا پورا اختیار رکھتا ہو وہ اس کا ولی کہلاتا ہے چنانچہ جس کے اختیار میں کسی عورت کا نکاح ہو اس کو ولی المرأۃ جس کے ہاتھ میں دیت اور خونبہا کا مطالبہ ہو اس کو ولی الدم جانشین کو ولی عہد بادشاہ کو ولی امر الرعیۃ کہتے ہیں اور اسی معنی میں عرب کے ایک نامی شاعر نے جناب امیرؑ کی مدح میں یوں کہا ہے۔

ونعم ولی الامر بعد ولیہ　　ومنتجع التقویٰ ونعم المؤدّب (۲)

اب ناظرین غور فرمائیں کہ اس اچھوتی تحقیق کے بعد آپ کے اسم مبارک کے ساتھ علامہ کا لقب کس قدر موزوں ہے۔

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم　　کرشمۂ دامن دل می کشد کہ جا این جا است

اس پر بھی تمام اہل لغت متفق ہیں کہ وَلایۃ و وِلایۃ مفعول کی طرف بھی خود متعدی ہوتا ہے اور کبھی علی وغیرہ کے ساتھ جیسا کہ کہا جاتا ہے: ''ولی الشئی و علیہ ولایۃ و وِلایۃ ملك

۱: صحاح جوہری، ج ۶، ص ۲۵۲۹، باب الواو۔

۲: شعر از جناب کمیت۔

امرہ وقام بہ" یعنی جب کوئی شخص کسی کے کام کا مالک ومختار ومدبر بنے تو ولی الشیء اور ولی علی الشیء دونوں بولتے ہیں۔ مگر ساری خدائی کے خلاف علامہ ابن تیمیہ صاحب کی ایک بالکل نرالی تحقیق سنئے اور حضرت علامہ کے تعصب پر مرحبا اور احسنت کے نعرے بلند کیجئے۔ آپ اسی منہاج السنۃ کے جزء رابع کے ص ۸ پر تحریر فرماتے ہیں:

"الوجه السابع عشر انه لو اراد الولاية هی الامارة لقال انما يتولى و رسوله فانه لا يقال لمن و لا عليهم ولا انهم يقولون تولوه بل يقال تولى عليهم "(۱)

ترجمہ: اگر خدا کو یہ منظور ہوتا کہ وہ امارت کو بیان فرمائے تو یوں کہتا انما يتولى عليكم الخ اور من يتولى الخ نہ فرماتا کیونکہ جو شخص لوگوں پر حاکم ہو اس کے بارے میں نہ یہ کہا جاتا ہے اور نہ تولوہ کہتے ہیں بلکہ تولى عليهم کہتے ہیں"۔

آفتاب پر خاک ڈالنا اسی کو کہتے ہیں۔ معاذ اللہ حق پوشی کی بھی حد ہوگئی۔ خدا جانے حضرت علامہ تحریر کے وقت کس عالم میں تھے اور انصاف کی آنکھوں پر کیسا گہرا پردہ پڑا ہوا تھا۔ غضب خدا کا یہ بالکل معمولی باتیں ہیں جن کو مبتدی طلبہ بھی جانتے ہیں اور تمام اہل لغت کی تصریح بھی ہے کہ ولایت کے معنی حکومت و امارت تصرف کے بھی ہیں۔ اور ولی اسی سے مشتق ہے اور بغیر علیٰ کے بھی متعدی ہوتا ہے۔ مگر علامہ صاحب فرماتے ہیں کہ آیۃ انما وليكم الله میں اگر امارت کے معنی مقصود ہوتے تو ولایۃ کی لفظ مجرد نہ لاتا بلکہ اس کو مزید فیہ بناتا اور پھر اس پر طرہ مزید علیٰ کے ساتھ متعدی کرتا اور يتولى عليكم کہتا۔ يتولى کہنا بھی کافی نہیں ہے۔

سنا آپ نے اس کو تحقیق کہتے ہیں۔ "کس بشنود یا نشنود من گفتگوے می کنم" اسی کا نام ہے۔ علامہ صاحب نے تمام اہل لغت کی تصنیف وتالیف پر پانی پھیر دیا۔ اب کوئی با انصاف، علامہ صاحب

۱: منہاج السنۃ، ج ۷، ص ۲۹۔

کی اس نادر تحقیق اور اہل لغت کے اس قول کو ملا کر دیکھے اور علامہ صاحب کے حق گوئی کی داد دے ملاحظہ ہو منتہی الارب: تولی: ولی ساختن و بخود گرفتن کاری را، و بکار کسی قیام نمودن و ولایت دادن الخ۔

یہ تو ظاہر ہے کہ ولی کے جتنے معانی بیان کئے گئے وہ سب اس آیت میں مراد نہیں ہو سکتے کیونکہ اس بات سے قطع نظر کر کے کہ بہت سے اصولیین ایک لفظ کو بول کر چند معانی مراد لینے کو ناجائز سمجھتے ہیں۔ خصوصاً جس وقت باہم معانی میں منافات ہو۔ خود عقل سلیم بھی بہت اچھی طرح اس کا فیصلہ کر سکتی ہے کہ خدا کا مقصود ان مذکورہ معانی سے ضرور ایک ہی ہوگا۔ اس کے علاوہ "قرابت دار۔ چچازاد بھائی۔ غلام۔ حافظ النسب وغیرہ" سے اس مقام پر کوئی تعلق و سروکار بھی نہیں ہے۔ اسی وجہ سے ان تمام معانی سے قطع نظر کر کے صرف اختلاف اس میں ہے کہ آیا لفظ ولی سے دوست و مددگار مراد ہے یا امیر و متصرف و مدبر و کارساز۔ پس چونکہ کلام خدا کا مقصود ان ہی دونوں معنی میں منحصر ہے تو ہر مسلمان کا فرض ہے کہ قرینہ حالیہ و مقالیہ سیاق و سباق۔ عنوان و طرز ادا۔ قواعد معانی و بیان صرف و نحو و لغت عرب غرض ہر پہلو پر نظر ڈال کر نہایت دیانت و انصاف سے تعصب و عناد کو چھوڑ کر فیصلہ کرے کہ آخر دونوں معنوں سے خدا کا واقعی مقصود کیا ہے۔

پس جب ناظرین لفظ انما کی تحقیق میں ملاحظہ فرما چکے (اور الحمد للہ کہ ہمارے مخاطب دوست نے بھی مان لیا کہ انما حصر کے واسطے ہے۔ اور جس لفظ پر داخل ہوتا ہے اس کے ثبوت اور اس کے ماسوا سے حکم کی نفی کرتا ہے) تو اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں کہ اس آیت میں ولی کے معنی دوست و مددگار کے نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ ضمیر "کم" خدا کا خطاب خاص مومنین کی طرف ہے اور یہ ظاہر ہے کہ جتنے مومنین ہیں سب آپس میں ایک دوسرے کے دوست و مددگار ہیں۔ چنانچہ خداوند عالم دوسرے مقام پر اس مطلب کو یوں ادا فرماتا ہے: " المومنون و المومنات بعضهم اولیاء بعض "ترجمہ: ایماندار مرد اور ایماندار عورتیں سب باہم

ایک دوسرے کے دوست و مددگار ہیں۔

پس اگر یہاں بھی دوست و مددگار کے معنی لئے جائیں تو کلام خدا میں صریحی تناقض لازم آئے گا۔ اور یہ باطل و محال ہے۔ کیونکہ ایک جگہ تو یہ فرمائے کہ مومنین سب کے سب باہم ایک دوسرے کے مددگار ہیں اور دوسری جگہ فرمائے کہ مومنو تمہارا دوست و مددگار صرف خدا ہے اور اس کا رسول اور خاص مومنین جن کے یہ صفات ہیں۔ اور عام مومنین نہیں۔

حاشا و کلا ایسا صریحی تناقض، خدا تو خدا کسی معمولی سمجھ دار آدمی کے کلام میں بھی نہیں ہوسکتا۔ اور خدا تو خود اس کی نفی کر رہا ہے و لو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافاً کثیرا (اگر یہ قرآن خدا کے سوا کسی غیر کا کلام ہوتا تو اس میں بہت اختلاف پاتے) اور نہ کوئی مسلمان جو اپنے کو مسلمان سمجھتا ہو ایسے لغو خیال کو خدا کے بارے میں پسند کرسکتا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ اس آیت میں ولی کے معنی سوائے امیر یا متصرف و کارساز کے دوسرا نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ دو ہی معنوں میں انحصار تھا اور جب ایک باطل ہوا تو دوسرا یقینی ثابت ہوا۔ وھو المطلوب

اور اس میں ایک میں ہی یا علماء شیعہ ہی متفرد نہیں ہیں بلکہ بہت سارے علماء اہلسنت (کما ستبینہ) اس کے قائل ہیں کہ اس آیت میں ولی سے مراد متصرف و امیر ہے۔

چنانچہ مشتے نمونہ از خروارے ملاحظہ ہو:

جناب شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی ازالۃ الخفا مطبوعہ مطبع صدیقی کے ص ۲۹۰ سطر ۵۔ اسی آیت کے ترجمہ میں تحریر فرماتے ہیں: غیر ازیں نیست کہ کارساز شما در حقیقت خدا است کہ الھام و تدبیر امور بآن الھام می فرماید الخ۔

مگر اہلسنت کے امام فخر الدین رازی صاحب اس پر بہت تلملائے ہیں اور غصہ سے آنکھیں نیلی پیلی کئے ہوئے۔ خدا جانے کیا کیا فرمارہے ہیں اس آیت کی تفسیر کے تحت میں آپ نے پہلے شیعوں کی طرف سے استدلال بھی فرمایا ہے۔ اس کے بعد پہلے ولایت کے بہ معنی نصرت و محبت ہونے کی دلیلیں بیان کی ہیں۔ اس کے بعد اپنے خیال میں شیعوں کے دلائل پر مضبوط و

مستحکم اعتراضات ہیں۔

امام صاحب کا پہلا اعتراض:

اسی ضمن میں آپ نے پہلے طبع زاد یا کسی کا قول نقل کیا ہے۔اور تفسیر کبیر، جلد ۳، صفحہ ۴۳۱ میں تحریر فرماتے ہیں:

" الاول ان لفظ الولی جاء بھذین المعنیین و لم یعین اللہ مرادہ و لا منافاۃ بین المعنیین فوجبہ حملہ علینا وجب دلالۃ الآیۃ علی ان المومنین المذکورین فی الآیۃ متصرفون فی الامۃ"(۱)

ترجمہ: لفظ ولی دونوں معنیٰ (محبت ومتصرف) کے لئے آیا ہے اور خدا نے اپنا مقصود معین نہیں کیا ہے۔اور دونوں معنیٰ میں کوئی منافات بھی نہیں ہے پس لفظ ولی کا حمل دونوں معنیٰ پر ضروری ہوا۔اور جب یہ ضرور ہوا تو آیت کی دلالت اس پر بھی ضرور ہوئی کہ جن مومنین کا ذکر اس آیت میں ہے وہ تمام امت پر متصرف ہوں۔

(اس پر امام صاحب اعتراض فرماتے ہیں:)

اما حمل لفظا لولی علی الناصر والمتصرف معا فغیر جائز لما ثبت اصول الفقہ انہ لا یجوز حمل اللفظ المشترک علی مفھومین"(۲)

ترجمہ: لفظ ولی کا ناصر و متصرف دونوں معنیٰ پر حمل کرنا جائز نہیں ہے۔کیونکہ

۱۔تفسیر کبیر، ج ۱۲، ص ۲۶۔

۲۔تفسیر کبیر، ج ۱۲، ص ۲۷۔

اصول فقہ میں ثابت ہو چکا ہے کہ لفظ مشترک کا حمل دو معنی پر ناجائز ہے۔"

اب ذرا ناظرین اس استدلال اور اس اعتراض کو غور سے ملاحظہ کریں وہ تو یہ کہہ رہا ہے کہ چونکہ دونوں معنی میں منافات نہیں ہے اس وجہ سے دونوں معنی مراد لینے چاہئے۔ اور آپ فرماتے ہیں کہ لفظ مشترک کا استعمال دو معنی میں جائز نہیں ہے اور اس نے عدم منافات کی جو شرط کی تھی اس کو بالکل کھا گئے۔ یہ ہے تحقیق اور اس پر دعوائے امامت۔ اے سبحان اللہ! 'نازم بایں امامت'۔ امام صاحب کا مقصود تو یہ ہے کہ تک ہو یا نہ ہو کچھ کہنا چاہئے۔

'مان نہ مان میں تیرا مہمان'

میں یہ نہیں کہتا کہ استعمال مشترک کا دو معنی میں بیک وقت جائز ہے یا کیا (من شاء فلیرجع الی محله) مگر مجھے صرف یہ دکھلا دینا ہے کہ امام صاحب شیعوں پر اعتراض کرتے بھی ہیں تو کس خوبصورتی سے۔ سچ ہے عیب کرنے کو بھی ہنر چاہئے۔

اصول فقہ کا یہ مسئلہ جو امام صاحب نے پیش کیا ہے۔ ہرگز ہر شخص کے نزدیک مسلم نہیں ہے۔ بلکہ اس میں اختلاف اور شدید اختلاف ہے۔ اگر وہ مستدل امام صاحب سے پوچھے کہ کیوں جناب جب منافات نہیں ہے تو دونوں معنی مراد لینے میں کیا نقصان ہے۔ آپ کا فقط ناجائز کہہ دینا تو کافی نہیں ہو سکتا۔ کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ ایک ہی شخص ایک وقت میں کسی کا سرپرست و متصرف و مدبر بھی ہو اور دوست و مددگار بھی ہو اور وہ کہے ھذا ولی (یہ میرا ولی ہے) اور وہ دونوں مراد لے؟ ضرور کہہ سکتا ہے اور کہنا صحیح ہوگا۔ جس طرح عربی میں 'قرء'' کے معنی ایام حیض اور پاکی دونوں کے ہیں۔ یا ''جون'' کے معنی سفیدی سیاہی دونوں کے ہیں تو کیا کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا ''القرء من صفات النساء و الجون من صفات الحیوان''۔ ''قرء' عورتوں کی صفت ہے اور ''جون'' حیوان کی صفت ہے۔ اور کیا یہ بول کر دونوں معنی مراد نہیں لے سکتا؟ ضرور لے سکتا ہے۔ اور ہرگز کوئی عاقل اس کو ناپسند نہ کرے گا۔ بلکہ اس میں ایک خاص لطف

ہے جو اہل ذوق سے پوشیدہ نہیں ہے۔

اب امام صاحب کے ولی بمعنی دوست و مددگار ہونے کی دلیلیں ملاحظہ کیجئے:

پہلی دلیل:

تفسیر کبیر جلد ۳، صفحہ ۴۳۲ میں تحریر فرماتے ہیں:

"ان اللائق ۔۔۔۔ الخ"، جس کا ترجمہ یہ ہے کہ اس آیت کے ماقبل و مابعد والی آیتوں میں دونوں جگہ۔ دوست و ناصر کے معنی مناسب ہیں۔ کیونکہ خداوند عالم اس آیت کے قبل فرماتا ہے: "یا ایہا الذین آمنوا لا تتخذوا الیہود والنصاریٰ اولیاء"۔ ترجمہ: اے ایماندارو یہود و نصاریٰ کو اپنا دوست یا سرپرست نہ بناؤ اور اس سے یہ مقصود نہیں ہے کہ یہود و نصاریٰ کو اپنا پیشوا اور اپنی جان و مال کا متصرف نہ بناؤ۔ کیونکہ یہ تو بداہتہً باطل ہے۔ بلکہ مقصود یہ ہے کہ ان کو اپنا احباب و انصار نہ بناؤ۔ نہ ان سے میل جول رکھو۔ نہ ان کی مدد کرو۔ پھر جب اچھی طرح اس کی ممانعت کر چکا تو فرمایا کہ تمہارا دوست و مددگار صرف خدا ہے اور اس کا رسول اور وہ مومنین جن کے صفات بیان کئے گئے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ جس ولایت کا یہاں حکم دیا گیا ہے اسی ولایت کی ماقبل میں ممانعت کی گئی ہے۔ اور چونکہ ولایت ممنوعہ بمعنی نصرت ہے تو جس ولایت کا حکم دیا گیا ہے اس کا بھی اسی معنی میں ہونا ضروری ہے اور پھر اسی آیت کے بعد فرماتا ہے: "یا ایہا الذین آمنوا لا تتخذو الذین اتخذوا دینکم ھزوا و لعبا من الذین اوتوا الکتاب من قبلکم والکفار اولیاء واتقوا اللہ ان کنتم مومنین"

ترجمہ: اے ایماندارو اگر تم سچے مومن ہو تو اپنے قبل کے اہل کتاب اور کفار میں سے جو لوگ تمہارے دین کی ہنسی اڑاتے ہیں ان کو اپنا دوست یا سرپرست نہ بناؤ۔ غرض خدا نے یہود و نصاریٰ کے دوست و مددگار بنانے کی دوبارہ ممانعت کی ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ ولایت ممنوعہ بمعنی نصرت ہے تو آیہ انّما ولیکم اللہ میں بھی ولایت بمعنی نصرت ہونا ضروری ہے (اس کے بعد آپ بڑی دیانت کو صرف کرتے ہیں اور فرماتے ہیں) جو شخص انصاف کو کام میں لائے اور تعصب کو چھوڑ دے اور آیت کے مقدم و موخر پر غور کرے تو اسے یقین ہو جائے گا (ضرور) کہ انّما ولیکم اللہ میں ولی ناصر و محب ہی کے معنی میں ہے اور یہ ممکن ہی نہیں کہ امام کے معنی میں ہو کیونکہ اس صورت میں ایسے دو کلاموں کے درمیان جو ایک غرض کے لئے بنائے گئے ہوں ایک اجنبی کلام کا لے آنا لازم آتا ہے۔ اور یہ بہت ہی رکیک بات ہے۔ جس سے خداوند عالم کا کلام پاک صاف ہونا چاہئے"۔(۱)

پہلا جواب:

مگر یہ بہت واضح ہے کہ یہ استدلال اس وقت صحیح ہو سکتا ہے جب پہلے، امام صاحب اس کو ثابت کرلیں کہ یہ تمام آیات یا ایھا الذین آمنوا لا تتخذوا الیھود والنصاریٰ سے ان کنتم مومنین تک سب کے سب بیک وقت نازل ہوئی تھیں اور اسی ترتیب سے نازل ہوئی تھیں (وھو بعد فی حیز الخفاء و دونہ خرط القتادہ) اور اس کو میں دعوے سے کہتا ہوں کہ ایک امام صاحب تو کیا ساری دنیا کے ائمہ اہلسنت اپنی ایڑی چوٹی کا

۱: تفسیر کبیر، ج ۱۲ ص ۲۷۔

زور لگا کر ثابت کرنا چاہیں تو "لا یثبتونہا و لو کان بعضھم لبعض ظھیراً" ہرگز نہیں کر سکتے۔ کیونکہ یہ تمام اہل اسلام کے مسلمات سے ہے کہ قرآن مجید کی ترتیب حضرت رسولؐ کی حیات میں نہیں ہوئی۔ اور یہ بھی مسلمات سے ہے کہ یہ ترتیب قرآن مجید کی نزول کے موافق نہیں ہے۔ پھر امام صاحب کا یہ فرمانا کہ جو معنی ولایت کے قبل و بعد کی آیت میں لئے گئے ہیں وہی اس آیت میں بھی مراد ہونا چاہئے کہاں تک صحیح ہو سکتا ہے۔

دوسرا جواب:

اس کے علاوہ افسوس تو یہ ہے کہ امام صاحب کو بہت ہاتھ پاؤں مارنے کے بعد بھی مابعد و ماقبل کی آیتوں میں ولایت کے بہ معنی نصرت ہونے کی کوئی دلیل نہیں ملی۔ آخر حیران و ششدر ہو کر بیچارے کو بداہۃ کا دعویٰ کرنا پڑا۔ حالانکہ یہ بداہۃ عقل نہیں ہے بلکہ بداہۃ وہم ہے۔ میں خود کیوں کچھ کہوں۔

کیا لطف جو غیر پردہ کھولے   جادو وہ جو سر پر چڑھ کے بولے

"اقرار العقلاء علی انفسھم مقبول" تو ایک مشہور جملہ ہے۔ ذرا ناظرین بافہم و انصاف ماقبل والی آیت کی شان نزول کو خود امام صاحب کی تحریر سے ملاحظہ کریں اور امام صاحب کے اضطراب و پریشانی کا تماشا دیکھیں آپ تفسیر کبیر، صفحہ ۴۲۵ آیہ یا ایھا الذین آمنوا ... الخ کی تفسیر کے تحت میں ارشاد فرماتے ہیں:

"روی ان عبادۃ ابن صامت جاء الی رسول اللہ فتبرء عندہ من والاۃ الیھود فقال عبد اللہ بن ابی لکنی لا اتبرء منھم لانی اخاف الدوائر فنزلت ھذہ الآیۃ"(۱)

روایت میں ہے کہ عبادہ بن صامت حضرت رسولؐ کی خدمت میں حاضر

۱: تفسیر کبیر، ج ۱۲، ص ۱۵۔

ہوئے اور آپ کے سامنے یہود کی موالاۃ سے علیحدگی کی۔ تب عبداللہ ابن ابی بول اٹھا کہ میں ان سے علیحدہ نہیں ہو سکتا کیونکہ میں زمانہ کی گردشوں سے ڈرتا ہوں"۔

ناظرین گھبرائیں نہیں۔ ابھی راز سربستہ کھلتا ہے اور عجیب طلسم ٹوٹتا ہے۔ اس عبارت کے آٹھ سطر کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

" اعلم ان المراد بقوله الذين في قلوبهم مرض المنافقون مثل عبد الله ابن ابي و اصحابه و قوله يسارعون في مودة اليهود و نصارى نجران لانهم كانوا اهل ثروة كانوايعينونهم على مهماتهم و يقرضون و يقول المنافقون انما نخالطهم لا نا نخشى ان تصيبنا دائرة (ثم قال بعد نقل قول الواحدى) قال الزجاج اى نخشى ان لا يتم الامر لمحمد فيدور الامر كما كان قبل ذالك."(۱)

ترجمہ: جانو کہ الذین فی قلوبھم مرض سے مراد منافقین ہیں مثل عبداللہ ابن ابی اور اس کے اصحاب کے۔ اور قول خدا "یسارعون فیھم" سے مقصود یہ ہے کہ لوگ یہود اور نجران کے نصاریٰ کی محبت کی طرف دوڑتے تھے۔ کیونکہ یہود و نصاریٰ صاحبان دولت تھے۔ اور ان منافقین کے بڑے بڑے ضروری اور مشکل کام میں کام آتے تھے اور ان کو قرض دیتے تھے۔ اور منافقین کہتے تھے کہ ہم اس بات سے ڈرتے ہیں

۱۔ تفسیر کبیر، ج ۱۲، ص ۱۶۔

کہ کہیں زمانہ کی گردش میں ہم مبتلا نہ ہو جائیں۔ زجاج نے کہا ہے یعنی ہم
اس بات سے ڈرتے ہیں کہ کہیں محمدؐ کے حوصلے پورے نہ ہوں اور حکومت
قائم نہ ہو اور زمانہ پلٹا کھا کے پھر جیسا تھا ویسا ہی ہو جائے"۔

اب ناظرین عبارت مذکورہ بالا کو ایک معمولی سی توبہ سے دیکھیں کہ آیا یہ منافقین یہود و نصاریٰ کو اپنا سرپرست و کارساز سمجھتے تھے یا فقط دوست خصوصاً اخیر کا فقرہ کہ کہیں ایسا نہ ہو محمدؐ کی حکومت قائم نہ ہو۔ اور زمانہ پلٹا کھا کے جیسا پہلے تھا پھر ویسا ہی ہو جائے ذرا غور سے ملاحظہ کریں کہ ان کا مقصود کیا تھا۔ اور خدا نے کس ولایت کی ممانعت کی تھی۔ فقط دوستی یا ان کو سرپرست و مدبر و کارساز سمجھنے کی۔ حاشا وکلا ہرگز دوستی اور میل جول کی ممانعت نہ تھی بلکہ یہود و نصاریٰ کو اپنا مدبر و کارساز سمجھنے کی۔ کیونکہ باہم معاملات کرتے (دیکھو سورہ مائدہ، آیت ۵) "وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ"۔ اہل کتاب یہود و نصاریٰ کا طعام تمہارے واسطے حلال ہے اور تمہارا طعام ان کے واسطے حلال ہے (طعام سے جو کچھ مراد ہو یہاں اس کو طے کرنا منظور نہیں مگر دیکھنا یہ ہے کہ یہ باہمی معاملات کرنے کا حکم ہے یا نہیں اور کیا اس کا نفاذ بغیر معاملات ہو سکتا ہے)، میل جول رکھنے دوستی و ارتباط قائم کرنے کی یہاں تو کیا، تمام قرآن میں کسی جگہ ممانعت نہیں ہے۔ ہاں جو کفار یہود ہوں یا نصاریٰ یا غیر، ہم سے ظاہر بہ ظاہر دشمنی کریں ہم سے دینی امور میں لڑائی کریں ہمیں ستائیں ان سے البتہ دوستی اور ارتباط کی ممانعت ہے۔ بلکہ دشمنی کرنے کا حکم ہے۔ مگر ساتھ ہی اس کے جو کفار ہم سے دینی امور میں لڑائی جھگڑے جدال و قتال نہ کریں ان کے ساتھ ہرگز دوستی و محبت کی ممانعت نہیں ہے۔ بلکہ یک گونہ دوستی و ارتباط اور ان کے ساتھ احسان کرنے کا حکم ہے (دیکھو: سورہ ممتحنہ، آیت ۸) لَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُم مِّن دِيَارِكُمْ أَن تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ﴿٨﴾ ۔

ترجمہ: جن کفار نے تم سے تمہارے دینی امور میں لڑائی نہیں کی اور تمہیں شہر بدر نہیں کیا ان کے ساتھ احسان اور نیکی کرنے اور انصاف سے پیش آنے کو خدا تمہیں منع نہیں کرتا۔ خدا تو یقینا انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

اس سے یہ بھی واضح طور پر ثابت ہوگیا کہ اگر یہاں ولایت سے دوستی مراد لیتے ہیں تو کلام خدا میں صریحی تناقض لازم آتا ہے کہ ایک جگہ دوستی اور احسان کرنے کا حکم دیتا ہے اور ایک جگہ منع کرتا ہے۔ بلکہ تاریخی صفحات اس سے مملو ہیں کہ تمام صحابہ بلکہ خود حضرت رسول کفار سے ہمیشہ اس قسم کے ارتباط رکھتے تھے جس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا۔ کیا رسولؐ اللہ مولفۃ القلوب کفار سے میل جول نہ رکھتے تھے۔ کیا اس زمانہ کے ہندوستان کے مسلمان کفار اور یہود و نصاریٰ سے دوستی و ارتباط میل جول نہیں رکھتے! اور کیا یہ سب کے سب خلاف حکم خدا کرتے ہیں اور کیا اس کی وجہ سے یہ مسلمان بمصداق و من یتولھم منکم فانہ منھم کافر و یہودی و نصرانی ہو گئے کیا مولوی ثناء اللہ صاحب تمام ہندوستان میں کسی ایک مسلمان یا خود اپنے کو فرما سکتے ہیں کہ وہ کفار یا یہود و نصاریٰ سے میل جول دوستی نہیں رکھتے کیا ان انگریزوں سے اعانت کے طالب نہیں اور کیا اس کی وجہ سے وہ دائرہ اسلام سے خارج اور زمرہ منافقین میں داخل ہو گئے؟ حاشا و کلا ہرگز نہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ چونکہ منافقین یہود و نصاریٰ کی دولت و ثروت کی وجہ سے ان کو اپنا سرپرست و کارساز سمجھتے تھے کیونکہ یہ کھٹکا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو حضرت رسولؐ کے واسطے حکومت قائم نہ ہو اور یہ فقیر کے فقیر ہی رہیں اور یہود و نصاریٰ سے صاف صاف الگ بھی ہو جائیں اور رسولؐ سے سرپرستی و کارسازی بھی نہ ہو سکے تو پھر۔ ازیں سوراندہ ازاں سو درماندہ۔ نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم نہ ادھر کے رہے نہ اُدھر کے ہوئے۔ کہیں کے نہ رہے ان بیہودہ خیالات کا لحاظ کر کے خدا نے مومنین سے فرما دیا کہ یہود و نصاریٰ کیا چیز ہیں اور ان کی دولت و ثروت کی کیا حقیقت ہے تم اپنا

اصلی کارساز خدا اور رسولؐ و مومنین موصوفین کو سمجھو اور دل سے مانو۔ بس یہی کافی ہے ورنہ یہ تو ظاہر ہے کہ کفار سے میل جول اور ارتباط و مخالطت سے نہ کسی مومن کا ایمان خراب ہوتا ہے اور نہ کسی کے اسلام میں بٹہ لگتا ہے۔ نہ کافر ہو جاتا ہے، نہ منافق۔

یہ تو ماقبل والی آیت کی حالت و کیفیت ہوئی۔ اب رہی مابعد والی آیت تو۔ قیاس کن زگلستان من بہار مرا۔ اب میں امام صاحب اور ان کے طرفداروں کے سامنے ان ہی کی دلیل کو یوں پیش کرتا ہوں کہ ماقبل و مابعد والی آیتوں میں بداہۃً و برہاناً ولایت سے مراد تصرف و امامت ہے تو اس درمیان والی آیت میں بھی وہی مراد ہونا چاہئے تاکہ جس ولایت کی ممانعت کی گئی ہے اسی کا حکم بھی ہو جائے کیونکہ خداوند عالم کا کلام اس سے منزہ ہے کہ ایک قسم کے دو کلاموں کے درمیان ایک اجنبی کلام خواہ مخواہ گھسیٹر دیا جائے اب تو امام صاحب کے واسطے یہ شعر یہاں موزوں نظر آتا ہے۔

الٹی ہو گئی سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا
آخر اس بیماری دل نے اپنا کام تمام کیا

تیسرا جواب

اور بفرض محال اگر تھوڑی دیر کے لئے تمام آیات کا بیک وقت نزول ہونا۔ اور پھر موافق نزول ترتیب پانا اور پھر ماقبل و مابعد والی آیتوں میں ولایت بمعنی نصرت ہونا مان بھی لوں، تو بھی امام صاحب کی تمنا بر نہیں آتی۔ کیونکہ امام صاحب کا یہ فرمانا (کہ ماقبل و مابعد والی آیتوں میں ولایت بمعنی نصرت لینے کے بعد اس آیت میں ولایت بمعنی تصرف نہیں لے سکتے کیونکہ اس صورت میں دو کاموں کے درمیان ایک اجنبی کلام کا گھسیٹر دینا لازم آتا ہے اور یہ بہت رکیک ہے جس سے کلام خدا کو پاک و منزہ ہونا چاہئے) بالکل غلط ہے۔ کیونکہ افسوس امام صاحب استدلال کے وقت قواعد معانی و بیان کو آنکھ بند کر کے پس پشت ڈال دیتے ہیں۔

اب میں عرض کرتا ہوں کہ امام صاحب؟ اس میں کوئی خرابی نہیں ہے اور نہ کوئی عیب کی بات ہے۔ اس قسم کی ترکیب یعنی کلام اجنبی کا درمیان میں آجانا تو کلام اللہ میں ایک دو جگہ نہیں بیسوں جگہ ہے۔ کیا آپ نے فن معانی کی بحث اطناب کو ملاحظہ نہیں فرمایا ہے۔ اچھا سنئے زیادہ کیوں تکلیف اٹھایئے شرح تلخیص المفتاح ملاحظہ کیجئے۔ اطناب کی بہت سی صورتیں ہیں منجملہ ان کے ایک قسم اعتراض بھی ہے جس کی تعریف میں صاحب تلخیص لکھتے ہیں:

"وھو ان یوتی فی اثناء کلام او بین کلامین متصلین معنی جملة او اکثر ... الخ"

ترجمہ: اعتراض کے معنی یہ ہیں کہ ایک کلام کے بیچ میں یا ایسے دو کلاموں کے درمیان جو باہم معنی میں متصل ہوں۔ ایک جملہ یا چند جملوں کا لے آنا۔

اب مثال سنئے: "فاتوھن من حیث امرکم اللہ ان اللہ یحب التوابین و یحب المتطھرین نساء کم حرث لکم فاتوا حرثکم انی شئتم"

اب میری نہیں اپنے علامہ تفتازانی کی تحقیق سنئے: فقولہ ان اللہ یحب التوابین و یحب المتطھرین ایک جملہ سے زیادہ معترضہ ہے دو متصل کلاموں کے درمیان۔

اب دوسری مثال سنئے: ووصینا الانسان بوالدیہ حملتہ امہ وھنا علی وھن و فصالہ فی عامین ان اشکر لی ولوالدیک الخ اب پھر علامہ تفتازانی کی تحقیق سنئے کہ فرماتے ہیں کہ ان اشکر لی تفسیر ہے وصینا الانسان کی اور حملتہ سے عامین تک ایک کلام اجنبی ہے۔ دونوں کلام کے درمیان۔

"اب ان دونوں مثالوں اور علامہ کی تحقیق کو ملاحظہ فرمائے۔ اور نیز امام صاحب کی جدید تحقیق کو غور سے دیکھئے اور دیانت و انصاف کی داد دیجئے۔ کیا یہ غیر ممکن ہے کہ مابعد و ما قبل کی آیتوں میں ولایت بہ معنی نصرت ہو اور دونوں کلام متصل ہوں اور آیہ انّما ولیکم اللہ جملہ معترضہ ہو کون سی رکاکت اور خرابی ہوگی۔

چوتھا جواب:

خداوند عالم نے جہاں جہاں لفظ ولی کو قرآن میں استعمال فرمایا ہے ہر جگہ سرپرست، مدبر، متصرف، کارساز کے معنی لئے ہیں۔ پھر یہ کیوں کر ہوسکتا ہے کہ تمام قرآن کے خلاف ایک انوکھا معنی (دوست کے) اس مقام پر لئے جائیں۔

ملاحظہ ہو: (بقرہ، آیت ۲۵۷) پ ۳، ع ۲۔ اللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیۡنَ آمَنُوا۔

(بقرہ، ۲۸۲) پ ۳۔ ع ۷ (قرض کے لین دین کے بارے میں) أَوْ لَا یَسْتَطِیعُ أَن یُمِلَّ ھُوَ فَلْیُمْلِلْ وَلِیُّهُ بِالْعَدْلِ۔

(آل عمران، ۱۲۲) پ ۴۔ ع ۴۔ (جنگ احد کا قصہ) إِذْ ھَمَّت طَّائِفَتَانِ مِنكُمْ أَن تَفْشَلَا وَاللّٰہُ وَلِیُّھُمَا۔

(نساء، ۴۵) پ ۵۔ ع ۴۔ وَ کَفٰی بِاللّٰہِ وَلِیًّا وَ کَفٰی بِاللّٰہِ نَصِیرًا۔

(نساء، ۸۹) پ ۵۔ ع ۹ (خدا کا حکم) فَلَا تَتَّخِذُوا مِنْھُمْ أَوْلِیَاءَ۔

(نساء، ۱۲۳) پ ۵۔ ۱۵ (خدا کا حکم) وَلَا یَجِدْ لَهُ مِن دُونِ اللّٰہِ وَلِیًّا وَلَا نَصِیرًا

(نساء، ۱۷۳) پ ۶۔ ع ۴۔ وَلَا یَجِدُونَ لَھُم مِّن دُونِ اللّٰہِ وَلِیًّا وَلَا نَصِیرًا۔

(مائدہ، ۵۵) پ ۶۔ ۱۲ (محل نزاع) انّما ولیکم اللہ۔

(انعام، ۱۴) پ ۷۔ ع ۸۔ (حضرت رسولؐ سے فرمائش) قُلْ أَغَیْرَ اللّٰہِ أَتَّخِذُ وَلِیًّا۔

(اعراف، ۱۵۵) پ ۹۔ ع ۹۔ (حضرت موسیٰ کی زبانی) أَنتَ وَلِیُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا

وَارْحَمْنَا وَأَنتَ خَيْرُ الْغَافِرِينَ۔

(اعراف،۱۹۶)پ۹۔ع۴(حضرت رسولؐ کی دعا کی فرمائش) إِنَّ وَلِيِّيَ اللَّهُ الَّذِي نَزَّلَ الْكِتَابَ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصَّالِحِينَ۔

(یوسف،۱۰۱)پ۱۳۔ع۵۔(حضرت یوسفؑ کی دعا) أَنتَ وَلِيِّي فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ

(بنی اسرائیل،۳۳)پ۱۵۔ع۵(مقتول کے بارے میں) وَمَن قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهِ سُلْطَانًا۔

(کہف۱۷)پ۱۵۔ع۴۔وَمَن يُضْلِلْ فَلَن تَجِدَ لَهُ وَلِيًّا مُّرْشِدًا۔

(مریم، ۵ و ۶)پ۱۶۔ع۴(حضرت زکریا کی دعا) فَهَبْ لِي مِن لَّدُنكَ وَلِيًّا۔ يَرِثُنِي وَيَرِثُ مِنْ آلِ يَعْقُوبَ۔

(مریم، ۴۵)پ۱۶۔ع۶۔(حضرت ابراہیمؑ کا آذر بت تراش سے کہنا) فَتَكُونَ لِلشَّيْطَانِ وَلِيًّا۔

(نمل، ۴۹)پ۱۹۔ع۱۹(قوم صالح کی زبانی) ثُمَّ لَنَقُولَنَّ لِوَلِيِّهِ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ أَهْلِهِ۔

(احزاب،۱۷)پ۲۱۔۱۸۶۔وَلَا يَجِدُونَ لَهُم مِّن دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا

(سباء،۴۱)پ۲۲۔ع۱۱۔(فرشتوں کی زبانی) قَالُوا سُبْحَانَكَ أَنتَ وَلِيُّنَا مِن دُونِهِم۔

(فتح،۲۲)پ۲۶۔ع۱۱۔ ثُمَّ لَا يَجِدُونَ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا۔

ان تمام آیات میں صاف اور بیّن طور پر ہر ناظر تفسیر کو معلوم ہوتا ہے کہ ولی کے معنی دوست کے نہیں ہیں بلکہ وہی حاکم، سرپرست، مدبر، متصرف کارساز کے ہیں۔ جن کو دوسری لفظوں میں امام کہئے۔ ہاں زبردستی کا اور خواہ مخواہ کی تاویل کا تو جواب نہیں۔ بقول شخصے ضد کی دوا لقمان

کے پاس نہ تھی۔ تعصب اور ہٹ کو چھوڑ کر خدا کا کلام سمجھ کر، انصاف و دیانت کو ہاتھ میں لے کر خدا کو حاضر و ناظر جان کر تو کوئی شخص ان تمام آیات مذکور میں کبھی بھی دوست کے معنی نہیں کہہ سکتا۔ اور کسی ایک آدھ آیت میں زبردستی کھینچ تان کر دوست کے معنی لئے بھی جائیں تو اللفظ یحمل علی الاھم الاغلب۔ پھر یہ آیہ انّما ولیکم اللہ میں ایک انوکھا معنی کیونکر لیا جا سکتا ہے

امام صاحب کی دوسری دلیل

تفسیر کبیر جلد ۳، ص ۴۳۲ میں تحریر فرماتے ہیں۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

''آیت مذکور یہ چاہتی ہے کہ جن مومنین کی ولایت کے ساتھ صفت بیان کی گئی ہے وہ نزول آیت کے وقت صفت ولایت سے متصف ہوں (کیونکہ جملہ اسمیہ ہے اور جملۂ اسمیہ ثبوت و دوام پر دلالت کرتا ہے۔ اسی کو مولوی ثناءاللہ صاحب نے زبانی بھی فرمایا تھا) پس اگر ولایت کے معنی تصرف و امامت کے لئے جائیں تو لازم آتا ہے کہ مومنین معصومین وقت نزول آیت صفت ولایت سے متصف نہ ہوں۔ کیونکہ علی بن ابی طالبؑ وقت نزول آیت رسولؐ اللہ کی زندگی میں نافذ التصرف نہ تھے۔ اور اگر ولایت کو محبت و نصرت کے معنی میں لیتے ہیں تو ولایت وقت نزول آیت ہی سے حاصل ہو جاتی ہے۔ اس کے علاوہ ہم نے بیان کر دیا ہے کہ جس ولایت کی یہود و نصاریٰ سے ممانعت کی گئی ہے وہ بالفعل حاصل ہے۔ تو جس ولایت کا حکم دیا گیا ہے اس کو بھی حاصل ہونا چاہئے تا کہ نفی و اثبات ایک ہی چیز پر وارد ہو۔ غرض جب ولایت بمعنی تصرف کا وقت نزول آیت حاصل ہونا محال ہوا تو یہاں مراد ہونا بھی محال ہے''۔ وھو المطلوب (۱)

۱: تفسیر کبیر، ج ۱۲، ص ۲۸۔

جواب:

یہ بھی ایک نئی اور بالکل انوکھی منطق ہے۔ اگرچہ یہ بات کہ جملہ اسمیہ ثبوت و دوام پر دلالت کرتا ہے۔ کم علموں کے گویا زبان زد ہے مگر امام صاحب کا ایسا بال کی کھال نکالنے والا، ایسی بے اصل بات پر بھروسہ کرکے اپنی مشہور تصنیف میں دھبا لگائے تعجب ہوتا ہے۔

معلوم نہیں امام صاحب یہ مطلب کہ صفت ولایت سے وقت نزول آیت کا متصف ہونا ضروری ہے کہاں سے لائے۔ فن معانی و بیان کی کتابیں تو صاف صاف امام صاحب کے خلاف گواہی دے رہی ہیں ملاحظہ ہو مطول شرح تلخیص المفتاح علامہ تفتازانی:

"اما کون المسند فعلا فللتقیید باحد الازمنة الثلثة علی اخصر وجه مع افادة التجدد الذی هو من لوازم الزمان الذی هو جزء الفعل و اما کونه اسما فلا فادة عدمهما ای عدم التقیید المذکور و افادة التجدد بل لا فادة الثبوت و الدوام لاغراض بذلك کما فی مقام المدح و الذم و ما اشبه ذلك مما یناسبه الدوام و الثبوت کقوله لا یألف الدرهم المضروب صرتنا وهو ما یجمع فیه الدراهم۔ لکن یمر علیها وهو منطلق یعنی ان الانطلاق ثابت له دائم من غیر اعتبار التجدد قال الشیخ عبد القاهر المقصود من الاخبار ان کان هو الاثبات المطلق فینبغی ان یکون بالاسم و ان کان الغرض لایتم الا بالاشعار بزمان ذلك الثبوت فینبغی ان یکون بالفعل و قال ایضا موضوع الاسم علی ان یثبت به الشئی شئی من غیر اقتضاء انه یتجدد و یحدث شیئا فلا تعرض فی زید منطلق لا کثر من اثبات الا

نطلاق فعلا له ۔ کما فی زید طویل و عمر و قصیر و اما الفعل فانه یقصد فیه التجدد و الحدوث و معنی زید ینطلق ان الانطلاق یحصل فیه جزء فجزء وهو یناوله و یزجیه "(۱)

ترجمہ: مسند کا فعل ہونا دو فائدوں کے واسطے ہے۔ایک تو تینوں زمانوں میں سے ایک کے ساتھ مقید ہونا ہے۔دوسرے تجدد و حدوث۔ مگر جب مسند اسم ہو تو یہ دونوں فائدے حاصل نہیں ہوتے بلکہ جہاں ثبوت و دوام مناسب ہو وہاں ثبوت و دوام کا فائدہ دیتا ہے۔ جیسے مقام مدح یا ذم یا اس کے مثل۔ جیسے کسی شاعر کا قول لا یالف ...الخ یعنی ہماری تھیلی سے سکہ دار درہم کو الفت نہیں ہے مگر ہاں اس پر سے گزر ضرور ہوتا ہے اور برابر چلتا رہتا ہے۔شیخ عبد القاہر (جنھیں عربیت میں تمام نحویین کا قبلہ گاہ کہنا چاہئے) فرماتے ہیں:: خبر سے اگر صرف کسی چیز کا ثابت کرنا منظور ہو تو اسم کے ساتھ لانا چاہئے اور اگر بغیر زمانہ کے ظاہر کئے ہوئے غرض پوری نہ ہوتی ہو تو فعل کے ساتھ لانا چاہئے"۔اور یہ بھی کہا ہے کہ اسم اس لئے بنایا گیا ہے کہ اس سے ایک چیز کے واسطے ایک چیز ثابت ہو وہ تجدد و حدوث کو نہیں مقتضی ہے۔غرض زید منطلق میں اس کے سوا کہ چلنا زید کا فعل ہے اور کسی چیز کا تعرض نہیں ہے۔ جیسے زید طویل (زید لمبا ہے) عمرو قصیر (عمرو پست قامت ہے) مگر فعل میں تجدد و حدوث مقصود ہوتا ہے اور زید ینطلق کے معنی یہ ہیں کہ زید سے چلنا ایک ایک جزء کر کے تھوڑا تھوڑا حاصل ہوتا ہے اور وہ چلنے کی مزاولت (مداومت) کرتا ہے اور

۱۔مطول،ص ۱۵۱۔۱۴۹۔

اُسے آہستہ آہستہ کرتا جاتا ہے۔ انتھیٰ"۔

یہ عبارت بہت واضح طور پر دلالت کرتی ہے کہ جملہ اسمیہ میں دوام وثبوت صرف اسی مقام پر ہوتا ہے جہاں موقع ہو ورنہ جملہ اسمیہ میں محض ایک چیز کا ایک چیز کے لئے ثابت ہونا ملحوظ ہوتا ہے اس کے سوا کوئی معنی ہی نہیں ہیں۔

غرض اس میں دوام وثبوت سوائے خاص مقامات کے ہوتا ہی نہیں اور یہ تو ہماری زبان میں بھی بہت واضح ہے کہ "زید قائم ہے" کہنے کا ہرگز کوئی شخص یہ مطلب نہیں سمجھتا کہ زید اس وقت سے لے کر قیامت تک کھڑا ہی رہے گا نہ کبھی بیٹھے گا نہ چلے گا۔

اور نہ اس میں زمانہ کا اشعار ہوتا ہے۔ پھر معلوم نہیں کہ امام صاحب نے کہاں سے فرما دیا ہے کہ "آیت کا مطلب یہ ہے کہ فوراً صفت ولایت سے متصف ہونا چاہیے"۔

امام صاحب کی تیسری دلیل:

تفسیر کبیر مطبوعہ مصر جلد ۳ ص ۴۳۳۔ یہ دلیل امام صاحب نے اپنے خیال میں ساتویں شمار کی ہے مگر صاحبان بصیرت سے پوشیدہ نہیں ہے کہ امام صاحب کی تیسری چوتھی پانچویں چھٹی دلیل کو دعوے سے کوئی سروکار نہیں ہے کیونکہ شروع بحث میں فرماتے ہیں: "الذی یدل علی ان حملہ علی الناصر اولیٰ وجوہ(۱)" (ولی کے بہ معنی مددگار ہونے کی چند دلیلیں ہیں)۔ مگر ان مذکورہ دلیلوں میں امام صاحب نے اپنے خیال میں یہ ثابت کرنے کا قصد کیا ہے کہ آیہ مذکورہ میں الذین آمنوا سے مراد حضرت علی ابن ابی طالبؑ نہیں ہو سکتے (و انی لہ مثلک) سوال از آسماں جواب از ریسماں۔ اسی کا نام ہے (وھو کما تری) اسی وجہ سے میں نے اس مقام پر ان دلائل سے تعرض نہیں کیا۔ اپنے موقع پر ناظرین اس کی رد انشاء اللہ ملاحظہ کریں گے۔

۱۔ تفسیر کبیر، ج ۱۲، ص ۲۷۔

اس دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ:

"اس آیت میں خطاب تمامی امت سے ہے اور امت کو تو اس کا یقین تھا ہی کہ ان کے متصرف و مدبر اللہ و رسول ہیں پھر اس کلام کو محض مومنین کے دل خوش کرنے کے واسطے ذکر کیا ہے اور ان کی تعریف کی ہے کہ انھیں کفار کو دوست و مددگار بنانے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ جس کے دوست و مددگار خدا و رسول ہوں گے اسے یہود و نصاریٰ کے دوست و مددگار بنانے کی کیا حاجت باقی رہے گی"۔(۱)

جواب:

دیکھا آپ نے یہ بھی ایک انوکھی منطق ہے۔ اس کے کل مقدمات محض نظری ہی نہیں بلکہ شعری، سفسطی اور بدیہی البطلان ہیں۔ نہ تو آپ نے کسی مقدمہ پر کوئی دلیل بیان کی ہے نہ کوئی برہان۔ امام صاحب آپ کا ایسا کلام جس میں محض دعویٰ ہی دعویٰ ہو وہی شخص مان سکتا ہے جو آپ کی تقلید کی رسی اپنے گلے کا ہار بنا چکا ہو اور آپ کے قول کو وحی منزل سمجھتا ہو ہر شخص کیوں ماننے لگا۔

میں پوچھتا ہوں کہ امت کو اس کا یقین کہ اس کے متصرف خدا و رسول ہی ہیں کہاں سے حاصل ہوا۔ قرآن ہی سے یا کہیں اور سے۔ اگر قرآن ہی سے حاصل ہوا تو یہ آیت اس کی مؤکد ہوگی۔ اور اگر کہیں اور سے تو اُسے بیان کرنا تھا (و دونہ خرط القتاد)

اب رہی یہ بات کہ یہ کلام محض دل خوش کن جملہ ہے۔ یہ تو آپ فرمائیے میرا تو عقیدہ یہ ہے کہ تمام امور حکمیہ دنیویہ۔ دینیہ سے قرآن مجید کا ہر ہر جملہ مملو ہے۔ آپ نہ مانیئے اور اس کو محض دل خوش کن فرمایئے آپ کو اختیار ہے۔ میں اپنے بیان سابق میں عرض کر چکا ہوں کہ یہ جملۂ انشائیہ ہے اور خود امام صاحب بھی اس کا اقرار فرماتے ہیں کہ لا شك انه خطاب مع الامة

۱۔ تفسیر کبیر، ج ۱۲، ص ۲۹۔

(بیشک یہ امت کو حکم دیا گیا ہے) اور پھر فرماتے ہیں کہ دل خوش کن جملہ ہے (و بینھما یکون بعید العجب ثم العجب)

اب رہی یہ بات کہ جس کا دوست خدا ہوگا اس کو دوسرے کی دوستی کی کیا ضرورت بالکل صحیح ہے مگر یہ تو فرمایئے کہ آپ کو اس سے کیا فائدہ پہونچا! یعنی اس سے ثابت ہوگیا کہ ولی کے معنی دوست کے ہیں؟ سبحان اللہ۔ اگر اسی کا نام دلیل و حجت ہے تو پھر کیا کہنا۔ کیوں جناب میں کہتا ہوں کہ ''جس کا خدا سرپرست ہو اس کو دوسرے کی سرپرستی کی کیا ضرورت ہے''۔ اب فرمایئے کیا ہوا ولی کے معنی سرپرست کے ثابت ہو گئے نا؟ واقعی یہ استدلال اور پھر اس کا نام حجت جل جلالہ۔

یہ ترا بیان غالب یہ طریقہ تصوف　　تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا

امام صاحب کی چوتھی دلیل:

تفسیر کبیر جلد ۳ ص ۴۳۳ ''ماقبل والی آیت یحبھم و یحبونه میں خدا نے مومنین کی مدح کی ہے۔ پس اگر آیہ انّما ولیکم اللہ میں بھی ولی بمعنی دوست لئے جائیں تو انّما ولیکم اللہ ورسوله اور یحبھم و یحبونه اذلة علی المومنین اعزة علی الکافرین دونوں کا ایک مطلب ہوگا۔ اور یجاهدون فی سبیل اللہ اور یقیمون الصلوٰة و یوتون الزکاة و هم راکعون کا ایک مطلب ہوگا اور آیت ماقبل والی آیت سے بالکل مطابق اور مؤکد ہو جائے گی اور یہی اولیٰ ہے''۔(۱)

۱: تفسیر کبیر، ج ۱۲، ص ۲۹۔

جواب:

یہ بھی عجیب وغریب استدلال ہے۔ ما قبل والی آیت جملہ خبریہ ہے اور یہ آیت جملہ انشائیہ اور حکم۔ امام صاحب نے دونوں کو ایک کر دیا۔ ٹکے سیر کھاجا اور ٹکے سیر بھاجی۔ اسی کا نام ہے۔ اس کے علاوہ امام صاحب کے قول کے موافق تو لازم آتا ہے کہ تمام قرآن کی کل آیات کا ایک ہی مطلب ہے :اقیموا الصلوٰۃ اور کتب علیکم الصیام کا ایک ہی مطلب۔ جاھدوا اور کلوا واشربوا کا ایک ہی مطلب۔ آمنوا و کفروا کا ایک ہی مطلب وغیرہ وغیرہ۔ مگر اس صورت میں بہتر یہ تھا کہ امام صاحب صرف ایک آیت الحمد للہ رب العالمین کی تفسیر بیان فرما دیتے اور کہہ دیتے کہ سارے قرآن کا بس یہی مطلب ہے۔ امام صاحب نے بے کار اتنی زحمت کی اور اتنی بڑی تفسیر لکھی

شانا ٹوٹا تار گیسوے منبر توڑ کر
پھل نہیں پاتا کوئی شاخ صنوبر توڑ کر

اور سنئے، ابھی دو ورق قبل امام صاحب اسی آیت یحبھم و یحبونہ کی تفسیر میں دعویٰ فرما چکے ہیں کہ یہ آیت حضرت ابوبکر کی شان میں نازل ہوئی ہے اور اس آیت کو عام مومنین کے واسطے فرما چکے ہیں۔ اور یہاں فرمارہے ہیں کہ ”دونوں کا ایک مطلب ہے“ میں متحیر ہوں کہ امام صاحب کی کس بات کو صحیح مانوں اور کس کو غلط۔

نمازی کو شراب اُس نے پلائی جا کے مسجد میں
کلیسا میں گیا تو بُت کو دے پٹکا برہمن پر

اور سُنئے! یہ ما قبل والی آیت خود زیر بحث ہے اور اس آیت کا تمام مومنین یا حضرت ابوبکر کی شان میں نازل ہونا بالکل غلط ہے (اور میں انشاء اللہ اس کو آئندہ بحث میں ثابت کر دوں گا) پھر بغیر بنیاد کی دیوار کھڑی کرنا اسی کا نام ہے۔ ما قبل والی آیت خاص جناب امیرؑ کی شان میں

نازل ہوئی ہے (کما سنبینہ) پھر امام صاحب کے قول کے موافق تو اس آیت کو پہلی آیت کے مطابق کرنا اولیٰ ہے۔ وھو المطلوب۔

عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد

ضمیمہ کلام

ناظرین آپ نے میری تحریر متعلق تحقیق ''ولی'' ملاحظہ فرمائی جو اصلاح نمبر ۱۰ میں پوری شائع ہوئی اور اخبار اہلحدیث نے اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے شائع کیا۔ تاہم میں اپنے معزز مخاطب مولوی ثناء اللہ صاحب کا شکر گزار ہوں کہ جس طرح آپ نے ''انما'' کا بمعنی حصر ہونا مان لیا تھا اسی طرح اس کو بھی مان لیا کہ آیہ انما ولیکم اللہ میں ولی بمعنی متصرف و کارساز ہے۔ اگرچہ مولوی صاحب نے اثنائے کلام میں کہیں کہیں طبع آزمائی کی ہے اور علوم آیہ میں کچھ جولانی قلم دکھلائی ہے اور اس پر ناز بھی کیا ہے جو ایک حد تک بے جا بھی نہیں ہے۔ کیونکہ مولوی صاحب کو تو بقول خود (دیکھو اہلحدیث مورخہ ۱۰ ربیع الاول ۲۷ھ) آپ کے اہل مذہب یکتا معقولی مان چکے ہیں۔ و لو کان من قبیل فرض المحال پھر تو مولوی صاحب اپنے اوپر جہاں تک فخر کریں کم ہے۔ مگر حیرت تو یہ ہے کہ آپ نے باوجودیکہ میرے مبرہن دعوے کو مان لیا ہے۔ پھر بھی آپ ابتدا ہی میں مجھ سے پوچھتے ہیں کہ ''بس یہی زور تھا یا کچھ اور باقی ہے'' ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا۔ جس پر میں اپنے معزز مخاطب کو اور تو کیا کہوں مگر اتنا ضرور عرض کروں گا۔

ایک ہی جلوہ میں بے خود ہوئے غش میں آئے

تم نے اے حضرت ناصح ابھی دیکھا کیا ہے

دوسرا تعجب یہ ہے کہ مولوی صاحب باایں دعوائے منطقیت ابھی تک عموم و خصوص اور تناقض میں بھی فرق نہیں سمجھے ہیں۔

بہت شور سُنتے تھے پہلو میں دل کا   جو چیرا تو اک قطرۂ خون نہ نکلا

ذرا سُنیئے گا آپ آیۂ انما ولیکم اللہ میں جب ولی بمعنی دوست لیا جائے تو اس میں اور آیۂ المومنون بعضھم اولیاء بعض میں عموم وخصوص مطلق کی نسبت فرماتے ہیں۔ اے سبحان اللہ اور اپنے خیال میں تناقض کو مٹانا چاہا ہے۔ حالانکہ اس کی خبر نہیں ہے۔

چھڑائے سے نہ چھوٹے گا ارے قاتل نہ بن لڑکا

وفاداروں کے خوں کا داغ کیا دھبا ہی کیچڑ کا

مولانا آپ اتنا جلد بھولئے گا تو بس کام چل چکا۔ ابھی تو آپ لفظ انما کی تحقیق سُن چکے اور رمان بھی چکے کیا آپ کو یاد نہیں رہا انه یوجب اثبات الحکم للمذکور و نفیه عما عداه۔ انما شئی مذکور کے واسطے ثبوت حکم اور ماسوائے نفی حکم کا باعث ہوتا ہے۔ پھر تو تقدیر آیت کی یوں ہوئی لیس ولیکم اللہ ورسوله والمومنون الموصوفون کہیئے اب بھی تناقض دونوں آیتوں میں آپ کے معنی کی بناء پر ہوا یا نہیں؟۔

اچھا اگر اب بھی نہ سمجھے ہوں تو یوں سمجھئے آیہ مبحوث عنہا کی تقدیر یوں ہوئی اللہ و رسوله والمومنون الموصوفون اولیاء کم لا غیرھم من المومنین و غیرھم اور دوسری آیت کی تقدیر یوں ہوئی المومنون کلھم اولیاء کم اب بھی نہ سمجھے ہوں تو اور واضح سنئے۔ مگر پہلے کتب اصول کو ملاحظہ کر لیجئے کہ مومنون جمع مذکر سالم ہے اور محلی باللام ہے اور یہ مفید استغراق ہوا کرتا ہے۔ اب پہلی آیت کا قضیہ یوں بنایئے لیس المومنون کلھم اولیاء کم (بل اللہ و رسوله والمومنون الموصوفون) اور دوسری آیت کا قضیہ یوں ہوا المومنون کلھم اولیا ئکم۔ کہیئے مولانا تناقض ہے یا نہیں اب تو میرا یہ کہنا بجا نہ ہوگا کہ مولانا علوم آلیہ سے کام لینا اس کا نام ہے اور میں اس کی طرف خطاب کر کے کہہ سکتا ہوں۔

ہٹادے آئینہ او بے مروت دیکھنے والے
اسے کیا حق ہے ہم ہیں تیری صورت دیکھنے والے

کچھ آگے چل کر آپ فرماتے ہیں کہ (دونوں آیتوں میں) تناقض جب ہوتا کہ جن صفات کو آیت اولیٰ میں لیا ہے ثانیہ میں اس کا عدم ماخوذ ہوتا حالانکہ ایسا نہیں بلکہ لا بشرط شئی کے درجہ پر ہے"۔

مولانا لفظ انما کو یاد کیجئے انما کو اور اس کے معنی پر پھر غور کیجئے تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ عدم ثانیہ اولیٰ میں ماخوذ ہے یا نہیں۔ آپ نے تو ابتداءً انما کا بمعنی حصر ہونا مان لینا آسان سمجھا تھا مگر یہ نہ سمجھے تھے کہ ایک دن اسی کی بدولت کیا مصیبت نازل ہوگی۔

مفت کی پیتے تھے مے پر یہ نہ سمجھے تھے کہ ہاں
رنگ لائے گی ہماری فاقہ مستی ایک دن

یہ تو آپ کے نقض پر تناقض کی رد ہوئی۔ اب آگے چلئے آپ کی دوسری راہ بھی کانٹوں سے بھری ہوئی ہے سنئے:

مولانا آیت انمآ المومنون الذین اذا ذکر اللہ ۔۔۔۔ الخ جملہ خبریہ ہے دیکھئے تفسیر کبیر، جلد ۴، ص ۳۵۹، قال الفراء التقدیر اخبرکم بذلك حقا ای اخبارا حقا (۱) اور آیہ انما ولیکم اللہ در حقیقت جملہ انشائیہ ہے۔ دیکھئے تفسیر کبیر جلد ۳ ص ۴۳۳۔ ان قوله ولیکم الله لا شك انه خطاب مع الامة۔ (۲)

یہ تو اجمال ہے اب تفصیل سنئے۔ آپ کی پیش کردہ تیسری آیت انما المومنون الخ جو آپ دونوں آیت مبحوثہ کی تفسیر میں لائے ہیں وہ کسی طرح تفسیر نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اس تیسری آیت

۱۔ تفسیر کبیر، ج ۱۵، ص ۱۲۱۔
۲۔ تفسیر کبیر، ج ۱۲، ص ۲۹۔

میں خداوند عالم خبر دیتا ہے کہ مومنین ایسے ہوتے ہیں اور میری پیش کردہ پہلی آیت انما ولیکم اللہ الخ میں خدا حکم دیتا ہے کہ تمہارے حاکم فلاں فلاں ہیں ۔ اور یہ تمام صفات جو آپ کی دوسری اور تیسری آیت میں کامل مومنین کے مذکور ہیں وہ کلًا انمّا ولیکم اللہ الخ کے الذین آمنوا میں منطوی (لپٹی ہوئی) ہیں اس کے بعد خدا فرماتا ہے کہ محض کامل مومن ہونا امارت کے واسطے کافی نہیں ہے ۔ بلکہ یہ امروہی ہے جو کامل الایمان ہونے کے علاوہ اس خاص حالت سے متصف ہو ۔ اب آپ کی سمجھ میں آیا؟ یوں تفسیر القرآن بالقرآن کی جاتی ہے ۔ اب تو میرا تناقض اپنی جگہ پر اور مستحکم ہوگیا! لیجئے اسی تقریر سے آپ کی تیسری راہ بھی بند ہوگئی ۔ خبر لیجئے ۔ اب آپ اپنی چوتھی راہ کی فکر کیجئے ۔ مولانا میں تو آپ کے علامہ صاحب کے جواب میں عرض کرچکا اور منتہی الارب کی عبارت بھی نقل کردی اور صفحہ وسطر بھی لکھ دی اور آپ اسی پرچہ کے ص ۸ کالم ایمں شائع بھی کرچکے اور پھر آپ اس قدر جلد بھول گئے تو اس کا کیا علاج ہے ۔ ذرا اعتراض کرتے وقت آگے پیچھے کی عبارت تو دیکھ لیا کیجئے ۔ اچھا لیجئے سنئے ۔ 'تولی ولی ساختن الخ' پھر معلوم نہیں آپ نے کس برتے پر مجھے یتولھم کو یاد دلایا ہے اور یتولھم کے معنی دوستی کے کس بھروسے پر فرمائے ہیں ۔ آپ نے بیکار اتنی سطریں لکھنے کی زحمت گوارا کیں ۔ اور پھر مزا یہ ہے کہ محض دعویٰ ہی دعویٰ ہے کوئی دلیل نہیں ۔

اب رہا سیاق وسباق ۔ یہ تو آپ کے امام صاحب کی تقریر سے قبول کراچکا ہوں کہ تولی سے مراد دوستی نہیں ہے ۔ سرپرستی ہے ۔ اب اس کے مطابق ترجمہ وہی ہوا جو شروع بحث میں عرض کرچکا ہوں ۔ ایمان سے فرمایئے گا ہمارے ترجمہ سے آیت کا سیاق وسباق رہتا ہے یا آپ کے ترجمہ سے ۔

مولوی صاحب اس کے بعد کچھ دم لے کر استعمال مشترک پر اعتراض کرتے ہیں ذرا سنئے کا منافات کی صورت میں تو آپ بھی منع جانتے ہیں ۔ اے سبحان اللہ شعر فہمی عالم بالا معلوم شد ۔ ذرا

تکلیف کر کے زیادہ نہیں ایک ہی سطر اوپر ملاحظہ کیجئے (اگر وہ مستدل امام صاحب سے پوچھے) کیوں جناب یہ میرا قول ہے کہئے توجیه القول بما لا یرضی به قائله اسی کا نام ہے یا نہیں۔

مولانا منافات کے معنی تو آپ نے قریب قریب صحیح لکھے۔ پھر آگے چل کر بھٹک کیوں گئے اور کہنے لگے کہ حیض وطہر اور سیاہی وسفیدی میں منافات نہ کہنا تحکم ہے۔ مولوی صاحب خالی اعتراض ہی کی فکر میں نہ رہا کیجئے۔ یہ بھی تو سوچ لیا کیجئے کہ تک بھی ہے یا نہیں۔ کیا اس میں نزاع تھی کہ یہ چیزیں باہم منافی ہیں یا نہیں۔ حاشا وکلا ذرا پھر مثال کو دیکھئے القرء من صفات النساء والجون من صفات الحیوان بس عدم منافات سیاہی اور سفیدی کے صفۃ للحیوان ہونے میں ہے نہ نفس سیاہی وسفیدی میں، اسی طرح حیض وطہر میں تو منافات ظاہر ہے مگر فی کونهما صفة النساء ہرگز منافات نہیں۔ اب بھی آپ سمجھے لولا الاعتبارات لبطلت الحکمة آپ تو اہلحدیث کے یکتا معقولی ہیں۔ پھر بھی آپ کی سمجھ میں نہ آیا تعجب ہے

مولوی صاحب نے پھر کچھ دم لیا۔ اور میرا مضمون ۱۲ نومبر کے اہل حدیث میں نقل کر کے اپنے امام صاحب کی تائید میں فرماتے ہیں کہ نزول کے مطابق سورتوں کی ترتیب نہیں ورنہ سورتوں کے اجزاء کی ترتیب تو منصوص ہے اہلسنت کی حدیث میں ہے الخ''

ناظرین انصاف سے ملاحظہ کریں کہ اول تو آپ سند بھی پیش کرتے ہیں تو اہلسنت کی حدیث سے چہ خوش۔ مولوی صاحب اس کو دوسرا کوئی کیوں ماننے لگا۔ اس پر طرہ یہ ہے کہ آپ کسی کتاب کا حوالہ بھی نہیں دیتے گویا اپنے منہ آپ خود سند ہیں۔

مولوی صاحب! غنچہ بھی کہیں کہتا ہے رنگیں ہوں میں۔

ثانیاً: اگر بالفرض میں مان بھی لوں کہ سورتوں کے اجزاء کی ترتیب یوں ہی ہے تو بھی آپ کا یا آپ کے امام صاحب کا مطلب کسی طرح حاصل نہیں ہو سکتا۔ تاوقتیکہ آپ یہ نہ ثابت کریں کہ یہ تمام آیات بیک وقت نازل ہوئی تھیں ورنہ سیاق وسباق سے بحث کرنا محض لغو ہوگا۔ کہئے مولوی

صاحب اب آپ کے امام صاحب کا وہم ہوا یا میرا اور حقیقت میری طرف ہے یا آپ کے امام صاحب کی طرف ۔ ذرا خدا لگتی کہیے گا۔

اس کے بعد آپ میری طرف واقعات تصنیف کرنے کا اتہام لگاتے ہیں سبحانک ان ھو الا افتراء مبین۔

مولانا یہ میں نے کہاں لکھا ہے کہ اسلام سے پہلے یہودیوں کی حکومت تھی۔ میں نے یہ بیشک لکھا ہے اور وہ بھی اپنے جی سے نہیں بلکہ آپ کے امام واجب الاتباع کا قول نقل کر دیا ہے کہ چونکہ یہود و نصاریٰ صاحبان دولت تھے اور ان منافقین کے بڑے بڑے ضروری اور مشکل کاموں میں کام آتے تھے۔ اس وجہ سے انھیں خوف تھا کہ ایسا نہ ہو محمدؐ کی حکومت بھی قائم نہ ہو اور یہ بھی ہماری سرپرستی نہ کرسکیں (اور یہود و نصاریٰ کی سرپرستی بھی ہمارے ہاتھ سے جاتی رہے) بس اس کو آپ سلطنت سمجھے۔ نازم بایں اعلیٰ فہمی۔ کہیے اب بھی سمجھ میں آیا یا نہیں۔ اور اب تو مجھ پر جھوٹا الزام نہ لگائیے گا۔

چو بشنوی سخن اہل دل مگو کہ خطاست
سخن شناس نہ دلبراء خطا این ست

آگے چل کر آپ مجھ پر خفا ہو کر فرماتے ہیں کہ "میں کہاں تک آپ کی قرآن دانی کی نہیں انصاف کی داد دوں" ناظرین کچھ سمجھے یہ غصہ کاہے کا ہے۔ میں نے جو سورۂ ممتحنہ کی یہ آیت "لا ینھٰکم اللہ عن الذین لم یقاتلوا فی الدین و لم یخرجو کم من دیار کم ان تبرو ھم و تقسطوا الیھم" اس بات کے ثبوت میں پیش کی تھی کہ جو کفار ہم سے دینی امور میں نہیں لڑتے اور نہ ہمیں شہر بدر کیا ہے ان کے ساتھ دوستی کی ممانعت نہیں ہے بلکہ ایک گونہ دوستی وارتباط و احسان کا حکم ہے۔ اسی پر مولوی صاحب اپنے آپے سے باہر ہوئے جاتے ہیں۔ چنانچہ اس کے بعد فرماتے ہیں۔ آیت میں یعنی نیکی اور سلوک کرنے کی ترغیب

ہے۔ نیکی اور چیز ہے اور دوستی ومودت اور چیز۔

مولوی صاحب افسوس اب آپ سے کچھ نہیں بن پڑتا تو نزاع لفظی کا انداز ڈالنے لگے۔ تعصب نے میرے الفاظ و معنی کی طرف متوجہ نہ ہونے دیا۔ مولوی صاحب آپ پھر دیکھئے اور غور کیجئے میں نے یہ نہیں لکھا ہے کہ ''بر'' کے معنی دوستی کے ہیں اور اگر دوبارہ غور کرنا آپ کی شان کے خلاف ہے تو لیجئے اسی آیت کے بعد کی آیت پڑھئے "انما ینھٰکم اللہ عن الذین قاتلوکم فی الدین واخرجوکم من دیارکم وظاھروا علی اخراجکم ان تولوھم" (ایماندارو) خدا تم کو صرف ان (کفار) سے دوستی کرنے کی ممانعت کرتا ہے جنھوں نے تم سے دین کے بارے میں لڑائی کی اور تم کو شہر بدر کیا اور تمہارے نکالنے میں مدد دی۔

یہ تو آپ مان ہی چکے ہیں کہ انما حصر کے واسطے ہے اور ماسوا سے نفی حکم کا باعث ہوتا ہے کہیں نہ اب کہئے گا کہ عام کفار سے دوستی کی ممانعت ہے ہاں اور یہاں آپ کا بر والا حیلہ بھی نہیں چل سکتا۔ کیونکہ یہاں تولوھم موجود ہے۔

آگے چل کر آپ ۱۲ ذیقعدہ کے پرچہ میں مجھ پر اعتراض کرتے ہوئے ایک نرالی اور ایجاد بندہ تحقیق ارشاد فرماتے ہیں کہ ''جملہ معترضہ دونوں طرف کے جملوں سے صورت واعراب میں بے تعلق ہوتا ہے لیکن معنی میں بے تعلق نہیں ہوتا بلکہ ان میں سے ایک کے ساتھ معنوی تعلق ضرور ہوتا ہے'' ۔ مولوی صاحب اس کو کسی نے لکھا بھی ہے 'یا کس بشنود یا نشنود من گفتگوے می کنم' یوں ہی اپنے جی سے لکھ رہے ہیں۔ اور لنکتۃ سے یہ مطلب نکالنا آپ کی خوش فہمی کی دلیل ہے۔ مولانا آپ نے مجھ پر تو الزام لگایا کہ پوری عبارت نقل نہیں کی مگر آپ نے پوری عبارت مطول کی خوب پڑھی مولانا لنکتۃ کا لفظ تو خود بتا رہا ہے کہ جملہ معترضہ کو ما قبل و مابعد سے کوئی تعلق نہیں ہوا کرتا۔ مگر چونکہ کلام بلغا میں واقع ہوا ہے اسی وجہ سے بالکل لا طائل ولغو بھی نہیں ہوسکتا ہے بلکہ کوئی نہ کوئی فائدہ یا لطف اس کے لانے کا ضرور ہوتا ہے۔ اسی کو صاحب تلخیص نے

لکھا ہے کالتنزیہ والدعاء والنسبۃ الخ

آگے چل کر جہاں میں نے ولی کے بمعنی متصرف وکارساز ہونے پر آیتیں پیش کی ہیں آپ نے یحمل علی الاعم الاغلب کے معنی بیان کر کے فرمایا ہے "یہاں تو معاملہ بالعکس ہے ولی بمعنی دوست اس کثرت سے آیا ہے کہ قرینہ کی حاجت نہیں۔ بلکہ متبادر یہی ہے۔ اس لئے یہی معنی صحیح ہوں گے"۔

مولوی صاحب! انھیں آیات سے معلوم ہوگیا کہ ولی کس معنی میں کثرت سے آتا ہے۔ میں نے اکیس آیتیں پیش کی تھیں ان میں سے آپ نے کھینچ تان کر سات جگہ نشان دے کر ولی بمعنی دوست ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ اگر بفرض محال میں مان بھی لوں کہ آپ کا دعویٰ صحیح ہے (و لیس کذلک) تو بھی کثرت کس کے ساتھ رہتی ہے۔ شاید آپ کے خیال میں سات چودہ سے زیادہ ہے۔ واقعی آپ حساب بھی خوب ہی جانتے ہیں۔

ہاں مولانا۔ آپ سے ایک بات پوچھتا ہوں سچ سچ دیانت سے کہئے گا آپ واقعی حضرت علی علیہ السلام کو خلیفہ رابع بھی سمجھتے ہیں یا فقط یوں ہی لوگ آپ کی طرف نسبت دیتے ہیں۔

اگر آپ خلیفہ بلافصل نہیں چوتھا ہی سہی مانتے ہیں تو پھر آپ کے دل میں ان کی طرف سے کیا برائی ہے کہ باوجودیکہ آپ ان سے بدرجہا کم رتبہ اشخاص مثل امام رازی، علامہ ابن تیمیہ کا نام بھی بغیر تعظیمی الفاظ مثلاً "حضرت"، "علیہ الرحمۃ"، "والا مقام"، وغیرہ وغیرہ کے نہیں لکھتے۔ مگر حضرت علی علیہ السلام کے نام کے ساتھ یہ سب کچھ نہیں۔ کیا وہ ان سے بھی گئے گزرے ہوئے اور اگر اس سے صرف میرا دل دکھانا مقصود ہے تو آپ نے پھر مجھ سے اپنے ائمہ سلف کے بارے میں منت سے گزارش کیوں کی ہے۔

آپ ان کو قابل تعظیم نہ سمجھتے ہوں نہ سمجھیں مگر میں تو اپنا سرتاج اور اللہ و رسولؐ کے بعد اپنا سرپرست وکارساز سمجھتا ہوں۔ آخر تہذیب بھی کوئی چیز ہے۔ آپ نے تو گویا قسم کھالی ہے کہ ان

کے نام کے ساتھ تعظیمی لفظ بھولے سے نہیں لاتے اور سوا ''علی'' اور کچھ نہیں لکھتے۔

لطف حق باتو مدارا ها کند　　چوں زحد گزر دترا رسوا کند

یہ تو آپ کے اعتراضات کا جواب تھا اب آپ اصل مضمون پر آئیے بسم اللہ:

اڈیٹر اهل حدیث کے نام کھلی چٹھی

تو کار زمیں را نکو ساختی　　که بر آسمان نیز پرداختی

ناظرین کو تو یہ بخوبی معلوم ہے کہ مولوی ثناء اللہ صاحب اڈیٹر اہلحدیث سال گزشتہ میرے پاس مناظرہ کے واسطے اپنے کچھ حواریین کے ساتھ تشریف لائے تھے اور مجھ سے ان سے جو باتیں ہوئی تھیں وہ بھی اچھی جانتے ہیں اس کے بعد مولوی صاحب نے کھسیانے ہو کر ۲۳ ربیع الثانی ۱۳۳۲ھ کے پرچہ اہلحدیث میں میرے نام سے کھلی چٹھی لکھی تھی اور تحریری مناظرہ کے شوق وشغف کا اظہار کیا تھا۔ چنانچہ آپ نے لکھا تھا (بسم اللہ اہلحدیث کے صفحات حاضر ہیں اپنا مضمون اس میں بھیجئے بلا کم وکاست مع جواب شائع ہوگا اور آپ کی خدمت میں برابر پہنچے گا۔ مولانا واللہ میں بھرے دل سے التجا کرتا ہوں کہ آپ اپنے عالمانہ جوہر سے کام لے کر اس مسئلہ کو قرآنی استدلالات سے مزین فرمائیں میں آپ کی تحریروں کو مذاکرہ علمیہ کے عنوان سے لکھا کروں گا)۔

یہ ہے وعدہ اہلحدیث جس پر میں نے آیہ انّما ولیکم اللہ سے اثبات خلافت بلا فصل حضرت علی علیہ السلام شروع کیا اور برابر اپنا مضمون بھیجتا رہا جس میں میں نے دو مقدمے لکھے تھے ایک میں انما کا بمعنی حصر ہونا۔ اس تحریر کو تو اسی طرح شائع کیا جس میں اس کو بھی تسلیم کیا کہ انما بمعنی حصر ہے۔ دوسرے مقدمے میں میں نے ولی کا بمعنی اولی بالتصرف ہونا ثابت کیا تھا جس کو انھوں نے اس طرح ذبح کیا کہ ہر ہر جوڑ بند اس تحریر کا الگ کر ڈالا مگر ان سب چالوں کے ساتھ میرے دعوے اور دلیل کو تسلیم بھی کیا۔ چنانچہ اہلحدیث مورخہ ۱۰ شعبان ۳۲ھ ص ۷ کالم ا سطر ۱۴ میں تحریر فرماتے ہیں ''آپ کی تمہید ختم ہے مطلب پر آیئے۔ ہم مانتے ہیں کہ انما

حصر کے لئے ہے آگے چلئے''۔ پھر آپ ۲۲ رمضان ۷ ۲ھ ص ۱۰، کالم ۲، سطر ۱۲ میں لکھتے ہیں ''میں مان لیتا ہوں کہ ولی کے معنی حکمران اور متصرف کے ہیں'' پھر آپ اہلحدیث مورخہ ۳ ذی الحجہ ص ۳ سطر ۱۳ میں دوبارہ فرماتے ہیں ''لیجئے میں مان لیتا ہوں کہ ولایت مندرجہ آیت ہذا کے معنی حکومت کے ہیں۔ پس آپ آگے چلئے''۔ اس کے بعد میں نے پھر اپنا مضمون بھیجا جو اصلاح ص ۱۲ بابت ذی الحجہ ۷ ۲ھ میں شائع بھی ہوا مگر اڈیٹر اہلحدیث نے نہ معلوم کیوں میرا مضمون شائع کرنا چھوڑ دیا۔

اڈیٹر صاحب نے ایک یہ چالاکی ضرور کی کہ امام فخر الدین رازی اور اصلاح کی سرخی سے ایک مضمون مولوی معشوق علی صاحب پھلواروی کی طرف سے شائع کرنا شروع کیا جس سے شاید یہ مقصود ہو کہ میں مولوی صاحب کی طرف سے عنان توجہ چھوڑ کر ان کی طرف موڑوں اور اسی میں الجھا رہوں اور مولوی صاحب کو اپنی لن ترانی کا موقع ملے۔ حالانکہ اس کی خبر نہیں۔

بر داین دام بر مرغ و گر نہ　　　کہ عنقار ابعید است آشیانہ

اگرچہ میں جانتا ہوں کہ مولوی معشوق صاحب پھلواروی کی بذات خاص یہ ناز و انداز نہیں بلکہ یہ سلیمانی نعمت ان کو کہیں اور سے ملی ہے۔

کب سلیقہ ہے فلک کو یہ ستمگاری میں　　　کوئی معشوق ہے اس پردہ زنگاری میں

مگر باوجود اس کے مجھے ہنسی اس پر آئی کہ شروع بحث میں آپ لکھتے ہیں:

''مقصود سے پہلے یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ جناب مولوی فرمان علی صاحب کی تمام تحریر و تقریر کا ماخذ جناب مولوی حامد حسین صاحب کی عبقات ہے اور اس بحث میں اب تک جو مضامین انھوں نے شائع فرمائے ہیں وہ گویا اس کتاب عبقات الانوار کا ترجمہ اور ماحصل ہے۔ اس لئے میرا اصلی تخاطب اس تحریر میں صاحب عبقات ہی کے ساتھ ہوگا اور

میری تحریر کے جواب حقیقت میں جناب مولوی ناصر حسین صاحب ہوں گے نہ فقط مولوی فرمان علی صاحب یا اڈیٹر صاحب اصلاح۔ انتھی''

واللہ کیا بات کہی۔

جو بات کی خدا کی قسم لا جواب کی
پا پوش میں لگائی کرن آفتاب کی

مولوی معشوق صاحب کو یہ خبر ہی نہیں کہ یہ آپ کے ناز معشوقانہ کوئی اور اٹھائے گا آپ بیچارے تو کس شمار و قطار میں ہیں آپ کے بڑے بڑے تو اس حسرت میں پیوند خاک ہو گئے اور عبقات کے ایک حرف کا بھی جواب نہ دے سکے اور قیامت تک اس حسرت میں عدم آباد کو ہزاروں چلتے ہوں گے۔ ولا یاتون بمثلہ ولو کان بعضھم لبعض ظھیرا۔ حالانکہ اگر میں عبقات سے مضمون لیتا بھی تو میرے واسطے کوئی عیب کی بات نہ تھی بلکہ میرا فخر تھا مگر اس سفید جھوٹ کی داد دیئے بغیر تو نہیں رہ سکتا کیونکہ آپ کے واسطے تو یہ شعر نہایت ہی موزوں ہے۔

چہ خوش گفتہ است سعدی در زلیخا
الا یا ایھا الساقی ادر کاساً و ناولھا

اصل یہ ہے کہ جب جواب نہ بن پڑا تو چڑچڑا کر کھٹے انگور کون کھائے۔ کہنے لگے۔ میں لکھتا ہوں کہ مولوی معشوق صاحب آپ دس روپیہ ماہوار کے پھلواری مڈل اسکول میں اردو کے مدرس ہیں۔ اگر آپ اس آیت کی بحث کو عبقات کی کسی جلد میں نہیں بلکہ کسی کتاب میں دکھلا دیجئے یا پتا ہی بتا دیجئے تو آپ کو کم از کم آپ کے ایک سال کی تنخواہ ایک سو بیس روپے انعام دیتا ہوں۔ بس آپ اس بات پر ڈبل انعام لیجئے اور سال بھر تک گھر میں بیٹھ کے چین کیجئے اور چھوٹے چھوٹے لڑکوں کے دماغ چاٹنے سے بچئے ورنہ جھوٹوں کی شان میں جو آیت ہے وہ تو شاید آپ کو بھی یاد ہوگی۔ یہ تو جملہ معترضہ تھا۔

اب اصل مطلب سنئے۔ مولوی صاحب نے میرا مضمون شائع کرنا چھوڑا اور چھوڑا۔ میں نے انتظار کر کے صفر کے مہینے میں ایک خط لکھا کہ آپ نے میرا مضمون اب تک کیوں شائع نہیں کیا اگر آپ کے پاس شاید مضمون نہ پہونچا ہو تو پھر دوبارہ بھیج دوں یا اصلاح سے نقل کر لیجئے۔ تو آپ نے تحریر فرمایا کہ "میرے پاس مضمون پہونچا ہی نہیں اگر کہو تو اصلاح سے نقل کر لوں" میں نے دوبارہ لکھا کہ آپ اصلاح سے نقل کر لیجئے۔ مگر باوجود اس کے مولوی صاحب نے آج تک شائع نہ کیا۔ میں نے اس میں غور کیا کہ مولوی صاحب نے یہ کیا کیا خلاف وعدہ کیا حرکت کی جس سے وعید علامات النفاق ثلث اذا وعد تخلف میں داخل ہوئے۔ آخر میرے کانوں تک ان کے ہم مذہب اہل پٹنہ کی یہ آواز پہونچی کہ مولوی ثناء اللہ صاحب نے سخت غلطی کی کہ ان دونوں مطلبوں کو مان لیا اب اس آیت میں رہ ہی کیا گیا خلافت بلافصل حضرت علیؑ تو ان دونوں باتوں کے ماننے سے ثابت ہوگئی۔ کیا عجب ہے کہ ان حضرات نے یا اور لوگوں نے مولوی صاحب کی تحریر اسر زنش کی ہو اسی بناء پر مولوی صاحب نے اس سے گریز کیا ورنہ یا۔ بایں زور اشوری یا باین بے نمکی۔ کہاں تو ہر شیعہ عالم سے مناظرہ کی التجا تھی اور کہاں یہ سکوت۔ ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا۔ مگر اب ناظرین کو اس پر ہنسی آئے گی کہ ایک طرف تو مولوی صاحب نے میرے مقابلہ میں بیک بینی و دوگوش گریز کیا اور ایک طرف ۲۸ صفر کے پرچہ اہلحدیث میں اصلاح کی سرخی سے اڈیٹر اصلاح پر منھ آتے ہوئے جناب مولانا السید ناصر حسین صاحب قبلہ اور جناب مولانا السید نجم الحسن صاحب قبلہ اور جناب مولانا السید علی جواد صاحب قبلہ اور جناب مولوی سید علی صاحب حائری کو دعوت مناظرہ دی ہے "یا للعجب ناز م بایں ریش و فش۔

مولوی صاحب آپ کو یہ لکھتے ہوئے شرم بھی نہیں آتی اور آتی تو کیوں کر الحیاء من الایمان۔ مولوی صاحب آپ کو کم از کم اتنا تو خیال کرنا تھا کہ ایک سے منھ لگا کر پیچھا نہیں چھوٹتا دوسروں کو کس برتے پر دعوت دے رہے ہیں۔

مولوی صاحب اگر آپ کو اپنے مولوی فاضل ہونے پر ناز تھا تو پہلے استدلال کا حسب وعدہ جواب دے لیتے تو دوسری طرف توجہ کرتے حالانکہ مولوی صاحب خود اس کا اقرار کر چکے ہیں کہ میں نے جو کچھ لکھا تھا محض قرآن ہی سے لکھا تھا۔ چنانچہ اہلحدیث مورخہ ۱۲ ذیقعدہ، ص ۳، کالم ا، سطر ۲۲ میں تحریر فرماتے ہیں:

> ''اتنے حصہ میں تو ہم مولوی صاحب موصوف کے مشکور ہیں کہ وہ لکھتے تو قرآن ہی سے ہیں اور اپنے بھائی اڈیٹر اصلاح کی طرح قرآن کا نام رکھ کر ادھر اُدھر کی کہنے نہیں لگ جاتے ہیں''۔

مولوی صاحب جب آپ تو ہر صحبت میں لوگوں سے جھوٹ نہ بولنے کی بیعت لیتے پھرتے ہیں اور آپ نے ماشاء اللہ سے اپنی کنیت بھی ابوالوفا رکھ لی ہے۔ اس پر بھی آپ کو شرم نہیں آتی کہ آپ پھر علمائے شیعہ کو قرآن مجید سے اثبات خلافت کی دعوت دیتے ہیں اور مصداق۔ چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد۔ ایسی جسارت کر بیٹھے اور معلوم نہیں کس عالم میں یہ لکھ مارا ''شیعوں کو یہ کام نہ کرنا تھا نہ کیا''۔

دروغ گورا حافظہ نہ باشد۔ شائد آپ ہی کے واسطے موضوع ہوا ہے مولوی صاحب اب بھی تو شرمایئے اور اگر مرد میدان ہیں تو ان بڑے بڑے علماء کو چھوڑیئے میں ان حضرات کا خوشہ چین ہوں مجھی سے دو دو باتیں کر لیجیے اور میرے مضمون کو شائع کیجیے پھر آگے بڑھنے کا منصوبہ کیجیے گا اور اگر آپ واقعی بھاگ گئے اور آپ سے اب کچھ بن نہیں پڑتا تو ان لن ترانیوں کو چھوڑیئے۔ میں تو میں آپ کے مرید آخر آپ کو کیا کہتے ہوں گے ؎

سُن لو یہی جہاں میں ہی تیرا فسانہ کیا   کہتی ہے تجھ کو خلق خدا غائبانہ کیا

آپ شاید سمجھتے ہوں گے کہ ساری دنیا آپ کے اخبار کے سوا کوئی دوسرا اخبار دیکھتے ہی نہیں۔ شرم شرم شرم۔ بس آپ یا تو گریز کا اقرار کیجیے اور

آیندہ کسی شیعہ عالم سے مناظرہ کی ہوس نہ کیجیے۔ یا میرے مضمون کو حسب وعدہ شائع کیجیے۔ مگر ایک جا بگوے بکرے کی سہی نہی۔ اور جب تک مجھ سے نپٹ نہ لیجیے ان یاوہ سرائیوں کو چھوڑ دیجیے۔

دو رنگی چھوڑ دے اک رنگ ہو جا　　سراسر موم ہو یا سنگ ہو جا

جواب کا منتظر فرمان علی، ممتاز الافاضل

مدرس اول مدرسہ سلیمانیہ پٹنہ

نوٹ از مدیر اصلاح علامہ علی حیدر نقوی رحمۃ اللہ علیہ:

چو می بینم کسی از کوی تو دلشاد می آید

فریب کز تو اول خوردہ بودم یاد می آید

اڈیٹر اہلحدیث نے اپنے صدیق اکبر کی قسم کھالی ہے کہ کبھی سچ نہ بولیں گے اور روح فاروق اعظم سے معاہدہ کر چکے ہیں کہ کبھی ثابت قدم نہ رہیں گے بلکہ ہمیشہ جنگ احد کا نقشہ دکھائیں گے بزکوہی کی طرح اچکتے پھریں گے عثمان باحیا سے بھی عالم برزخ میں معاہدہ ہوگا کہ حیا کا نام نہ لیں گے۔ کیونکہ حدیث الحیاء من الایمان میں حیاء جزو ایمان قرار دیا گیا ہے۔

لہذا جناب مولوی فرمان علی صاحب کو ان سے کسی طرح امید وفا خلاف تجربہ ہے۔ من جرب المجرب حلت به الندامه

جس اصول پر ان کے خلفائے ثلاثہ نے اسلام ظاہری کا اقرار کیا تھا اس سے ایک انچ کیسا سرمو بھی ہٹ نہیں سکتے۔ وہی کذب۔ وہی زور۔ وہی مکر وہی غرور ان کا شیوہ ہے پھر فذرهم فی غمرتهم یعمهون کے سوا چارہ نہیں الا انهم هم المفسدون و لکن لا یشعرون (منقول از اصلاح ربیع الثانی ۱۳۲۸ھ)

آیۂ انّما ولیکم اللّٰہ

پھر پرسش جراحت دل کو چلا ہے عشق   سامان صد ہزار نمک داں کئے ہوئے

ناظرین کو یاد ہوگا کہ مجھ سے اور اڈیٹر اہلحدیث سے جو تحریری مناظرہ سال گزشتہ سے ہو رہا ہے اس میں میں نے اب تک دو مقدمے مع مالہ و ماعلیہ لکھے اور اس بات کو ثابت کیا ہے کہ آیۂ انما ولیکم اللہ میں انما حصر کے واسطے ہے اور ولی کے معنی حاکم و متصرف کے ہیں اور بحمد اللہ ہمارے معزز مخاطب نے بھی کچھ تھوڑے سے چون و چرا کے بعد آخر مان لیا۔

یہ بھی یاد ہوگا کہ میں نے جو مضمون اپنا گزشتہ ذیقعدہ میں بھیجا تھا اس کا کچھ مولوی ثناء اللہ صاحب اڈیٹر اہلحدیث نے ۳ ذی الحجہ کے پرچہ میں شائع کرکے خاموشی اختیار کی تھی۔ جب چار پانچ مہینے گزر گئے اور مولوی صاحب نے میرا مضمون شائع نہ کیا تو میں نے ماہ ربیع الثانی میں ایک کھلی چٹھی مولوی صاحب کے نام سے لکھی اور جوابی رجسٹری کرکے ان کے پاس بھیجی جو اصلاح واثنا عشری میں تو شائع ہوئی مگر مولوی صاحب نے باوجود اس وعدہ کے کہ جو مضمون تمہارا آئے گا بلاکم وکاست شائع کیا جائے گا میری کھلی چٹھی نہ شائع کی۔ حالانکہ اہلحدیث بند نہیں ہوا برابر نکلتا رہا۔ کیوں نہ ہو نام بھی تو ابو الوفا ہے برعکس۔ نہند نام زنگی کافور۔ ایسے ہی موقعوں کے واسطے زیبا ہے۔ بلکہ اس کے جواب میں آپ نے مجھے ایک کارڈ مورخہ ۲۱ اپریل میں لکھا کہ جو کچھ آپ نے خفگی فرمائی ہے بجا ہے مگر آپ کو میرے حال کا علم ہوتا تو ایسا نہ کرتے۔ الخ

اس کے بعد مولوی صاحب نے خدا خدا کرکے میرے بقیہ مضمون کو ۱۸ ربیع الثانی اور ۱۰۔ ۷ اجمادی الاول کے پرچوں میں ختم کیا۔ اسی اثنا میں میں سخت علیل ہوا اور رخصت لے کر

وطن چلا گیا۔ مولوی صاحب نے ایک مہینہ بھی بمشکل سے ضبط کیا اور اپنے ہم مذہبوں (۱) میں تعلی کی غرض سے جمادی الثانی میں میرے نام ایک کھلی چٹھی شائع کردی کہ یا مضمون بھیجو یا اجازت دو۔ ذرا اس دیانت کو ملاحظہ کیجئے کا میں نے تو چار مہینے انتظار کرکے کھلی چٹھی لکھی اس کو شائع نہ کیا اور یہاں ایک مہینہ گزرا تو کھل بلی پیدا ہوگئی۔ مگر شاید آپ کو یہ آیت یاد نہ رہی تلك الدار الاخرة نجعلها للذين لا يريدون علوا في الارض الاية اس پرطرہ یہ ہے کہ ایک دفعہ ہی نہیں دوبار شائع کی اور طرفہ تر یہ کہ میرے پاس پہلا نمبر نہیں بھیجا۔ دوسرا نمبر بھیجا۔ اس میں بھی ایک بات تھی جس کو سمجھنے والے سمجھتے ہیں۔

ادا کی آنکھ یہ ہے قہر کی نگاہ یہ ہے ادا شناس تیری ہر ادا سمجھتے ہیں

حالانکہ میرا مضمون بہت قبل سے تیار تھا مگر اتنی بات باقی تھی کہ نظر ثانی کرکے صاف ہو جائے تو روانہ کردیا جائے۔

کہ پھر سوء تنفس کا شدید دورہ ہوا اور اس زمانے سے اب تک اس قدر پریشان رہا کہ رمضان کے روزے بھی دس سے زیادہ نہ رکھ سکا۔

یکا یک ۸ اکتوبر کو وطن میں مجھے ایک پرچہ اہلحدیث کا ملا جس میں نرائن پور کے مدرس مولوی ریاست علی صاحب نے خلافت بلا فصل معلق رہ گئی کی سرخی سے کچھ چہ می گوییاں کی ہیں اور مجھے مخاطب بنا کر کچھ میری فہمائش بھی کی۔ اب بھی اگرچہ میں پورا صحیح نہیں مگر کیا کروں۔ اب تو پانی سر سے گزرتا ہے۔ تاب ضبط باقی نہیں۔ پھر کسی طرح جبر قہر کرکے آمادہ ہوتا ہوں۔ میں اس نامہ نگار کا جواب تفصیلی اور ترکی بہ ترکی تو دے نہیں سکتا کیونکہ وہ مضمون ماشاء اللہ اس قدر تہذیب اور سچائی میں ڈوبا ہوا ہے کہ خود اڈیٹر صاحب نے سرخی کے نیچے ابتدا ہی میں لکھ دیا ہے۔ نامہ نگار خود ذمہ دار ہے۔ میں اور تو کیا کہوں اتنا کہے بغیر نہیں رہا جاتا کہ۔

۱۔ اصلی وجہ اس کی یہ ہے کہ اخبار مسافر آگرہ نے بھی اس کھلی چٹھی کو شائع کردیا تھا جس سے بوکھلا گئے۔ اڈیٹر (اصلاح)۔

خدا کی شان تو دیکھو کہ کلچڑی گنجی   حضورِ بلبل بستان کرے نوا سنجی

خدا کی قدرت ہے فراریوں کے پیرو اور غلامانِ حیدر کرار کو فرار کی نسبت دیں۔ سودا نہیں تو اور کیا ہے۔

اور ایک لطیفہ سُنئے آپ لکھتے ہیں: ''ہائے افسوس ہمارے غضنفر قلب مولانا ثناء اللہ صاحب کا شعلہ مقصد نہ بجھا''۔ قابلیت اور نامہ نگاری تو بس اسی ایک جملہ کی خوبصورتی اور موضوعیت سے سمجھ لیجئے۔ قیاس کن زگلستان من بہار مرا۔ اے سبحان اللہ شعلہ مقصد نہ بجھا کیا کہوں کیا مزا دیتا ہے اور کیا کیا معنی پیدا کرتا ہے۔ معلوم نہیں یہ بیچارے مدرسی کیا کرتے ہوں گے۔ اور کیا بچوں کو سمجھاتے ہوں گے۔

گر ہمیں مکتب است و این ملا   کار طفلاں تمام خواھد شد

ذرا ایک جملہ آپ کی تحریر کا پھڑکتا ہوا اور سُنئے کا ہنستے ہنستے پیٹ میں بل نہ پڑ جائے تو میرا ذمہ۔ سُنئے۔ ''اب میں اپنے خامہ کے دہن میں عنان اکتفا دے (۱) کے اپنی ناقص التحریر اختتام پر لاتے ہوئے مخلصانہ گزارش کرتا ہوں'' ہاہاہا واللہ کا یستھوں کی فارسی کو بھی مات کر دیا۔ پھر آگے چل کر آپ فرماتے ہیں ''مولانا ثناء اللہ جیسا عالم نہیں ملنے کا''۔ ہاں بھائی ہاں اس پر میں بھی ڈبل صاد کرتا ہوں۔ اندھوں کا کانا راجا پھر آپ لکھتے ہیں ''آپ نمٹ لیجیے۔ اگر آپ غالب آگئے تو مجھے قوی امید ہے کہ وہ شیر پنجاب فوراً اپنے عقیدے سے واپس ہو کر کھلم شیعہ ہو جائے گا''۔

حضرت آپ شیر پنجاب نہیں شیر دہ آب فرمایئے مگر یہ یاد رہے کہ شیر قالین دگر و شیر نیستاں

۱۔ مولانا اس جملہ پر آپ کیوں ہنستے ہیں یہ اشارہ ہے امام بخاری کی صنعت اکتفا کی طرف جس کے بارے میں اڈیٹر الحدیث سے سوال کیا گیا تھا جب وہ اس کی تشریح نہ کر سکے تو اصلاح میں اس کی تشریح کی گئی اور بتا دیا کہ صحابہ کو جو قرآن کی آیتیں بھول جاتی تھیں ان کا نام منسوخ التلاوۃ رکھا گیا ہے اور بخاری جو الفاظ حدیث کو قصداً نکال ڈالتے ہیں اس کا نام صنعت اکتفا ہے۔ خدا نے اگر سلسلہ تنقیدی بخاری کو قائم رکھا تو وہ وہ اسرار ظاہر ہوں گے کہ وہابیوں میں قیامت پڑ جائے۔ ۱۲اڈیٹر۔

دگرے۔ آپ کو امید ہو تو ہو اور خدا کرے ایسا ہی ہو۔ این دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد۔ مگر میں جانتا ہوں۔ لن یصلح السماء ما افسد الدھر

بہ آب کوثر و تسنیم صاف نتوان کرد گلیم بخت کسی را کہ بافتند سیاہ

پھر آپ آگے چل کر فرماتے ہیں "دیکھیں ہمارے فاضل مدرس کون سی تاریخ مباحثہ مقرر فرماتے ہیں افسوس ابھی تک نامہ نگار صاحب کو اس کی بھی نام خدا سے خبر نہیں کہ اس مناظرہ کی ابتدا کیوں کر ہوئی۔ اچھا سنئے:

حضرت پہلے آپ کے شیر پنجاب ماہ ربیع الاول ۲۷ھ میں زبانی ہی مناظرہ کرنے کو میرے پاس تشریف لائے تھے مگر جب مقابلہ ہوا تو شغالوں کی طرح بھاگتے نظر آئے اور ہر چند میں روکتا رہا مگر ایک نہ سنی۔ دیکھئے اصلاح ماہ ربیع الثانی ۲۷ھ۔ اس کے بعد اسی کی خجالت مٹانے کو آپ کے شیر نے تحریری مناظرہ شروع کیا مگر اس میں بھی خدا کے فضل سے میدان میرے ہی ہاتھ ہے۔ میں نے جو کچھ اب تک لکھا ہے آپ کے شیر پنجاب کو اس کے سامنے گردن جھکانی پڑی۔ کہئے اب آپ کی سمجھ میں آیا۔

نہ خنجر اُٹھے گا نہ تلوار قاتل یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

اب آیندہ سے مہربانی کر کے ایسی بے تکی نامہ نگاری نہ کیجئے گا۔

اب ناظرین پہلے اُن اعتراضات کا جواب سنیں جو مولوی ثناء اللہ صاحب نے میری تقریر پر کئے ہیں اس کے بعد اصل مضمون ملاحظہ فرمائیں۔

آپ ۳ ذی الحجہ کے پرچہ میں میرا مضمون نقل کرنے کے بعد جواباً تحریر فرماتے ہیں کہ:

"امام صاحب اور مطول کی عبارت دونوں کا ایک مطلب ہے اور امام صاحب نے ہرگز جملہ اسمیہ کے دوام و استمرار کا ذکر نہیں کیا ہے بلکہ جملہ اسمیہ کے صدق کے لئے وقت تکلم موضوع کا صفت محمولی سے متصف ہونا

ضروری فرمایا ہے اس سے آیت کے صدق کے لئے ضروری ہے کہ
نزول آیہ کے وقت کلام کا صدق ہو ورنہ کذب لازم آئے گا"۔

مولوی صاحب ایمان سے ذرا خدا لگتی کہئے گا کہ یہ آپ کا یا آپ کے امام صاحب کا محض دعوئ ہی دعوئ ہے، یا اس کی کوئی دلیل بھی ہے۔ تمام نحویین کل منطقیین تو بانگ پکار کر یہ کہہ رہے ہیں کہ جملہ اسمیہ محض ثبوت پر دلالت کرتا ہے اس میں زمانہ کی کوئی قید نہیں نہ کسی زمانہ پر دلالت کرتا ہے۔ پھر آپ کا یا آپ کے امام صاحب کا زمانہ حال سے مقید کرنا تحکم نہیں تو اور کیا ہے۔ کاش اس کے ثبوت میں کسی معمولی سے معمولی نحوی یا منطقی کا قول پیش کر دیتے تو خیر اس کے علاوہ آپ تو غالباً کلام اللہ کو کلام قدیم مانتے ہوں گے پھر تو آپ کے خیال کے مطابق لازم آتا ہے کہ نزول آیت سے غیر متناہی زمانہ قبل صدق ضروری ہو۔

پس اعتراضات ختم ہو گئے۔ اس کے بعد آپ نے تین پرچوں میں میرا مضمون نقل کیا ہے اور بہت ٹھنڈے دل سے مان لیا ہے۔ کہیں کوئی چون و چرا نہیں کیا ہے۔ بس صرف آپ کو غصہ ہے تو اس پر کہ امام رازی یا علامہ ابن تیمیہ پر اعتراض کیوں کرتے ہو۔

مگر مولوی صاحب کو یاد رکھنا چاہئے کہ میں نے یہ قصد کر لیا ہے کہ اس بحث کو کسی قدر بسط سے لکھوں اور جتنے اعتراض اہلسنت کے اس بحث میں ہیں سب کی رد کرتا جاؤں۔ فقط غصہ کرنے اور دور سے آنکھیں دکھلانے سے کام نہیں چلتا۔ آپ تو ماشاء اللہ اہلسنت کے یکتا معقولی ہیں جو اعتراضات میں آپ کے امام و علامہ پر کرتا ہوں ان کا جواب دیجئے غصہ کرنے کی صحیح نہیں۔ اب اصل بحث شروع ہوتی ہے۔

(ملاحظہ ہو اصلاح ۱۲، ج ۲۱، ص ۸۰۔ اڈیٹر اصلاح)

تیسرا مقدمہ

ضمیر کُم کی تحقیق

یہ تو بالکل ظاہر و آشکار ہے کہ یہ خطاب خداوند عالم کا عام لوگوں کی طرح (خواہ کفار ہوں یا مومنین) نہیں ہے بلکہ مخصوص مومنین کی طرف ہے۔ کیونکہ اس کے قبل والی آیت یا ایھا الذین آمنوا من یرتد منکم الآیۃ میں خطاب خاص ایمانداروں کی طرف ہے اور سیاق عبارت اور قاعدہ فصاحت و بلاغت کا مقتضا بھی یہی ہے کہ جب بلا فاصلہ اس کا ذکر ہے تو جو شخص اس آیت میں مخاطب ہوگا وہی اس آیت میں بھی۔

اور چونکہ اس مسئلہ میں کوئی شخص مخالف نہیں ہے۔ حتیٰ کہ خود امام فخر الدین رازی جن کی ہر بات میں خواہ مخواہ اعتراض کرنے کی عادت ہے وہ بھی اسکے مُقر ہیں، اور جا بجا اپنے مصنفات میں اس کی تصدیق کی ہے کہ یہ خطاب مومنین کی طرف ہے۔ چنانچہ تفسیر کبیر کی جلد ۳ ص ۴۳۳ اسی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"و بیانہ انہ تعالیٰ قسم المومنین قسمین احدھما الذین جعلھم مولیا علیھم و ھم المخاطبون لقولہ انّما ولیکم اللہ.... الخ"

ترجمہ: اس کا بیان یہ ہے کہ خدا نے مومنین کی دو قسمیں کی ہیں۔ ایک وہ جن کا مددگار یا سردار مقرر کیا ہے۔ یہی لوگ انّما ولیکم اللہ میں مخاطب ہیں"۔

چوتھا مقدمہ

الذین کی تحقیق

ناظرین مجھے اس مقدمہ میں نہ تو اس سے بحث کرنا منظور ہے کہ الذین کیا چیز ہے اور اس کے کیا معنی ہیں کیونکہ اس میں تو کوئی اختلاف نہیں جسے میں کچھ فیصل کروں۔ یہ تو کھلی ہوئی بات ہے جسے بچے تک جانتے ہیں کہ الذین اسم موصول ہے اور جمع مذکر کا صیغہ ہے۔ نہ مجھے ابھی اس وقت شان نزول سے بحث کرنی مقصود ہے کیونکہ اس کی بحث تو ان شاء اللہ عنقریب نہایت شرح و بسط کے ساتھ آئے گی بلکہ مجھے تو صرف یہ دکھلا دینا ہے کہ الذین آمنوا سے خدا کی مراد کل مومنین ہیں یا بعض۔ یہ بھی بہت واضح ہے کہ چند وجوہ سے کل مومنین مراد نہیں ہو سکتے۔

اول: یہ کہ تمام مومنین اگرچہ صفت ایمان ان میں پائی جاتی ہو لیکن ان صفات سے جو خداوند عالم نے اس آیت میں ذکر فرمائے ہیں سیکڑوں ہزاروں مومنین خالی ہیں پھر کیوں کر ہو سکتا ہے کہ خداوند عالم العیاذ باللہ جھوٹ یا کذب کا مرتکب ہو اور جو باتیں کسی شخص میں نہیں پائی جاتی ہوں ان باتوں سے اس کو متصف کردے۔ تعالیٰ اللہ من ذلك علواً کبیرا۔

چوں کفر از کعبہ بر خیزد کجا ماند مسلمانی

دوم: دوسرے مقدمہ میں یہ ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ ولی کے معنی حاکم و اولی بالتصرف کے ہیں اور بحمد اللہ ہمارے معزز مخاطب نے بھی اس کو مان لیا ہے اگرچہ اب انھوں نے یاران طریقت کے اکسانے سے ارخاء عنان کی رٹ لگانی شروع کر دی لیکن اب تو 'مشتے کہ بعد از جنگ یاد آید بر کلہ خود باید زد' کا مصداق ہے۔

بہر حال جب یہ ثابت ہو چکا کہ ولی کے معنی حاکم و اولی بالتصرف کے ہیں تو کسی طرح

الذین آمنوا سے کل مومنین مراد نہیں ہو سکتے کیونکہ اس صورت میں خطاب بھی کل مومنین ہی کی طرف ہوگا اور ان کے حاکم و اولی بالتصرف بھی کل مومنین ہوں گے تو ہر شخص کا حاکم و محکوم دو ہونا لازم آتا ہے۔اور یہ محال ہے۔بلکہ اگر ولی کا بہ معنی حاکم ہونا بھی مانا جائے اور تھوڑی دیر کے لئے ناصر و محب ہی کے معنی فرض کر لئے جائیں تو بھی الذین آمنوا سے کل مومنین مراد نہیں ہو سکتے کیونکہ اس صورت میں بھی ہر شخص کا ناصر و منصور ہونا لازم آئے گا وھو محال۔

اس میں بھی چونکہ میں کسی شخص کو مخالف نہیں پاتا۔اس وجہ سے زیادہ بحث اور طول دینے اور نقض اور ابرام کرنے سے درگزر کرتا ہوں۔

پانچواں مقدمہ

لفظ زکوٰۃ کی تحقیق

کہ اس آیت میں زکوٰۃ سے کیا مراد ہے آیا واجبی زکوٰۃ مراد ہے یا مستحبی صدقہ اور چونکہ اس مبحث میں کچھ حضرات نے خوب ہی جی کھول کے اعتراضات کئے ہیں اور اپنی ایڑی چوٹی کا زور لگا کر قصد کرلیا ہے کہ کسی طرح حضرت علی بن ابی طالبؑ اس سے نہ مراد ہوسکیں۔ اسی وجہ سے ہر پہلو سے ایرادات کی بوچھار کردی ہے اسی بناء پر میں بھی ہر پہلو کو اختیار کر کے ان تمام ایرادات کا دفعیہ کرتا ہوں۔ میں پہلے یہ شق اختیار کرتا ہوں کہ زکوٰۃ سے مراد واجبی زکوٰۃ ہے۔ اس پر امام فخرالدین رازی صاحب نے چند اعتراضات کئے ہیں ذرا توجہ سے دیکھئے اور جوابات بھی ملاحظہ کیجئے۔

(اعتراضات امام رازی)

پہلا اعتراض

"فلوانه ادّی الزکوٰة الواجبة فی حال کونه فی الرکوع لکان قد اخر اداء الزکوٰة الواجب عن اول اوقات الوجوب و ذلك عند الكثر العلماء معصية و انه لا یجوز اسناده الی علی"

اگر حضرت علیؑ نے حالت رکوع میں واجبی زکوٰۃ ادا کی تو اول وقت وجوب سے ضرور تاخیر کی اور یہ اکثر علماء کے نزدیک معصیت ہے اور اسکی نسبت

حضرت علیؑ کی طرف ناجائز ہے(۱)۔

یہی اعتراض علامہ ابن تیمیہ صاحب نے بھی کیا ہے۔

الجواب:

ابابابا کیا اعتراض ہے۔سبحان اللہ۔سنا آپ نے علماء کے اقوال سے اعتراض ہوتا ہے، ایک خلیفہ کے فعل پر یا۔بایں زوراشوری یابایں بے نمکی کہیں تو اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھدیتم کا شور ہے اور صحابی بلکہ تابعین بلکہ تبع تابعین کے اقوال وافعال سے علماء اپنے اقوال کی دلیل پیش کرتے ہیں اور کہیں علماء کے اقوال سے ایک ایسے خلیفہ وصحابی کے فعل پر اعتراض کیا جاتا ہے جس کو فقط خلافت وصحابیت ہی کا درجہ نہ ملا ہو بلکہ رسولؐ کے اہلبیت میں بھی ہو اور انا مدینۃ العلم و علی بابھا کا اعلیٰ خطاب بھی پاچکا ہو۔

عجب زمانہ یہ تیرہ وصدی کا الٹا ہے ۔ شراب شیخ پہ دیکھا کباب بوتل میں

یا امام صاحب حضرت علیؑ کو صحابی بھی نہ سمجھتے ہوں تو البتہ میں ان کی تکذیب نہیں کرسکتا۔سچ ہے۔میٹھا میٹھا ہڑپ کڑوا کڑوا تھو۔اور اس پر طرہ تو یہ کہ آپ اس کی نسبت بھی حضرت علیؑ کی طرف ناجائز جانتے ہیں۔

امام صاحب؟ آپ گھر بیٹھے خیالی چہ می گوئیاں اور موشگافیاں کیا کیجئے وہاں یہ سب کچھ سناؤنا نہیں جاتا یہ ایک واقعہ تھا جو ہوچکا اور خدا کو ایسا پسند آیا کہ اس نے ایک آیت اس کی مدح میں نازل کردی اور ایک اعلیٰ سے اعلیٰ عہدہ بھی عطا کردیا اور آپ ابھی اسی فکر میں ہیں کہ اس کی نسبت بھی جائز ہے یا ناجائز۔خیر اس اعتراض میں امام صاحب سے پوچھنے کی بات یہ ہے کہ آپ کو یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ حضرت علیؑ پر دو چار مہینہ یا دو چار روز یا دو چار گھنٹہ قبل سے زکوٰۃ واجب تھی اور اس کو قبل از نماز نہ ادا کرنے سے اول وقت وجوب سے تاخیر اور معصیت لازم آئی۔کیا

۱۔تفسیر الکبیر،ج ۱۲،ص ۳۰۔

یہ محال ہے کہ جس وقت آپ نماز پڑھنے کھڑے ہوئے ہوں اسی وقت کسی زکوۃ مال کا سال پورا ہوتا ہو اور بروقت مستحق موجود نہ رہنے کی وجہ سے نماز چونکہ وقتی اور مضیق اور مرجح واجب تھی اس وجہ سے اس کو ادائے زکوٰۃ پر جو واجب موسع بھی ترجیح دی ہو اور کیا یہ غیر ممکن ہے کہ جس وقت سائل نے سوال کیا ہو اسی وقت اس کا سال پورا ہوتا ہو اور ادائے زکوٰۃ کا اول وقت وجوب ہو۔ اور آپ نے اول وقت وجوب سے تاخیر نہ ہونے کے خیال سے نماز ہی کی حالت میں ایک دوسرے واجب سے بھی فارغ البالی حاصل کی ہو۔

معترض پر لازم تھا کہ وجوب زکوٰۃ کو قبل از نماز ثابت کرتا اس کے بعد یہ اعتراض کرتا و انی له ذلك۔

دوسرا اعتراض:

"ان اللائق لحال علی علیه السلام ان یکون مستغرق القلب بذکر الله حال ما یکون فی الصلوٰۃ و الظاہر ان من کان کذلك فانه لا یتفرغ لاجتماع کلام الغیر و لفهم و لهذا قال الله تعالیٰ الذین یذکرون الله قیاماً و قعوداً و علی جنوبهم و یتفکرون فی خلق السموات والارض و من کان مستغرقاً فی الفکر کیف یتفرغ لاستماع کلام الغیر"۔(۱)

ترجمہ: حضرت علیؑ کی شان یہ ہے کہ جب آپ نماز میں ہوں تو مستغرق ہوں اور یہ ظاہر ہے کہ جو شخص مستغرق ہوگا اسے غیر کی باتیں سننے اور سمجھنے کی کہاں فرصت۔ اسی وجہ سے خدا نے فرمایا ہے کہ جو لوگ خدا کو اٹھتے بیٹھتے

۱۔ تفسیر کبیر، ج ۱۲، ص ۳۰۔

کروٹیں بدلتے یاد کرتے ہیں اور آسمان وزمین کی پیدائش میں غور کرتے
ہیں اور جس کا قلب فکر میں مستغرق ہوگا وہ دوسرے کی بات کیونکر سنے گا۔

الجواب:

امام صاحب! کیا آپ کا مطلب استغراق سے یہ ہے۔

ما مقیماں کوے دلداریم   رُخ دنیا و دیں نمی آریم

یعنی ایسا استغراق ہو کہ واجبات وفرائض بھی ترک ہو جائیں تو ہو جائیں مگر استغراق باقی رہے؟ اگر یہی استغراق ہے تو ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اسے تین بار سلام کرے۔

حضرت! استغراق کا یہ مطلب ہے کہ عبادت خصوصاً نماز کے وقت دنیاوی امور کا ذہن میں خطور نہ ہو اور خدا ہی سے باتیں کر رہا ہو۔ یہ نہیں کہ واجبات بھی ترک ہو جائیں اور اگر وہ ایسا ازخود رفتہ ہو جائے کہ حواس کلاً معطل ہو جائیں تو پھر اسے اس کا ادراک کیوں کر ہوگا کہ اب قیام کرنا چاہئے۔ اب رکوع کرنا چاہئے۔ اب سجدہ کرنا چاہئے۔

پھر یہ کیا غیر ممکن ہے کہ جس وقت سائل نے ایک سچے مسلمان کے دل ہلا دینے والی آواز سے یہ کہا ہو کہ خداوند تو گواہ رہنا کہ میں نے تیرے رسولؐ کی مسجد میں سوال کیا اور کسی نے مجھے کچھ بھی نہ دیا (جیسا کہ آپ نے خود لکھا اور عنقریب اس کی تفصیل آئے گی) اور اسی وقت حضرت علیؑ کے کسی مال کا سال پورا ہوتا ہو اور آپ کے ادائے زکوٰۃ کا اول وقت وجوب ہو اور آپ نے ادائے واجب میں تاخیر نہ ہونے کے خیال سے آواز سنتے ہی فوراً ایک واجب کے اندر دوسرے واجب بھی ادا کر کے خدا سے سرخروئی حاصل کی۔ یا زکوٰۃ نہ بھی واجب ہوئی ہو تو اس سائل کی آواز ہی ایسی دردناک۔

اجابت از درِ حق بہر استقبال می آید

کی مصداق ہو کہ آپ نے اگرچہ آپ پر زکوٰۃ واجب نہ ہو صدقہ دے دیا ہو کیا کوئی عاقل اس کو

خضوع وخشوع واستغراق کے خلاف کہہ سکتا ہے ہر گز نہیں۔ بلکہ یہ تو ایک قابل تعریف بات ہے کہ ایک کار خیر کے اندر دوسرا کار خیر کر گزرے اور اس میں کوئی خرابی بھی نہ ہو۔ مگر

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم　　　چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

اس کے علاوہ امام صاحب آپ تو ماشاء اللہ ایسے پہونچے ہوئے تھے کہ بقول شخصے جب آپ کے انتقال کے وقت آپ سے اور شیطان سے مناظرہ ہونے لگا اور آپ توحید کی دلیلیں بیان کرتے جاتے تھے اور شیطان ایک ایک کر کے رد کرتا جاتا تھا۔ اور آپ کے پیر میاں ہزاروں کوس پر تھے اور آپ کی مجبوری ومعذوری دیکھ رہے تھے کہ آخر جب آپ کو ہر طرح شیطان سے مغلوب دیکھا تو بے ساختہ اپنی جگہ بول اٹھے کہ ''بگو خدارا بے دلیل شناختم''، اور آپ نے فوراً سنا اور یہی جواب دیا تب شیطان نے آپ کا پیچھا چھوڑا۔

تو کیا حضرت علیؑ کے واسطے اتنا ممکن نہ تھا کہ آپ کے استغراق کی یہ حد ہو کہ آپ حالت نماز میں منتہائے قرب کی وجہ سے بارگاہ خداوندی میں حاضر ہوں اور سائل کی آواز خود یا فرشتوں کے ذریعہ سے پہونچی ہو اور آپ نے وہیں سنا اور فوراً انگوٹھی دے دی ہو۔ اگر آپ کے لئے وہ ممکن تھا تو حضرت علیؑ کے واسطے یہ ضروری وواجب

فانتبہ یا ایہا النائم　　　قم فذاک السبات الدائم

اور اگر شاید ہمارے معزز مخاطب اس حکایت کو کسی مجذوب کی بڑ یا مجنون کی بکواس خیال کریں تو میں ایک ایسا واقعہ بیان کرتا ہوں جس میں ہمارے مخاطب کو سوائے ہاں کے نہ کہنے کی مجال نہ ہو کیونکہ ان کے سرمایہ فخر وناز علامہ ابن تیمیہ نے اپنی کتاب میں لکھ دیا ہے پھر اب تو وہ کالوحی المنزل ہے۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں:

''ومثل نداء عمر یا ساریۃ الجبل وہو بالمدینۃ وساریۃ بنہاوند''(۱)

۱۔ منہاج السنۃ، ج ۸، ص ۲۰۴۔

کیوں مولانا، حضرت عمر کا مدینہ میں رہ کر نہاوندی فوج کا جو کال کوسوں دور منزلوں کا فاصلہ ہو کمان کرنا اور ہدایت کرنا کہ پہاڑ کی طرف جاؤ اور وہ بھی بقول بعض حالت نماز میں اور فوج کا بھی سُن لینا اور اس پر عمل کرنا تو قرین قیاس ہو اور جناب امیرؑ کا حالت نماز اور استغراق میں سائل کی آواز کا سن لینا اور اشارے سے انگوٹھی عطا کرنا مستبعد اور خلاف عقل ہو۔!!!

شرم۔شرم۔شرم بریں عقل و دانش بباید گریست

تیسرا اعتراض

"الثالث ان دفع الخاتم فی الصلوٰۃ عمل کثیر و اللائق بحال علیؑ ان لا یفعل ذلک" (۱)

ترجمہ: نماز میں انگوٹھی کا دینا فعل کثیر ہے اور حضرت علیؑ کی یہ شان نہیں کہ ایسا کریں۔

الجواب:

امام صاحب؟ اتنا جلد بھولے گا تو کام چل چکا۔ ابھی تین صفحہ قبل تو آپ بروایت ابوذر علیہ السلام تحریر فرما چکے ہیں:

"و علی علیہ السلام کان راکعاً فاوماء بخنصرہ الیمنیٰ و کان فیھا خاتم فاقبل السائل حتی اخذ الخاتم بمرای النبی" (۲)

ترجمہ: حضرت علیؑ رکوع میں تھے۔ پس آپ نے داہنے ہاتھ کی چھوٹی انگلی سے اشارہ کیا اور اس میں انگوٹھی تھی وہ سائل آگے بڑھا اور حضرت رسولؐ کے سامنے اس نے انگوٹھی اتار لی۔

۱۔ تفسیر کبیر، ج ۱۲، ص ۳۱۔

۲۔ تفسیر کبیر، ج ۱۲، ص ۲۶۔

کیوں جناب کیا اشارہ کا نام فعل کثیر ہے اور اگر یہی ہے تو فعل قلیل جو باعث بطلان نماز نہیں ہوا کرتا۔ ذرا مہربانی کر کے اس کی مثال بیان فرمایئے۔ زیادہ نہیں ایک آدھ ہی سہی۔

افسوس کہاں تو علمائے اہلسنت حضرت علیؑ کے اس فعل سے اس بات پر استدلال کریں کہ عمل قلیل سے نماز میں کوئی خرابی نہیں ہوتی اور امام صاحب اسے فعل کثیر فرماتے ہیں اور حضرت علیؑ کی شان کے خلاف فرمائیں۔ یاللعجب

چوتھا اعتراض:

"الرابع ان المشهور انه علیه السلام کان فقیراً و لم یکن ماله مال تجب فیه الزکوٰة لذلك فانهم یقولون انه لما اعطی ثلاثة اقراص نزل فیه سورة هل اتی و ذلك لا یمکن الا اذا کان فقیراً فاما من کان له مال تجب فیه الزکوٰة یمتنع ان یستحق المدح العظیم المذکور فی تلك السورة علی اعطائه ثلاثة اقراص و اذا لم یکن له مال تجب فیه الزکوٰة امتنع حمل قوله و یوتون الزکوٰة علیه"(۱)

ترجمہ: مشہور تو یہ ہے کہ حضرت علیؑ بالکل محتاج تھے اور ان کے پاس اتنا مال نہ تھا کہ جس میں زکوٰۃ واجب ہوتی۔ اسی وجہ سے لوگ کہتے ہیں کہ جب آپ نے تین روٹیاں مسکین و یتیم و اسیر کو عطا کیں تو سورہ ھل اتٰی نازل ہوا اور یہ بات جب تک محتاج نہ ہوں ممکن نہیں۔ کیونکہ جو شخص ایسا مالدار ہو کہ اس پر زکوٰۃ واجب ہو وہ تین روٹیاں دینے کی وجہ سے اتنی

۱۔ تفسیر کبیر، ج ۱۲، ص ۳۱۔

بڑی مدح کا جو سورہ دہر میں مذکور ہے مستحق نہیں ہو سکتا اور جب اس کے
پاس اتنا مال ہی نہیں تھا جس میں زکوٰۃ واجب ہوتی تو یوتون الزکوٰۃ
کا ان پر صادق آنا محال ہوا"

یہی اعتراض علامہ ابن تیمیہ نے بھی کیا ہے۔

الجواب:

کسی کی ایک طرح سے بسر ہوئی نہ انیسؔ   عروج مہر بھی دیکھا تو دوپہر دیکھا

یہ ایک مشہور شعر ہے اور کسی کو اس سے انکار نہیں ہو سکتا مگر معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب جس حالت فقر و فاقہ و عیش و تنعم میں پیدا ہوئے تھے اسی حالت میں پوری عمر گزر گئی ذرا بھی تغیر و تبدل نہ ہوا جب ہی تو آپ فرماتے ہیں کہ جو ایسا محتاج ہو اس پر زکوٰۃ کہاں واجب ہو سکتی ہے۔

امام صاحب! کیا سورہ دہر اور سورہ مائدہ دونوں ساتھ ہی ساتھ ایک ہی وقت نازل ہوئی تھی کہ جمع ممکن نہ ہو۔

مگر افسوس تو یہ ہے کہ ان میں سے ایک مکی ہے اور دوسرا مدنی۔ پھر کیا یہ محال ہے کہ ایک وقت حضرت علیؑ محتاج ہوں اور ان کے پاس کچھ نہ ہو اور قرض لینے کی ضرورت پڑے اور اس حالت فقر و فاقہ میں جن روٹیوں کے دینے کی وجہ سے مدح عظیم کے مستحق ہوں اور ایک وقت اتنے مالدار کہ زکوٰۃ واجب ہو اور حالت نماز میں زکوٰۃ ادا کرنے سے ایک عہدہ اعلیٰ پر ممتاز ہوں لا واللہ ہرگز کوئی عاقل اس کو محال یا غیر ممکن نہیں کہہ سکتا۔

کیا زکوٰۃ واجب ہونے کے واسطے بھی کروڑ پتی ہونے کی ضرورت ہے۔ جناب عالی کیا زکوٰۃ واجب ہونے کے واسطے پانچ تولہ سونا کافی نہیں ہے اور کیا حضرت علیؑ کے پاس کبھی اتنا مال بھی نہ ہوا۔ اس کے علاوہ ایک اور لطیفہ سنئے۔ امام صاحب تو یہ فتوے دے رہیں کہ جب ایسی حالت فقر و فاقہ میں صدقے دے تو مدح عظیم کا مستحق ہو سکتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس کے پاس

مال ہے اور اس نے زکوۃ دی یا صدقہ مستحبی دیا تو چنداں قابل مدح نہیں ہے کیونکہ یہ تو اس نے گویا اپنا فرض ادا کیا اور اس میں کوئی کمال نہیں۔ جس طرح فرشتوں کا برائیوں سے محفوظ رہنا کوئی کمال یا قابل مدح نہیں ہے کیونکہ ان میں تو قواء شہوانیہ نہیں دی گئی۔ بخلاف انسان کہ باوجود نفس امارہ کے، خدا کے اوامر ونواہی پر عمل کرے تو البتہ قابل مدح ہے اور شاید اسی وجہ سے اشرف المخلوقات ہوا۔

مگر ذرا سنئے علامہ ابن تیمیہ الٹی گنگا بہا رہے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں:

"ان اللہ لا یثنی علی الانسان الا بما ہو محمود عندہ اما واجب و اما مستحب"(۱)

ترجمہ: خدا تو بس اسی کی تعریف کرتا ہے جو اس کے نزدیک پسندیدہ ہو اور وہ بس یا واجب ہے یا مستحب۔

ہائے کیا بے چینی ہے اور کیا دل پر سانپ لوٹ رہا ہے کہ کسی طرح یہ فضیلت حضرت علیؑ کے ہاتھ نہ لگے اسی وجہ سے الٹا سیدھا جو جس سے بن پڑتا ہے وار پر وار کر رہا ہے اور اس کی خبر نہیں کہ چاہ کن را چاہ در پیش۔ اپنا وار خود اپنے ہی اوپر پڑ رہا ہے۔ میں تو اس مقام پر کچھ بولوں گا نہیں۔ امام صاحب کچھ کہہ رہے تھے ان کے خلاف علامہ صاحب فرما رہے ہیں۔ اب وہ خود باہم تصفیہ کر لیں کہ کون سچ کہہ رہا ہے اور کون غلط مجھے اس سے کچھ بحث نہیں۔

برو با دوستاں آہستہ بنشیں   چو بینی در میان دشمنان جنگ

پانچواں اعتراض:

"الخامس ھب ان المراد بھذہ الآیۃ ھو علی بن ابی طالب لکنہ لا یتم الاستدلال بالآیۃ الا اذا تم ان المراد

۱۔ منہاج السنۃ، ج ۷، ص ۱۶

بالولی ھو المتصرف لا الناصر والمحب و قد سبق الکلام فیہ"(۱)

ترجمہ: مان لوکہ اس آیت سے مراد حضرت علیؑ ہیں (اور انھیں سے یہ کام ہوا) لیکن (خلافت کا) استدلال تو اس وقت پورا ہوسکتا ہے جب ولی کے معنی متصرف کے ہوں ناصر ومحب کے نہ ہوں۔حالانکہ اس میں بحث ہوچکی

الجواب:

امام صاحب! آپ کو خبر بھی ہے آپ کی دلیلیں ملیامیٹ کردی گئیں اور ولی کا بہ معنی متصرف ہونا آپ کے مقتدی ہمارے مخاطب نے مان لیا۔اب جائے دم زدن نہیں۔

کہیئے مولانا اب تو مجھے زیادہ استدلال کی ضرورت نہیں آپ کے امام صاحب تو صاف فرمارہے ہیں کہ اس آیت سے استدلال اس وقت پورا ہوگا جب ولی کا بمعنی متصرف ہونا مان لیا جائے۔اور آپ اس کو مان چکے۔پھر اب تو مجھے کسی استدلال کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ذرا انصاف سے کہیئے گا کہ مگر میں آپ کی تشفی کے واسطے مزید اطمینان کرتا ہوں۔

یہ تو وہ اعتراضات تھے جو امام رازی نے کئے تھے اور حضرت علامہ ابن تیمیہ نے بھی ہاں میں ہاں ملایا تھا۔اب وہ اعتراضات ملاحظہ ہوں جو امام صاحب کو بھی نہ سوجھے۔اور علامہ ابن تیمیہ گویا اس کے موجد ہیں:

(اعتراضات ابن تیمیہ)

پہلا اعتراض

"لو کان المراد بالآیۃ ان یوتی الزکوۃ حال رکوعہ کما

۱۔تفسیر کبیر،ج ۱۲،ص ۳۱۔

یزعمون ان علیاً تصدق بخاتمہ فی الصلوٰۃ لوجب ان یکون ذلک شرطاً فی الموالاۃ و ان لا یتولی المسلم الاعلیاً وحدہ فلا یتولی الحسن ولا الحسین و لا سائر بنی ھاشم وھذا خلاف الاجماع۔(۱)

ترجمہ اگر آیت کا یہ مطلب ہو کہ حالت رکوع میں زکوٰۃ دی جائے جیسا کہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے نماز میں انگوٹھی صدقہ دی تو لازم آتا ہے کہ یہ حکومت کی شرط ہو جائے اور مسلمان حضرت علیؑ کے سوا کسی کو اپنا حاکم نہ بنائیں پھر امام حسنؑ و امام حسینؑ یا بنی ہاشم کے اور لوگ حاکم نہ ہوسکیں گے اور یہ خلاف اجماع ہے“۔

الجواب:

یہ اعتراض حضرات اہلسنت کے خیال میں اس قدر مضبوط اور مستحکم ہے کہ خلفاً عن سلف یکے بعد دیگرے اس کو نقل کرتے آئے ہیں اور ہر شخص نئے الفاظ میں خوشنما عبارت کا جامہ پہنا کر شیعوں کے سامنے پیش کرتا ہے۔ مگر شیعوں کی نظر میں بھلا اس کی کیا وقعت ہو۔ مجھے تو ہنسی آتی ہے اس پر کہ ان لوگوں نے تعصب کی وجہ سے کچھ بھی غور نہیں کیا اور بے سمجھے بوجھے جو جی میں آیا کہہ گزرے۔ غضب خدا کا کجا بیان واقعہ کجا تعلیق بر شرط۔ سوال از آسمان جواب از ریسمان کا۔ یہی موقع ہے۔ بھلا یہ بھی کوئی تک ہے خدا تو فرماتا ہے کہ تمہارے حاکم خدا و رسول و فلاں شخص ہیں کہ جن کے یہ صفات ہیں۔ جن میں یہ باتیں پائی جاتی ہیں۔ منجملہ ان باتوں کے ایک بات اور اس میں یہ بھی پائی جاتی ہے کہ وہ حالت رکوع میں زکوٰۃ دیتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کسی خاص مصلحت سے اس شخص کا نام نہیں لیا بلکہ اس میں جو باتیں ایسی پائی جاتی تھیں جو دوسرے میں

۱۔ منہاج السنۃ، ج ۷، ص ۱۵۔

نہیں پائی جاتیں ان کا ذکر کر دیا۔ خدا کا مطلب تو یہ ہے اور بہت واضح ہے۔ مگر آپ یہ فرماتے ہیں کہ اگر ادائے زکوٰۃ مقصود ہو گی تو رکوع میں زکوٰۃ دینا امامت و خلافت کی شرط ہو گی اور جس میں یہ شرط نہیں پائی جائی گی وہ ولی و امام نہیں ہو سکتا۔

حضرت علامہ اور قرآن کی ایسی توجیہ یا للعجب !!!

دوسرا اعتراض

''خدا تو صرف واجب یا مستحب کام پر ثنا کرتا ہے اور نماز میں صدقہ وغیرہ واجب ہے نہ مستحب کیونکہ اگر یہ مستحب ہوتا تو حضرت رسولؐ خدا نے اس کو کیا ہوتا اور اصحاب اس پر رغبت کرتے خود حضرت علیؑ نے اس واقعہ کے علاوہ کیا ہوتا۔ حالانکہ نہ رسول نے کیا اور نہ اصحاب نے۔ نہ اس موقع کے علاوہ خود حضرت علیؑ نے۔ تو معلوم ہوا کہ یہ اعمال صالحہ سے نہیں ہے''(۱)

الجواب:

یہ بھی ایک انوکھی منطق ہے کہ جس کام کے کرنے کا رسولؐ یا اصحاب کو یا دوبارہ حضرت علیؑ کو اتفاق نہ ہوا ہو، وہ واجب یا مستحب تو بڑی چیز ہے عمل صالح بھی نہیں ہے۔ سبحان اللہ۔ اچھا جناب علامہ، حضرت رسولؐ یا دیگر صحابہ میں سے کسی نے غوطہ لگا کر جواہرات نکال کر خمس ادا کیا تھا یا کسی دفینہ کو پا کر خمس دیا تھا۔ خود حضرت علیؑ نے دوبارہ قلعہ خیبر کو فتح کیا تھا یا رسولؐ اور صحابہ نے مرحب و عمرو بن عبدود کو قتل کیا تھا۔ پھر یہ چیزیں تو آپ کے نزدیک نہ واجب ہوں گی نہ مستحب ہاں جناب علامہ اور سنیئے رسولؐ اللہ یا اصحاب نے یا خود حضرت علیؑ نے دوبارہ رسولؐ کے شانہ پر چڑھ کر خانہ کعبہ سے بتوں کو توڑ کر گرایا تھا! ہرگز نہیں پھر یہ بت شکنی تو نہ واجب ہوگی نہ مستحب۔ کیا خوبصورت دلیل ہے۔ اے سبحان اللہ۔

۱۔ منہاج السنۃ، ج ۷، ص ۱۶۰۔

تیسرا اعتراض:

”اگر مان لیا جائے کہ یہ فعل نماز میں جائز بھی ہے تو رکوع کی کچھ خصوصیت نہیں بلکہ حالت قیام وقعود میں اس سے زیادہ اولیٰ ہوگا۔“(۱)

الجواب:

افسوس علامہ کے دفاع سے شرطیت کسی طرح نہیں نکلتی اور واقعیت کسی طرح نہیں آتی۔ حضرت یہ کون کہتا ہے کہ رکوع میں اولیٰ ہے یا قیام وقعود میں۔ یہ تو ایک واقعہ تھا جو ہوگیا اور خدا نے بیان کر دیا۔ یہ تو آپ اس سے فرمایئے جو اس کو شرط امامت جانتا ہو۔

چوتھا اعتراض:

”اکثر فقہاء کے نزدیک زکوٰۃ میں انگوٹھی کا دینا کافی نہیں ہے۔ مگر جب زیورات میں وجوب زکوٰۃ کے قائل ہو جائیں۔ اور اس کے بھی قائل ہوں کہ زیور بھی زکوٰۃ میں دیا جا سکتا ہے۔ اور پھر اگر کوئی شخص اس کی قیمت کا لینا جائز جانے تو نماز میں قیمت لگانا مشکل اور قیمتیں مختلف حالتوں میں بدلا کرتی ہیں“۔(۲)

الجواب:

دیکھا آپ نے اس کو استدلال کہوں یا حکمت بہ لقمان آموختن کہوں، یا چھوٹا منہ بڑی بات کہوں۔ میں حیران ہوں کیا کہوں غضب خدا کا فقہاء کے قول سے ایک صحابی اور اہلبیت رسولؐ اور خلیفہ کے فعل پر جواز و عدم جواز سے بحث کی جاتی ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

جو بات کی خدا کی قسم لاجواب کی ۔۔۔ پاپوش میں لگائی کرن آفتاب کی

۱۔ منہاج السنۃ، ج ۲، ص ۲۰۳۔

۲۔ منہاج السنۃ، ج ۲، ص ۲۱۱۔

سب سے طرہ مزید تو یہ ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ نماز کی حالت میں قیمت لگانا بہت دشوار ہے۔
حضرت علامہ شاید آپ کو یہ خیال ہو کہ وہ انگوٹھی العیاذ باللہ حضرت علیؑ کہیں سے غصباً چھین کے لے آئے تھے اور جھٹ پٹ پہن کر نماز پڑھنے لگے پھر ان کو اس کی قیمت کیسے معلوم ہوتی۔ اس کے سوا آخر اس کا کیا مطلب ہے۔ کیونکہ جس شخص پر زکوٰۃ واجب ہو اس شخص کو نہ اس کی مقدار زکوٰۃ معلوم نہ انگوٹھی جس کو پہنے ہو اس کی قیمت معلوم، پھر وہ اس کا مالک کیوں کر ہو گا۔ سچ ہے واقعی سچ ہے۔

پانچواں اعتراض:

"یہ آیت بمنزلہ اقیموا الصلوٰۃ و آتوا الزکوٰۃ و ارکعوا مع الراکعین"، کے ہے اور رکوع کا حکم ہے۔ اسی طرح آیہ یا مریم اقنتی لربک واسجدی وارکعی مع الراکعین"۔(۱)

الجواب:

واہ واہ کیا بات کہی ہے۔ واقعی حضرت علامہ کے اس توجیہ کی داد دینی چاہیے وہ بات کہی ہے جو خدا کو بھی نہ سوجھی اور اس سے فاش غلطی ہو گئی کہ صیغہ امر کی جگہ صیغہ مضارع کہہ گیا۔ یا خدا عاجز تھا اور آپ سے بھی اس کی سمجھ کم تھی کہ اتنا بھی نہ سمجھ سکا کہ صیغہ امر کی جگہ مضارع کا صیغہ گردانے لگا۔ افسوس کہ آپ جمع قرآن کے وقت موجود نہ تھے ورنہ ضرور اصلاح بھی دے دیتے
حضرت علامہ کے اور بھی اعتراضات ہیں مگر چونکہ ان کو لفظ زکوٰۃ سے چنداں تعلق نہیں ہے اس وجہ سے ان کا اعادہ نہیں کیا۔ انشاء اللہ آئندہ بحث میں ان کو ناظرین مع جواب کے ملاحظہ کریں گے۔
اب میں یہ شق اختیار کرتا ہوں کہ حضرت علیؑ نے مستحبی صدقہ دیا اور زکوٰۃ واجبی نہ تھی اس پر بھی

۱۔ منہاج السنۃ، ج ۷، ص ۱۸۔

امام صاحب کو بہت غصہ ہے مگر کیا کریں بدقسمتی یا خوش قسمتی سے ایک اعتراض کے سوا زیادہ سوجھا ہی نہیں! آپ فرماتے ہیں:

اعتراض:

"و حمل الزکوٰۃ علی الصدقۃ النافلۃ خلاف الاصل لما بینا ان قولہ واتوا الزکوٰۃ ظاھرہ یدل علی ان کل ما کان زکوٰۃ فھو واجب"۔(۱)

ترجمہ: زکوٰۃ سے مستحبی صدقہ مراد لینا خلاف اصل ہے کیونکہ آتو الزکوٰۃ کا ظاہر اس بات پر دلالت کرتا ہے جو زکوٰۃ ہے وہ واجب ہے۔

امام صاحب کا یہ مقولہ بہت ہی واضح ہے اور اس میں بھی شک نہیں کہ جب تک کوئی قرینہ صارفہ نہ پایا جائے لفظ سے اصل معنی مراد لینا چاہئے اور اس پر قریب قریب تمام علمائے اصول کا اتفاق ہے۔ مگر ساتھ ہی اس کے امام صاحب کو یہ بھی ثابت کرنا چاہئے تھا کہ اس وقت کوئی قرینہ صارفہ حالیہ یا مقالیہ وقت نزول آیت موجود نہ تھا۔ اور اگر کوئی شخص یہ کہے کہ امام صاحب اس وقت نافی ہیں ان کو ثبوت کی ضرورت نہیں تو میں اس کی یوں تشفی کردوں گا کہ یہ تو ظاہر ہے کہ یہ خدا کا کلام ہے اور عرب کے محاورات و قاعدے کے مطابق نازل ہوا ہے اور معمولی فصاحت و بلاغت کی حد سے گزر کر اعجاز کی چوٹی تک پہونچا ہوا ہے اور ایک واقعہ جو گزر چکا ہے بیان کر رہا ہے۔ یہ تو امام صاحب کو معلوم نہیں کہ اس حالت رکوع میں انگوٹھی دینے والے نے واجبی زکوٰۃ دی یا مستحبی صدقہ۔ غرض اس نے جو کچھ دیا اور جس طرح دیا خدا نے اسے بیان کر دیا۔ اب اگر اس نے واجبی زکوٰۃ دی تو قرآن کا مقصود بھی وہی ہے اور اگر مستحبی صدقہ دیا تو خدا کا بھی مطلب یہی ہے۔ اس سے نفس واقعہ میں کوئی خرابی نہیں لازم آتی بلکہ درپردہ اس

۱۔ تفسیر کبیر، ج ۱۲، ص ۳۰۔

اعتراض کا تو یہ مطلب ہوتا ہے کہ اس نے مستحبی صدقہ دیا تو العیاذ باللہ خدا نے اس کو صحیح نہیں بیان کیا بلکہ یا غلط بیانی سے کام لیا یا غلط محاورہ استعمال کیا۔

تعالیٰ اللہ عن ذلک علوا کبیرا ۔کوئی مسلمان تو اس کا قائل نہیں ہو سکتا۔ مگر ایک بات قابل غور باقی رہ گئی کہ امام صاحب کا یہ فرمانا کہ آتوا الزکوٰۃ اس پر دلالت کرتا ہے کہ جہاں لفظ زکوٰۃ بولا جائے اس سے واجب ہی مراد ہونا ضروری ہے کہاں تک صحیح ہے۔

کیونکہ اولاً تو اسی میں اختلاف ہے کہ شارع کے زمانہ میں زکوٰۃ وغیرہ کا استعمال شرعی معنی میں حقیقی تھا یا مجازی اور محققین کا مسلک یہ ہے کہ حقیقی نہ تھا بلکہ بہ قرینہ استعمال ہوتا تھا اور حد منقول و حقیقت ثانیہ تک نہیں پہونچا تھا۔ پھر یہ دعویٰ امام صاحب کا کیوں کر کوئی مان سکتا ہے جس کی کوئی دلیل بھی امام صاحب نے بیان نہیں کی۔

اور محض دعوے کو ان کے مقتدی ہی لوگ وحی منزل سمجھیں تو سمجھیں غیر کیوں ماننے لگا۔ پھر جب واجبی زکوٰۃ بقرینہ سمجھی جاتی تھی تو صدقہ مستحبی نے کیا قصور کیا ہے کیونکہ زکوٰۃ کے اصل معنی تو نمو کے ہیں پھر اس حالت میں واجبی زکوٰۃ اور مستحبی صدقہ دونوں مجازی معنی ٹھہرے جس کا قرینہ ہو وہی معنی مراد ہوگا۔

اس شان و شوکت کا دعویٰ تو اس وقت صحیح ہو سکتا تھا جب زکوٰۃ کے اصل معنی واجبی زکوٰۃ کے ہوتے ۔ودونہ خرط القتاد (از اصلاح ۱۲، جلد ۱۳)

آنچہ دانا کند کند ناداں لیک بعد از حصول رسوائی

آیۂ انما ولیکم اللہ کی بحث میں جو مضمون میں نے اہلحدیث میں بھیجا تھا اور مولوی ثناء اللہ صاحب نے یہ توجیہ کر کے (چونکہ تم نے امام رازی وغیرہ پر اعتراض کئے ہیں اس وجہ سے درج نہیں کر سکتا) شائع کرنے سے انکار کیا اس کے جواب میں میں نے ایک کھلی چٹھی لکھی تھی جسے ۱۵ ذیقعدہ ۲۸ھ کے اہلحدیث میں آپ نے شائع کیا اور اس کے جواب میں پھر اس پر

اڑے رہے کہ جب تک مضمون اعتراضات سے خالی نہ ہوگا میں شائع نہ کروں گا۔

ہٹ کی بھی حد ہے بھلا کون منائے گا انھیں
اس پر روٹھے ہیں کہ کوئی ہمیں کیوں یاد آیا

مگر چند روز کے بعد جب میرا مضمون اصلاح نمبر ۱۱ و ۱۲ و جلد ۱۳ میں شائع ہوگیا تو آپ نے بایں توجیہ (کہ چونکہ مولوی صاحب نے وہ مضمون اپنے مذہبی رسالہ اصلاح میں شائع کرادیا اس وجہ سے ضروری ہوا کہ اس کا جواب دیا جائے) کیا کہوں مولوی صاحب کی اس وقت کامل تشبیہ کس چیز سے ہے۔ میں صرف وجہ شبہ عرض کرتا ہوں کہ مولوی صاحب کو نہ بھاگے بن پڑتا ہے نہ لڑتے۔ لڑنے کی تو سکت نہیں۔ بھاگنے میں ہے ذلت۔ اس بنا پر وہ چونچ لڑاتے اور پھر بھاگتے ہیں اور جب تعاقب کیا جاتا ہے تو پھر پھر کے دو چونچ لڑے اور بھاگے اس کی تفصیل تو جواب میں ناظرین اچھی طرح ملاحظہ کریں گے۔ مگر پہلے مولوی صاحب نے جو موشگافیاں میری کھلی چٹھی کے جواب میں کی ہیں اس کو ملاحظہ فرمایئے۔ میں اس کو نہ دکھلاتا مگر چونکہ مولوی صاحب راست گوئی میں سند یافتہ ہیں اس وجہ سے میں خود انھیں کے منھ سے ان کی راست گوئی کی اور چند سارٹیفکٹ کا مناسب اضافہ کرنا چاہتا ہوں تا کہ مولوی صاحب کے مریدوں کو اور زیادہ ارادت مندی کا موقع ملے۔ چنانچہ آپ ۵ اذیقعدہ ۲۸ھ اہلحدیث میں تحریر فرماتے ہیں:

''شیعوں کے مقابلے میں سنی ہمیشہ بھاگتے ہیں دنیا اسکو باور کرائے گی'' بے شک لا ریب حق برزبان جاری الفضل ما شهدت به الاعداء مگر آپ تو اقرار کرنے کے نہیں۔ یہ تو پرانی عادت ہے آپ تو یہی فرمائیں گے کہ اس کو غنیمت نہیں سمجھتے ہو کہ علم بچا لائے۔ ورنہ یہ بھی چھن جاتا پھر آپ فرماتے ہیں ''مگر اتنا کہوں گا کہ جس فن دشنام دہی اور دل آزاری میں شیعوں کو کمال ہے اس فن میں ان کا جواب اور اصلی جواب خارجی ہی دے سکتے ہیں'' بجا ارشاد ہوا۔ مولوی صاحب آپ ذرا ایمان و دیانت کو بھی تو کبھی جھانک کر دیکھ لیا کیجئے۔ آپ تو تمام شیعوں کو دشنام دہی

میں لا جواب فرماتے ہیں۔ اچھا تو جب سے شیعہ سنی کی ابتدا ہے اسی وقت سے خدا کو حاضر و ناظر جان کے خیال کیجیے کہ ابتدا گالی بکنے کی کس طرف سے ہوئی۔ آپ کے پیروں کی طرف سے یا میرے ائمہ کی طرف سے۔ کان سبابا آپ کے علماء کس کی مدح وثنا میں تحریر فرماتے ہیں۔ پھر منبروں پر چڑھ چڑھ کے کس کی طرف سے گالیاں ہوئیں اور کس کو دی گئیں۔ ان تمام باتوں پر بھی خاک ڈالیے تو اسی پر فیصلہ ہے کہ گالی بکنے والے کے پیچھے نماز پڑھ سکتے ہیں یہ آپ کے مذہب کا فتوا ہے یا میرے مذہب کا۔ اچھا اب میں پوچھتا ہوں کیا آپ گالی بکنے والے کے پیچھے نماز نہ پڑھئے گا آپ تو نفی کر نہیں سکتے، پڑھئے گا اور ضرور پڑھئے گا صلوا خلف کل بر و فاسق کس کا مقولہ ہے اور اگر مجھ سے پوچھئے تو میں صاف کہہ دوں گا کہ میں ہرگز نہ پڑھوں گا۔ مولوی صاحب تبراء اور لعنت اور چیز ہے، گالی اور چیز۔ کیا آپ اتنا بھی نہیں جانتے ہیں۔ ما لکم کیف تحکمون یہ بے شک میرے یہاں جائز ہے اور فقط میرے ہی یہاں نہیں بلکہ ہر مذہب کے اصول میں داخل ہے۔ اگرچہ آپ یا کوئی اور زبان سے اقرار نہ کرے یقولون بافواھھم ما لیس فی قلوبھم اچھا ان کو بھی چھوڑیئے۔ اسی بحث و تحریر میں جو آپ سے مجھ سے ہو رہی ہے آپ تو بیسوں دفع فرما چکے ہیں کہ تم گالیاں دیتے ہو کوستے ہو آخر اس عنوان کا کوئی معنون اور اس کا مفہوم کا کوئی مصداق تو ضرور ہوگا اگر آپ سچے ہیں تو آپ گن کر فرما دیجئے کہ فلاں فلاں الفاظ تمہارے گالی اور کوسنے کے ہیں۔ ورنہ آیہ معلومہ کے مصداق آپ خود ہوں گے۔ اگرچہ آپ کو اس کی کوئی پروا نہیں کیونکہ بارہا کردم دشنام۔ اور خواہ مخواہ کسی کو دشنام دہ یا کوسنے والا کہہ دینا تو کوئی بات بھی نہیں۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ یہی گویا دشنام دہی ہے۔ اور اگر آپ فرمایئے تو میں آپ کی تحریر میں ایک دو نہیں بیسوں الفاظ آپ کے نکال دوں۔

اس کے بعد فرماتے ہیں:

''اے جناب کیا میں نے پیشتر اہلحدیث مورخہ ۲۷ مئی ۱۹۱۰ء میں نہ لکھا تھا کہ

آپ نفس مسئلہ پر بحث کریں اور کسی تیسرے آدمی کا ذکر خواہ مخواہ نہ لائیں"۔

تعجب ہے آپ اتنا سچ کیونکر بول گئے۔ مگر ہاں الکذوب قد یصدق بیشک آپ نے لکھا تھا مگر کب؟ غنیمت ہے آپ نے تاریخ دے دی ہے۔ اور مجھ سے آپ سے مناظرہ کب سے ہے؟ یہ بھی آپ کو یاد ہے؟ ۱۲ اپریل ۱۹۰۹ء سے آخر ایک برس کامل جو آپ کے اخبار میں میری تحریر شائع ہوتی رہی اس وقت آپ نے یہ کیوں نہ فرمایا کہ امام صاحب پر اعتراض نہ کرو تو میں وہ عنوان ہی اختیار نہ کرتا۔ منع کرنا کیسا آپ تو تشویق کرتے رہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو:

اہلحدیث ۱۴ مئی ۱۹۰۹ء میں آپ کا مضمون بلا کم و کاست شائع کروں گا" پھر ۷ ۱۲ اگست ۱۹۰۹ء میں اہلحدیث میں میرا مضمون آٹھ کالموں میں شائع ہوا جس میں اعتراضات کی بھر مار تھی مگر آپ نے کچھ نہ فرمایا بلکہ آپ نے آگے چلنے کی ہدایت فرمائی۔ اس کے بعد ۸ اکتوبر ۱۹۰۹ء اہلحدیث میں میرا مضمون سات کالموں میں شائع ہوا اور امام رازی اور علامہ ابن تیمیہ پر اعتراضات کی بوچھار تھی اس پر بھی آپ نے ہوں توں کچھ نہ کیا۔ بلکہ آپ نے برعکس ترغیب و تحریص کی ہے۔

چنانچہ قبل میرے مضمون کے تحریر فرماتے ہیں "مولوی فرمان علی صاحب کا مضمون متعلق خلافت ناتمام نکلا تھا بعض ناظرین اس کے تتمہ کے لئے سخت مضطرب تھے الحمد للہ کہ آج ان کی مراد پوری ہوتی ہے۔ پس وہ غور سے پڑھیں"۔ مولوی صاحب آپ کا یہ جملہ اور آپ کا وہ فقرہ (میری غرض یہ نہ تھی کہ گڑے مردے اکھاڑے جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ ناظرین کو آپ کے مضمون سے دلچسپی نہیں اور میں بھی اس کو بصد اکراہ نقل کرتا ہوں) یہ دونوں جملے کیا کسی ایک باحواس آدمی کے ہو سکتے ہیں یا کوئی عاقل ان دونوں کو ملا کر ایک

مجذوب کی بڑ یا ایک مجنون کی بکواس سے زیادہ وقعت کی نگاہ سے دیکھ سکتا ہے۔اور سنئے آپ اسی پرچہ میں میرے اس کہنے پر (کہ میں اور زیادہ لکھتا مگر مجھے خطرہ ہے ایسا نہ ہو آپ خفا ہو کر مضمون شائع کرنا چھوڑ دیں) تحریر فرماتے ہیں: ''یہ آپ کا حسن ظن ہے یہاں یہ تو عادت نہیں بلکہ یہاں تو یہ اصول ہے۔

جتنا جی چاہے ستالیں ستم ایجاد ہمیں　　　مثل تصویر ہیں آتی نہیں فریاد ہمیں

سچ کہئے گا مولوی صاحب آپ کا وہ قول صحیح تھا یا یہ صحیح ہے۔آپ کچھ اس کا جواب دے سکتے ہیں ؏ دروغ گورا حافظہ نباشد۔اس پر بھی اکتفا نہیں کی بلکہ آپ نے گویا مجھ سے اعتراضات کرنے کی فرمائش کی ہے۔ دیکھئے اسی پرچہ میں آپ میرے مضمون کے بعد فرماتے ہیں: ''بس یہی زور تھا یا کچھ اور باقی ہے''۔

پھر ۱۲۲ اکتوبر ۱۹۰۹ء اہلحدیث میں تحریر فرماتے ہیں:

''منت سے گزارش ہے مولانا آپ اپنے مدعا کو ایک نہیں سو دلیل سے بھی ثابت کر سکتے ہیں۔مگر ائمہ سلف کو ہدف لعن وطعن بنانا مذاکرہ کا جزو نہیں۔پس اگر آپ اس سے احتراز کریں تو آپ کا احسان ہوگا۔آپ کو آئندہ اختیار ہے ہم تو ایسے سننے کے عادی ہیں''۔

کیوں نہ ٹھہریں ہدف ناوک بیداد کہ ہم　　　خود اٹھا لیتے ہیں جو تیر خطا جاتا ہے

ناظرین ذرا اس شد و مد کے دعوے کو ملاحظہ فرمایئے گا کہ کہاں تو آپ ائمہ سلف پر لعن وطعن سے بھی نہیں گھبراتے بلکہ آپ نہایت اشتیاق سے اپنے کلیجہ پر جگہ دیتے ہیں اور کہیں صرف اعتراض کرنے سے ایسے

حواس باختہ ہوتے ہیں کہ آگے پیچھے کی بھی خبر نہیں رہتی اور مضمون شائع کرنے سے بھی انکار کرتے ہیں۔ سبحان اللہ کیا عشق ٹھن ٹھن ہے۔ یا بایں زور اشوری یا بایں بے نمکی یقولون ما لا یفعلون کے آپ ہی سچے مصداق ہیں۔

ہم بھی ہیں پانچویں سواروں میں تا کہ مشہور ہوں زمانے میں

پھر آپ نے ۱۲ اکتوبر ۱۹۰۹ اہلحدیث میں میرا مضمون شائع کیا ہے جس میں صرف اعتراضات ہیں اور چون نہیں کیا۔ غرض اسی طرح قریب قریب بیس پرچوں میں ایک سال سے زیادہ تک میرا مضمون اہلحدیث میں شائع ہوتا رہا اور مولوی صاحب ٹس سے مس نہیں ہوئے۔ مگر آپ نے دیکھا کہ آپ کے مایہ فخر و ناز امام و علامہ پر اعتراضات ہوتے ہی جاتے ہیں اور ان کا جواب بھی بن نہیں پڑتا جس سے ان کی حق گوئی الم نشرح ہوئی جاتی ہے اور اس پر طرہ یہ ہے کہ خود بھی مقابلہ کی تاب باقی نہیں تو اسی بہانہ سہی کوئی راستہ نکالنا چاہیئے یہ کہہ کر کہ چونکہ اعتراضات کرتے ہو اس وجہ سے میں شائع نہ کروں گا۔ بھاگتے نظر آئے۔

کہتا ہے کون نالہ بلبل ہے بے اثر پردہ میں گل کے لاکھ جگر پاش ہو گئے

ان اعذار باردہ کے بعد آپ آخر میں فرماتے ہیں:

"اگر یہ بھی منظور نہ ہو تو لیجیے مندرجہ ذیل مراسلہ پڑھئے اور اڈیٹر اصلاح کو بلا کر زبانی مباحثہ کے جلسہ کا انتظام کیجیے ہاں یہ کہہ کر کہ میں آپ کے مقابلہ سے بھاگا آپ کو جی خوش کرنے کا اختیار ہے۔"

کر گیا نالہ اثر کیا بلبل ناشاد کا ہاتھ کیا پاؤں اب جمتا نہیں صیاد کا

مولوی صاحب شرم تو نہ آئی ہوگی۔ جب آپ شیر پنجاب ہو کر ایک دفعہ زبانی نوک دم بھاگے پھر دو برس تحریر مناظرہ کر کے بھاگنے کا خود اقرار کرتے ہیں تو اڈیٹر النجم کا مراسلہ کس منہ سے شائع کرتے ہیں۔ کیا ان کو شیر ببر کا خطاب ملا ہے۔ نازم بایں ریش فش۔ اڈیٹر النجم جب لکھنو کے معمولی طلبہ سے تاب مقاومت نہیں رکھتے تو اڈیٹر اصلاح سے کیا مقابلہ کریں گے۔

اصل جواب:

اب ناظرین اصل جواب کی طرف توجہ فرمائیں جو ۳۰ دسمبر ۱۹۱۰ء اہلحدیث میں شائع ہوا:

پہلے تو مولوی صاحب کی ہی لن ترانیاں اور بے سروپا باتیں ہیں جن کو وہ پہلے بھی رو گا چکے ہیں کہ تم گالیاں دیتے ہو، کوستے ہو۔ جس کے جواب میں آیہ معلومہ کے سوا اور کیا کہوں۔ ہاں اس درمیان میں ایک جملہ آپ کا یاد رکھنے کے قابل ہے کہ "ہاں ہم اپنی وضع کی پابندی میں غیروں کا کوسنا چھوڑ کر اصل مضمون کا جواب دیں گے"۔

افسوس مولوی صاحب کو یہ لکھتے ہوئے ذرا شرم بھی نہ آئی۔ ایک سال تک جو آپ بقول خود انھیں کوسنوں کو شائع کرتے رہے اس کی وضعداری کہاں تشریف لے گئی جو آپ وضعداری دکھاتے ہیں۔ کہئے یہ شعر آپ کے واسطے موزوں ہے نا؟۔

بے اعتدالیوں سے اپنی سبک اور ہم ہوئے جتنا زیادہ بڑھ گئی اتنے ہی کم ہوئے

اس کے بعد فرماتے ہیں:

"مولوی صاحب نے اس آیت کے ایک ایک لفظ کی تحقیق یوں کی تھی کہ انما حصر کے لئے ہے۔ ولی کے معنی حاکم کے ہیں۔ معنی آیت کے یہ ہوئے کہ تمہارا حاکم اللہ اور رسول ہیں۔ میں نے اس کے جواب میں بہت سے

آیات اور حوالجات سے ثابت کیا تھا کہ ولی کے معنی دوست اور محب مخلص
کے ہیں۔ پھر بطور تسلیم (ارخاء عنان) لکھا تھا کہ میں مانے لیتا ہوں کہ ولی
کے معنی حاکم کے ہیں ملاحظہ ہو الحدیث مورخہ ۷ ادسمبر ۱۹۰۹ء الخ"

مولوی صاحب معاذ اللہ اتنا سفید جھوٹ۔ آپ نے اور ثابت کیا تھا خدا کی شان۔ چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد۔ خیر آپ کی زبان اور آپ کا قلم تو ماشاء اللہ یتلون کتلون الحرباء گرگٹ کی طرح رنگ بدلتا ہے بلکہ اس سے بھی دو چار قدم آگے ہے۔ مگر جو آپ لکھ کے شائع کر چکے وہ تو پتھر کی لکیر ہے کیا اس کو بھی آپ مٹا دیجئے گا۔ اچھا لیجئے سنئے آپ نے ۸ اکتوبر ۱۹۰۹ء الحدیث میں میرے جھوٹ تناقض پر کچھ آیات پیش کر کے چند اعتراض کئے تھے۔ پھر آپ نے ۲۲ اکتوبر ۱۹۰۹ء الحدیث میں استعمال مشترک کے متعلق ایک اعتراض کیا تھا اور ان دونوں پرچوں میں آپ کے جتنے اعتراضات تھے ان سب کا تفصیلی جواب ایک ایک کر کے ۲۹ اپریل و ۶ مئی ۱۹۱۰ء الحدیث میں دے چکا اور آپ نے اس کو بہت خوشی خوشی شائع بھی کیا اور جھوٹ موٹھ بھی کوئی جواب اس کا نہ دے سکے۔ اور اب آپ پھر فرمارہے ہیں کہ میں نے بہت آیات و حوالجات سے ثابت کیا تھا۔ چہ خوش اللہ رے آپ کی دیدہ دلیلی دن دھاڑے آنکھ میں خاک ڈالنا اسی کو کہتے ہیں۔ افسوس آپ نے یہ جملہ لکھتے وقت اپنے پچھلے پرچوں کو دیکھا نہیں تھا ورنہ اس ڈھٹائی سے نہ لکھتے۔ اب تو آپ اگر ذرا بھی غیرت دار ہیں تو چلّو بھر پانی آپ کے واسطے کافی تھا۔ مگر اب شرمانے سے کیا ہوتا ہے۔

ہائے دنیا تو کہاں اور پردہ پوشی اب کہاں
عرصۂ محشر میں رسوائی سے رسوائی ہوئی

آپ تو یہ شعر پڑھئے۔ اور میں کہوں حق کا بول بالا اور جھوٹے کا منہ کالا۔

پھر آپ نے ۷ ادسمبر کے پرچہ میں اپنے امام صاحب کی کچھ دستگیری کی اور ان کی طرف

سے جواب دیا ہے اس کا جواب میں نے اسی تحریر کے ضمن میں دیا ہے جو اصلاح نمبر ۱۱ جلد ۱۳ میں شائع بھی ہوگیا ہے اور آپ اسی سے میری عبارت نقل کر کے جواب دے رہے ہیں۔ مگر اللہ رے آپ کی چالاکی اور عیاری جو عبارت آپ کے جواب میں تھی اس کو خود قلم انداز بھی کیا اور پھر یہ کہنے بھی لگے کہ میں نے ثابت کیا ہے۔ آپ اگر سچے اور اپنے دعوے میں مضبوط تھے تو آپ نے میرا جواب نقل کر کے جواب الجواب کیوں نہیں دیا۔

بھرم کھل جائے ظالم تیری اس قامت درازی کا
اگر اس طرۂ پر پیچ وخم کا پیچ و خم نکلے

اب رہی یہ بات کہ آپ نے بطور ارخاء عنان فرمایا تھا یا واقعی مان لیا تھا اور اس دعوے میں آپ کہاں تک سچے یا جھوٹے ہیں۔ میں آگے عرض کرتا ہوں۔ ناظرین اس کو یاد رکھیں اور مولوی صاحب کے اعتراضات کو جو میرے مضمون پر کئے ہیں سنیں:

میرے اس بیان پر (چونکہ اس آیت کے قبل خطاب مومنین کی طرف ہے لہذا سیاق عبارت اور قاعدہ فصاحت و بلاغت کا مقتضیٰ یہ ہے کہ ولیکم میں بھی خطاب مومنین ہی کی طرف ہو) آپ تحریر فرماتے ہیں:

"بہت ٹھیک منظور مگر اسکا نتیجہ سنئے۔ قرآن مجید میں جو اہلبیت طاہرینؑ کا ذکر آیا ہے ان سے مراد آنحضرتؐ کی ازواج مطہرات ہیں۔ پس وہی ازواج مطہرات ہیں اور وہی طاہرات کیونکہ آیت کے شروع میں نساء النبی خطاب ہے۔ سب حکموں میں انھیں کے صیغے ہیں اور انھیں کو حکم ہے" انتہی ملخصاً۔

مولوی صاحب ماشاء اللہ کیا ذہن رسا اور کیا دور کی سوجھی ہے۔ کیوں نہ ہو آپ مولوی فاضل بھی تو ہیں۔

ابجد۔ حطی ھوز املی کا پتہ سیتز

مولوی صاحب کیا آپ مضمون لکھتے وقت عالم بالا کی سیر میں تھے کہ زمین کی خبر نہ تھی۔ علمائے معانی بیان نے التفات (ایک طریقہ کلام سے دوسری طرف پلٹ جانا) یا خلاف مقتضیٰ ظاہر وغیرہ کی چند صورتیں بیان کی ہیں۔ مثلاً متکلم سے مخاطب (جیسے انا اعطیناك الكوثر فصل لربك) یا غائب (جیسے مالی لا اعبد الذی فطرنی والیہ ترجعون) کی طرف منتقل ہو جانا یا بالعکس وغیرہ مگر چودھویں صدی میں مولوی ثناء اللہ صاحب نے جہاں دادی کو حلال فرمایا ہے وہاں ازواج نبیؐ کے ساتھ بھی ایک نیا التفات کیا ہے۔

خدا ہی خیر کرے آج رنگ بیڈھب ہے ٹپک رہا ہے کئی دن سے آبلہ دل کا

آپ نے ایجاد بندہ اگرگندہ التفات وغیرہ کی ایک عجیب تحقیق ایجاد فرمائی کہ اگرچہ خدا تو کہے و لیس الذکر کالانثی مگر آپ نے مرد کو عورت اور عورت کو مرد فرض کر کے کلام کرنے کو نہایت مستحسن بلکہ واجب قرار دیا ہے۔ واقعی مولوی صاحب یہ آپ ہی کا کام تھا۔

این کار از تو آید و مرداں چنیں کنند۔

مولوی صاحب ذرا ہوش کی خبر لیجئے یا نساء النبی لستن ہی سے نہیں (آپ نے اس کے قبل کی آیت کیوں چھوڑ دی) بلکہ یا ایھا النبی ﷺ قل لازوجك سے آیہ تطہیر کے بعد تک ضرور ازواج نبی کی طرف خطاب ہے مگر کیا آیہ تطہیر کو بھی کوئی عاقل اس میں شامل کہہ سکتا ہے؟ مولوی صاحب بھلا یہ بھی کوئی عقل کی بات ہے کہ جتنے صیغے خداوند عالم نے اس کے قبل و بعد ارشاد فرمائے ہیں ان سب کو تو جمع مونث حاضر لایا اور بیچ کی ایک آیت میں جمع مذکر کا صیغہ۔ اور پھر جمع مذکر حاضر اور جمع مونث حاضر دونوں کا مصداق ایک شخص ہو۔ حاشا وکلا ہرگز نہیں۔ اس سے تو صاف معلوم ہوتا ہے اور کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ ان آیات کے بیچ میں آیہ تطہیر خواہ مخواہ گھسیٹر دی گئی ہے اور ہر ذی فہم ایک ادنیٰ تامل کے بعد بے تکلف فیصلہ کر سکتا ہے کہ اگر

قرآن کی آیتیں یوں ہوتیں "واقمن الصلوٰۃ و اتین الزکوٰۃ و اطعن اللہ و رسولہ و اذکرن ما یتلیٰ فی بیوتکن من آیات اللہ و الحکمہ الآیۃ" تو ہرگز کسی قسم کا کوئی سقم لازم نہ آتا اور مطلب بھی مرتبط رہتا سیاق بھی درست ہو جاتا۔

مولوی صاحب ایک ذرا وجدان سلیم اور ذوق صحیح کی طرف رجوع کیجئے اور ایمان و دیانت کو تھوڑی دیر کے لئے سامنے رکھئے اس کے بعد فرمائیے کہ سیاق عبارت اور مقتضائے قاعدہ فصاحت و بلاغت کیا کہتا ہے کہ اس آیہ تطہیر کے مخاطب کچھ اور لوگ ہیں یا ازواج۔ اگر ازواج تھے تو جس صیغے سے خدا برابر بیان کرتا چلا آتا تھا اور پھر بعد بھی بیان کیا ہے اس کو درمیان میں کیوں چھوڑ دیا۔ مذکر کو مونث بنا دینا بھی حسن کلام میں داخل ہے؟ ایسے ہی مواقع سے تو ترتیب و جمع کرنے والوں کی خوش نیتی کا پتا لگتا ہے۔

اگر حسب رائے آپ کی، ازواج ہی مقصود تھے تو ماقبل مابعد کے سیاق کے موافق صیغہ جمع مونث لانے میں خدا کو کیا چیز مانع تھی؟

ہاں ذرا ایک بات اور تو دیکھئے کہ اس کے قبل کی آیت میں بھی خدا اچھی بات کہنے گھر میں بیٹھے رہنے، نماز پڑھنے، زکوٰۃ دینے اور خدا و رسول کی اطاعت کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اور بعد کی آیت میں بھی آیات و حکمت کے یاد کرنے کا حکم دیتا ہے پھر بھلا یہ بھی کوئی تک ہے کہ قبل و بعد کی آیت میں تو حکم ہو اور بیچ میں مدح و ثنا۔

یہی وجہ ہے کہ سنیوں کے امام رازی صاحب باوجودیکہ ہر جگہ آیات میں باہم ربط دینے کی کوشش کرتے ہیں اور بعض مقام پر ایک حد تک نباہتے بھی ہیں۔ مگر یہاں پر کچھ نہ بن پڑا اور گویا سکوت سے کام لیا۔ اور صرف آیت کا مطلب بیان کر دیا۔

اب غور طلب یہ امر ہے کہ آپ کا حصر کے ساتھ یہ فرمانا کہ ان ہی کو اہلبیت کہا گیا ہے۔ پس وہی ازواج مطہرات ہیں اور وہی طاہرات۔ کہاں تک صحت و حقیقت کا پہلو لئے ہوئے ہے۔

مگر میں جب آپ کے علماء سابقین کے اقوال پر نظر ڈالتا ہوں تو نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے شاذ و نادر کے سوا وہ بحکم المعدوم اس میں سے کوئی بھی آپ کا ہم آواز دکھائی نہیں دیتا۔ لہذا نمونہ کے طور پر میں چند اقوال پیش کرتا ہوں ملاحظہ ہو:

تفسیر بیضاوی، ج ۲، ص ۱۶۴، مطبوعہ مصر:

"و تخصیص الشیعة اهل البیت بفاطمة و علی و ابنیھا رضی الله عنهم لما روی انه علیه الصلوة والسلام خرج ذات غدوة و علیه مرط مرجل من شعر اسود فجلس فاتت فاطمة رضی الله عنها۔ فادخلها فیه ثم جاء علیؑ فادخله فیه ثم جاء الحسن و الحسین رضی الله عنهما فادخلهما فیه ثم قال انّما یرید الله لیذهب عنکم الرجس اهل البیت الایه والاحتجاج بذلك علی عصمتهم و کون اجماعهم حجة ضعیف لا ن التخصیص بهم لا یناسب ما قبل الآیه و ما بعدها والحدیث یقتضی انهم اهل البیت لا انه لیس غیرهم"(۱)

ترجمہ: اس روایت کی وجہ سے (کہ ایک دن صبح کے وقت رسولؐ اللہ نکلے اور سیاہ بال کی ایک منقش چادر آپ کے زیب بدن تھی پھر جب آپ بیٹھے تو حضرت فاطمہؑ آئیں ان کو اپنی چادر کے اندر لے لیا پھر حضرت علیؑ آئے ان کو بھی آپ نے اس میں لے لیا۔ پھر امام حسنؑ و امام حسینؑ آئے آپ نے

۱۔ تفسیر بیضاوی، ج ۲، ص ۲۴۵۔

ان دونوں کو بھی اس کے اندر لے لیا۔اس کے بعد آیت انما یرید اللہ ۔۔۔ کی تلاوت فرمائی) شیعوں کا یہ کہنا کہ اہل بیت رسولؐ صرف فاطمہؑ وعلیؑ وحسنؑ وحسینؑ ہیں اور پھر اس سے ان کے معصوم ہونے پر استدلال کرنا اور ان کے اجماع کا حجت ہونا کمزور ہے کیونکہ ان کی تخصیص ما قبل و مابعد آیت کے مناسب نہیں ہے۔اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ بھی اہلبیتؑ ہیں، یہ مطلب نہیں ہے کہ ان کے سوا کوئی اور اہلبیت نہیں ہے۔انتہی"۔

میں بھی یہی کہتا ہوں کہ ما قبل و مابعد کی آیتیں اس آیت کے مناسب نہیں ہیں اور ہر عاقل بے تامل کہہ سکتا ہے کہ اس آیت کا یہ محل نہیں۔مگر اسکی وجہ تو جمع و ترتیب کرنے والوں سے پوچھنی چاہئے۔خیر اس میں دو باتیں یاد رکھنے کے قابل ہیں۔ایک تو یہ کہ اس روایت کی راوی ہماری مادر نامہربان حضرت عائشہ ہیں۔اگر چہ اس کو مولوی صاحب نے کسی مصلحت سے ذکر نہیں کیا مگر علامہ سیوطی نے تصریح کر دی ہے۔دوسرے یہ کہ اس میں یہ بھی حضرت عائشہ نے تصریح کر دی ہے کہ حضرت رسولؐ نکلے اور یہ ظاہر ہے کہ انھوں نے اپنے گھر سے نکلنے کو بیان کیا ہے۔جس سے ثابت ہوا کہ یہ آیت حضرت عائشہ کے گھر میں نازل نہیں ہوئی۔باقی رہی یہ بات کہ اس سے ان حضرات کے معصوم ہونے پر استدلال اور ان کے اجماع کا حجت ہونا کمزور ہے یا نہیں۔تو چونکہ خود بیضاوی صاحب نے بھی منع کی کوئی سند نہیں ذکر کی ہے لہذا مجھے بھی اس کے قوی ہونے کی دلیل کے بیان کرنے کی نہ ضرورت ہے نہ اس کا یہاں محل و موقع ہے۔

تفسیر کشاف جلد ۲،ص ۴۳۰،مطبوعہ مصر میں ہے:

"و فی ھذا دلیل بیّن علی ان نسآء النبی صلی اللہ علیہ وسلم من اھلبیتہ"۔(۱)

۱۔تفسیر کشاف، ج ۳،ص ۲۶۰۔

ترجمہ: اس میں بہت واضح دلیل اس بات کی ہے کہ ازواج نبی بھی ان کے اہلبیت میں شامل ہیں"۔

تفسیر کبیر، جلد ۶، ص ۶۱۵ پر ہے:

"ثم ان الله تعالیٰ ترك خطاب المؤنثات و خاطب بخطاب المذكرين بقوله ليذهب عنكم الرجس ليدخل فيه نساء اهلبيته و رجالهم و اختلفت الاقوال فی اهل البيت والاولیٰ ان يقال هو اولاده و ازواجه و الحسن و الحسين منهم و علی منهم لانه كان من اهلبيته لسبب معاشرته بنت النبی عليه السلام و ملازمته للنبی ﷺ"(۱)

ترجمہ: پھر خداوند عالم نے اپنے قول لیذھب عنکم الرجس ۔۔۔ الخ میں جمع مونث حاضر کو ترک کر کے جمع مذکر کو اس واسطے اختیار کیا تا کہ ان کے اہلبیت میں ان کی عورتیں اور مرد سب داخل ہو جائیں۔ اور اگر چہ اس میں اختلاف ہے کہ رسولؐ اللہ کے اہلبیت کون ہیں مگر اولیٰ یہ ہے کہ ان کے اہلبیت ان کی اولاد اور ازواج ہیں اور حسنؑ و حسینؑ بھی ان کے اہلبیت میں داخل ہیں اور علیؑ بھی رسولؐ کی بیٹی کے ساتھ معاشرت کرنے اور رسولؐ کے ساتھ رہنے کی وجہ سے اہلبیت میں داخل ہیں"۔

ازیں قبیل قیاس کن گلستان من ز بہار مرا اور بھی اقوال ہیں۔ مگر میں بخوف طول ترک کرتا ہوں۔ ان اقوال سے آفتاب کی طرح یہ بات نمایاں ہے کہ کوئی شخص اس کا قائل نہیں

۱۔ تفسیر کبیر، ج ۲۵، ص ۲۰۹۔

کہ اہلبیت سے صرف ازواج ہی مراد ہیں۔ بلکہ تصریحاً ثابت ہے کہ اور لوگ بھی اہلبیت رسول ہیں۔ ازواج بھی، پھر ہمارے معزز مخاطب کا (بکلمہ حصر) یہ فرمانا کہ ان ہی کو اہلبیت کہا گیا ہے، پس وہی ازواج مطہرات ہیں اور وہی طاہرات۔ کہاں تک صحیح ہے۔

ہوا ہے مدعی کا فیصلہ اچھا میرے حق میں زلیخا نے کیا خود پاک دامن ماہ کنعاں کا

اگرچہ میرے سابق بیان سے ناظرین پر یہ ثابت ہو چکا کہ عقلاً کسی طرح ازواج اہلبیت میں داخل نہیں ہو سکتے۔ اب میں چاہتا ہوں کہ نقلاً بھی اس کو ثابت کر دوں کہ ہرگز ازواج نبی تنہا تو کیا شامل بھی نہیں ہیں، تاکہ روز روشن کی طرح معلوم ہو جائے کہ مولوی ثناء اللہ صاحب اس مسئلہ میں بھی کتنے پیچھے اور حق سے منزلوں سے دور ہیں۔ مگر پہلے میں یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ امام رازی صاحب کی یہ توجیہ (کہ جمع مونث حاضر کو ترک کر کے جمع مذکر حاضر اختیار کرنے کی وجہ یہ ہے کہ آپ کے اہلبیت کے مرد عورت سب اس میں داخل ہو جائیں) بالکل غلط ہے۔ کیونکہ جب خود آپ نے یہ فیصلہ کیا کہ رسولؐ کے اہلبیت، ان کی ازواج (جن کی تعداد کم از کم نو ہے) اور جناب فاطمہؑ امام حسنؑ و حسینؑ و حضرت علیؑ ہیں، تو یہ کل تیرہ آدمی ہوئے۔ ان میں سے تین تو مرد ہیں اور دس عورتیں ہیں۔ اس پر بھی عدد اغلبہ عورتوں ہی کو رہا پھر یہ توجیہ کیوں کر درست ہو سکتی ہے، کیونکہ اگر خدا کو ازواج کا بھی شامل کرنا منظور ہوتا تو بھی صیغہ مونث ہی کا لانا زیبا بلکہ ضروری تھا کیونکہ مردوں کی تعداد کم ہے۔ اس سے بھی واضح ہوا کہ ہرگز اس آیت میں ازواج داخل نہیں۔ اور صرف جناب فاطمہؑ اور امام حسن و حسینؑ اور حضرت علیؑ رسول اللہ کے اہلبیت ہیں۔ اور اسی بناء پر یہ توجیہ درست ہوئی کہ چار آدمی اہلبیت رسولؐ ہیں۔ تین مرد اور ایک عورت۔ پس چونکہ عدد اغلبہ مردوں کو ہے اسی وجہ سے صیغہ بھی مذکر کا لایا گیا۔

امام صاحب؟ قرآن کی توجیہ یوں کی جاتی ہے۔ فقط شک کرنے اور امام المتکلمین بننے سے کچھ نہیں ہوتا۔ اب وہ روایات ملاحظہ ہوں جن سے صرف حضرت علیؑ و جناب فاطمہؑ و امام حسنؑ و

امام حسینؑ کا اہلبیتؑ سے مراد ہونا ثابت ہے۔

مگر میں طول کے خیال سے عربی عبارت ترک کر کے صرف ترجمہ پیش کرتا ہوں جس کا جی چاہے تفسیر در منثور جلد ۵، ص ۱۸۸، سطر ۸ لغایت ص ۱۹۱، سطر ۳۴ دیکھ لے:

۱۔ ابن جریر اور ابن منذر اور ابن ابی حاتم اور طبرانی اور ابن مردویہ نے حضرت ام سلمہ (زوجہ رسولؐ) سے روایت کی ہے کہ ایک دن رسولؐ اللہ میرے گھر میں اپنے بچھونے پر لیٹے ہوئے تھے اور آپ کے جسم اقدس پر ایک خیبری چادر تھی اتنے میں فاطمہؑ ایک پتھر کی ہانڈی میں حریرہ لئے ہوئے آئیں تو رسولؐ اللہ نے ان سے فرمایا تم اپنے شوہر اور دونوں بیٹوں حسنؑ و حسینؑ کو بلاؤ وہ حسب الحکم گئیں اور بلا لائیں۔ اور سب مل کر کھانے لگے۔ یہ سب حضرات کھا ہی رہے تھے کہ یہ آیت انما یرید اللہ الایہ، نازل ہوئی تو آپ نے فوراً چادر کا کونا پکڑ کر اس سے سب کو ڈھانک لیا اور اپنے ہاتھ چادر سے باہر نکال کر آسمان کی طرف بلند کئے اور عرض کی (اللھم ھولاء اھل بیتی و خاصتی ، فاذھب عنھم الرجس و طھرھم تطھیرا) خداوندا یہی میرے اہلبیت اور میرے خاص لوگ ہیں تو ان سے برائی کو دور رکھ اور جو پاک و پاکیزہ رکھنے کا حق ہے اسی طرح پاک و پاکیزہ رکھ۔ اور اس دعائیہ جملہ کو آپ نے تین مرتبہ فرمایا۔ ام سلمہ کہتی ہیں کہ میں نے بھی اپنا سر پردہ کے اندر کیا۔ اور رسولؐ اللہ سے عرض کی میں بھی آپ لوگوں کے ساتھ ہوں؟ آپ نے فرمایا تم بے شک نیکوکار ہو اور اس کو دو مرتبہ فرمایا۔

۲۔ طبرانی نے حضرت ام سلمہ سے روایت کی ہے کہ فاطمہؑ اپنے باپ کے پاس ثرید (ایک قسم کا کھانا) ایک طبق میں رکھ کر لائیں اور ان کے سامنے رکھ دیا رسولؐ اللہ نے پوچھا تمہارے شوہر کہاں ہیں جناب سیدہؑ نے عرض کی اپنے گھر میں آپ نے فرمایا جاؤ ان کو اور اپنے دونوں بیٹوں کو بلاؤ۔ غرض وہ گئیں اور اپنے دونوں بیٹوں کا ہاتھ تھامے ہوئے آئیں اور حضرت علیؑ ان

کے پیچھے پیچھے تھے یہاں تک کہ رسولؐ اللہ کے پاس پہونچیں تو رسولؐ اللہ نے دونوں لڑکوں کو اپنی گود میں بٹھایا اور حضرت علیؑ رسولؐ کے داہنے اور فاطمہؑ رسولؐ کے بائیں طرف بیٹھیں ام سلمہ کہتی ہیں اس وقت میں نے اپنے بچھونے پر سے جو گھر میں تھا اپنی چادر لے کر اوڑھا لی۔

۳۔طبرانی نے حضرت ام سلمہ زوجہ رسولؐ سے روایت کی ہے کہ رسولؐ اللہ نے فاطمہؑ سے کہا کہ تم اپنے شوہر اور اپنے دونوں بیٹوں کو لے آؤ۔غرض وہ لائیں تو آپ نے ان لوگوں پر ایک فدکی چادر ڈال دی۔اس کے بعد اپنے ہاتھ ان لوگوں پر رکھا اور عرض کی بار الہا یہی لوگ اہل محمدؐ ہیں (اور ایک روایت میں ہے آل محمدؐ) تو ان پر رحمتیں اور برکتیں آل محمدؐ پر اسی طرح نازل فرما جس طرح آل ابراہیمؑ پر نازل کیں بیشک تو ہی قابل حمد و بزرگ ہے۔ام سلمہ کہتی ہیں یہ دیکھ کر میں نے بھی چادر ہٹائی تا کہ ان میں جا ملوں تو رسولؐ اللہ نے چادر میرے ہاتھ سے کھینچ لی اور فرمایا بے شک تم نیکی پر ہو (مگر اہلبیت میں داخل نہیں)۔

۴۔ابن مردویہ نے ام سلمہ سے روایت کی ہے کہ یہ آیت انما یرید اللہ ۔۔۔میرے گھر میں نازل ہوئی اور اس وقت میرے گھر میں سات شخص تھے۔رسولؐ، جبرئیل، میکائیل، علیؑ، فاطمہؑ حسنؑ و حسینؑ اور میں دروازے پر تھی تو میں نے عرض کی یا رسولؐ اللہ کیا میں اہلبیت میں نہیں ہوں آپ نے فرمایا کہ تم یقینی نیکو کار ہو (مگر اہلبیت میں نہیں ہو بلکہ) تم ازواج نبی میں ہو۔

۵۔ابن مردویہ اور خطیب نے ابو سعید خدری سے روایت کی ہے کہ ام سلمہ کی باری کا دن تھا کہ جبرئیل رسولؐ اللہ کے پاس یہ آیت انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس الایہ لے کر نازل ہوئے تو رسولؐ اللہ نے حسنؑ و حسینؑ علیؑ اور فاطمہؑ کو بلایا اور اپنے پاس بٹھایا اور ان لوگوں پر ایک کپڑا اڑھایا اور ام سلمہ کے سامنے پردہ پڑا ہوا تھا اس وقت آپ نے عرض کی خدایا یہی لوگ میرے اہلبیت ہیں۔خدایا ان سے ہر برائی کو دور رکھ اور ان کو جو پاک و پاکیزہ رکھنے کا حق ہے پاک و پاکیزہ رکھ۔ام سلمہ نے عرض کی اے نبیؐ خدا تو کیا میں بھی انکے ساتھ ہوں؟

آپ نے فرمایا اپنی جگہ بیٹھی رہو۔ اس میں شک نہیں کہ تم نیکی پر ہو۔

۶۔ ترمذی نے حکم بہ صحت دے کر اور ابن منذر اور حاکم نے تصحیح کر کے اور ابن مردویہ اور بیہقی نے چند طریقوں سے ام سلمہ سے روایت کی ہے وہ کہتی ہیں کہ میرے گھر میں کہ یہ انما یرید اللہ۔۔۔ الایہ نازل ہوئی اور میرے گھر میں فاطمہ حسنؑ وحسینؑ علیؑ بھی تھے تو رسولؐ اللہ جو چادر آپ اوڑھے ہوئے تھے ان لوگوں پر اڑھا دی۔ اس کے بعد عرض کی خدایا یہی لوگ میرے اہلبیت ہیں۔

۷۔ ابن جریر، ابن ابی حاتم اور طبرانی نے ابوسعید خدری سے روایت کی ہے وہ کہتی ہیں کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا کہ یہ آیت پانچ آدمیوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ میرے اور علیؑ اور فاطمہؑ وحسنؑ وحسینؑ کے بارے میں انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس و یطھرکم تطھیرا۔

۸۔ ابن ابی شیبہ، احمد، مسلم، ابن جریر، ابن ابی حاتم اور حاکم نے حضرت عائشہ سے روایت کی ہے یہ وہی روایت ہے جو بیضاوی نے نقل کیا ہے۔ اور میں بھی پہلے عرض کر چکا ہوں اور اسی روایت کے بارے میں امام رازی اپنی تفسیر کبیر جلد دوم، ص ۴۸۸ میں تحریر فرماتے ہیں:

واعلم ان ھذہ الروایۃ کالمتفق علی صحتھا بین اھل التفسیر والحدیث۔

ترجمہ: یہ سمجھ لو کہ اس روایت کی صحت پر تمام اہل تفسیر وحدیث کا گویا اتفاق ہے۔

۹۔ ابن جریر، حاکم اور ابن مردویہ نے سعد سے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ رسولؐ اللہ پر وحی نازل ہوئی تو آپ نے حضرت علیؑ اور جناب فاطمہؑ اور ان کے دونوں بیٹوں کو اپنے کپڑے کے نیچے لے لیا۔ اور عرض کی خداوندا یہی میرے اہل اور اہلبیت ہیں۔

۱۰۔ ابن ابی شیبہ، احمد، ابن جریر، ابن منذر، ابن ابی حاتم، طبرانی اور حاکم نے تصحیح کر کے اور بیہقی نے اپنے سنن میں واثلہ بن اسقع سے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسولؐ اللہ حضرت

فاطمہؑ کے پاس آئے اور آپ کے ساتھ امام حسنؑ و امام حسینؑ اور حضرت علیؑ بھی تھے۔ یہاں تک کہ اندر گئے اور علیؑ، فاطمہ کو پاس بلا کر اپنے سامنے بٹھایا اور امام حسنؑ و حسینؑ کو بلایا اور اپنے زانوں پر بٹھایا۔ پھر ان سب پر ایک کپڑا لپیٹ دیا اور میں ان کے پیچھے تھا پھر اس آیت کی تلاوت فرمائی انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس الایہ۔

۱۱۔ ابن ابی شیبہ، احمد اور ترمذی نے بطریق حسن اور ابن جریر، ابن منذر، طبرانی اور حاکم نے صحیح کہہ کر اور ابن مردویہ نے انس ابن مالک سے روایت کی ہے کہ جب رسولؐ اللہ حضرت فاطمہؑ کے دروازے پر سے نماز صبح کے واسطے گزرتے تھے تو فرماتے تھے الصلوٰۃ یا اھل البیت الصلوٰۃ انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس و یطھر کم تطھیرا۔

ترجمہ: اے اہلبیت نماز کے لئے آمادہ ہو جاؤ۔ خدا تو بس یہی چاہتا ہے کہ تم سے برائی کو دفع رکھے اور تم کو اچھی طرح پاک و پاکیزہ رکھے۔

۱۲۔ ترمذی، طبرانی، ابن مردویہ، ابونعیم اور بیہقی نے ابن عباس سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا کہ خدا نے مخلوقات کی دو قسمیں کیں اور مجھے اچھے قسم میں قرار دیا اور اسی طرف اشارہ ہے اصحاب الیمین و اصحاب الشمال میں۔ تو میں اصحاب یمین سے ہوں اور ان میں سب سے بہتر ہوں پھر دونوں کی تین قسم بنائیں اور میں تینوں میں بہتر ہوں۔ اور اسی کا اشارہ خدا کے قول واصحاب المیمنۃ ما اصحاب المیمنۃ و اصحاب المشئمۃ ما اصحاب المشئمۃ والسابقون السابقون میں ہے تو میں سابقین میں ہوں اور ان میں بھی سب سے بہتر ہوں پھر اس نے تینوں قسموں کے چند قبیلے بنائے اور مجھے سب سے بہتر قبیلے میں بنایا اور یہی مطلب ہے قول خدا " وجعلنا کم شعوبا و قبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم " کا۔ تو میں اولاد آدم میں سے زیادہ پرہیزگار اور معزز ہوں اور پھر کوئی فخر نہیں۔ پھر خدا نے قبیلوں کے گھر بنائے تو خدا نے مجھے سب سے بہتر گھر میں قرار دیا

اور اس کی تصریح ہے قول خدا انما یرید اللہ الایہ میں تو میں اور میرے اہلبیت تمام گناہوں سے پاک ہیں۔

اس حدیث میں اگر چہ رسولؐ اللہ نے تصریح نہیں فرمائی کہ آپ کے اہلبیت کون ہیں مگر اشارہ ضرور فرمادیا والاشارۃ ابلغ من التصریح۔کیونکہ آپ نے فرمایا کہ میں اور میرے اہلبیت تمام گناہوں سے پاک ہیں۔اور یہ بہت واضح ہے کہ ازواج نبیؐ میں کوئی عورت بھی معصومہ نہ تھی اور نہ ان کی عصمت کا کوئی مدعی ہے۔خصوصاً حضرت عائشہ نے و قرن فی بیوتکن کے خلاف کیا اور وہ بھی چوری چھپے نہیں۔علانیہ۔عالم آشکارا۔جس سے تاریخ کے صفحات بھرے پڑے ہیں اور جنگ جمل اس کی اچھی خاصی یادگار ہے۔اسی بناء پر تو ابی شیبہ، ابن سعد، عبداللہ ابن احمد اور ابن منذر نے مسروق سے روایت کی ہے کہ جب حضرت عائشہ اس آیت و قرن فی بیوتکن کو پڑھتی تھیں تو کچھ یاد کر کے اتنا روتی تھیں کہ آپ کی چادر آنسو سے تر ہو جاتی تھی۔دیکھو در منثور جلد ۵ ص ۱۹۶)(۱)

۱۳۔ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے قتادہ سے قول خدا انما یرید اللہ الایہ کی تفسیر میں روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ اہلبیت وہ لوگ ہیں جن کو خدا نے ہر برائی سے پاک رکھا ہے اور اپنی رحمت سے مخصوص کیا ہے۔

۱۴۔ضحاک بن مزاحم سے روایت ہے کہ رسولؐ فرماتے تھے کہ (نحن اهل بيت طهرهم الله من شجرة النبوة ،وموضع الرسالة ،و مختلف الملائكة ،و بيت الرحمة ،و معدن العلم)ہم نبوت کے درخت سے ایسے گھرانے والے ہیں جس کو خدا نے پاک و پاکیزہ رکھا ہے اور رسالت اور فرشتوں کی آمدورفت کی جگہ ہے۔رحمت کا گھر ہے علم کی کان ہے،ان دونوں حدیثوں میں بھی اہلبیت سے ازواج نبی مقصود نہیں ہو سکتے کیونکہ

۱۔در منثور،ج ۶،ص ۶۰۰۔

وہی تمام گناہوں سے پاک ہونے کی شرط اس میں بھی ہے اور اس سے ازواج خالی ہیں۔ فتامل

۱۵۔ ابن مردویہ نے ابوسعید خدری سے روایت کی ہے کہ جب حضرت علیؑ اور جناب فاطمہؑ ایک گھر میں رہنے لگے تو بیس روز تک صبح کے وقت رسالتمآبؐ ان کے دروازے پر آ کر فرماتے تھے السلام علیکم یا اھل البیت و رحمة الله و بر کاته نماز کے واسطے آمادہ ہو جاؤ خدا تم پر رحم فرمائے خدا بس یہی چاہتا ہے کہ اے اہلبیت تم سے ہر برائی کو دور رکھے اور اچھی طرح پاک و پاکیزہ رکھے۔ تم جس کو دشمن رکھو اس کا میں دشمن ہوں اور تم جس کو دوست رکھو اس کا میں دوست ہوں۔

۱۶۔ ابن جریر اور ابن مردویہ نے ابوالحمراء سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں مدینہ میں حضرت رسولؐ کی خدمت میں آٹھ مہینے رہا۔ اور جب آپ نماز صبح کے واسطے نکلتے تھے تو حضرت علیؑ کے دروازے پر ضرور آتے تھے اور اپنے دونوں ہاتھ دروازے کے دونوں جانب رکھ کر فرماتے تھے اے اہلبیت نماز کے واسطے آمادہ ہو جاؤ اس کے بعد اس آیت انما یرید اللہ الایہ کی تلاوت فرماتے تھے۔

۱۷۔ ابن مردویہ نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ ہم نے نو مہینہ تک رسولؐ اللہ کو دیکھا کہ آپ روزانہ ہر نماز کے وقت حضرت علیؑ ابن ابی طالب کے دروازے پر آ کر فرماتے تھے السلام علیکم و رحمة الله و بر کاته اھل البیت انما یرید الله لیذھب عنکم الرجس اھل البیت و یطھر کم تطھیرا۔ الصلوٰة (نماز کے لئے تیار ہو جاؤ۔ رحمکم الله۔ اسی طرح روزانہ پانچ مرتبہ فرماتے تھے۔(۱)

۱۸۔ جامع صحیح مسلم، صحیح ترمذی اور ابن منذر و حاکم و بیہقی نے اپنے سنن میں سعد بن ابی

۱۔ درمنثور، ج ۶، ص ۶۰۶۔ ۶۰۳۔

وقاص سے روایت کی ہے کہ جب یہ آیت قل تعالوا ندع ابنائنا و ابنائکم الایہ نازل ہوئی تو رسولؐ اللہ نے حضرت علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ کو بلایا اور بارگاہ خدا میں عرض کی (اللھم ھولاء اھلی) خداوندا یہی میرے اہلبیت ہیں۔(۱)

۱۹۔ امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں ام سلمہ سے روایت کی ہے جس کا آخر فقرہ یہ ہے کہ رسولؐ اللہ نے مجھ سے فرمایا کہ اٹھو اور میرے اہلبیت سے علیحدہ ہو جاؤ۔

۲۰۔ ترمذی، ابن جریر، طبرانی اور ابن مردویہ نے عمر بن سلمہ (ربیب رسولؐ) سے روایت کی ہے کہ جب یہ آیت انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت، حضرت رسولؐ کے پاس ام سلمہ کے گھر میں نازل ہوئی تو حضرت رسولؐ نے فاطمہؑ و حسن اور حسین کو اپنے سامنے بلایا اور حضرت علی کو اپنے پیچھے۔ پھر ان سب پر ایک چادر اڑھادی اور عرض کی خدایا یہی میرے اہلبیت ہیں۔ پس ان سے برائی کو دور رکھ اور ان کو اچھی طرح پاک و پاکیزہ رکھ۔ یہ سن کر ام سلمہ نے کہا یا رسولؐ اللہ میں بھی ان کے ساتھ ہو جاؤں؟ آپ نے فرمایا: تم اپنی جگہ پر رہو تم یقینی نیکی پر ہو۔(۲)

ایک ذاتی رائے بھی نمونہ کے طور پر سن لیجیے۔ صاحب تفسیر کشاف جلد ا، ص ۳۰۷ سطر آخر میں بعد واقعہ مباہلہ کے فرماتے ہیں:

"و فیہ دلیل لا شئی اقوی منہ علی فضل اصحاب الکساء".(۳)

اس میں اصحاب کساء کے فضیلت کی ایسی دلیل ہے جس سے زیادہ قوی

۱۔ در منثور، ج ۲، ص ۲۳۲۔

۲۔ سنن ترمذی، ج ۵، ص ۶۲۱، ح ۳۷۸۷۔

۳۔ تفسیر کشاف، ج ا، ص ۴۳۴۔

دلیل نہیں ہوسکتی"۔

اور یہ متفق علیہ ہے کہ مباہلہ کے روز رسولؐ اللہ نے ان ہی چاروں حضرات کو لیا تھا۔ اور ان کو صاحب کشاف نے اصحاب کساء سے تعبیر کیا ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اصحاب کساء ہی کو اہلبیت فرمایا ہے۔ فتم المقصود

ان روایات سے چند امور روز روشن کی طرح واضح وثابت ہوتے ہیں:

(۱) آیہ مذکورہ میں اہلبیت سے مراد جناب امیرؑ حضرت سیدہؑ امام حسنؑ اور امام حسینؑ ہیں اور اس میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں ہوسکتا۔

(۲) ان حضرات کے سوا کوئی شخص خواہ ازواج ہوں یا کوئی اور ہرگز داخل نہیں ہیں۔ کیونکہ خود حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں کہ میں نے ان حضرات کے ساتھ ہوکر اہلبیت میں داخل ہونا چاہا مگر رسولؐ اللہ نے منع کر دیا کہ تم اہلبیت میں شامل نہیں ہو بلکہ ازواج سے ہو اور ازواج اہلبیت میں نہیں ہیں۔

(۳) یہ سب روایتیں متفق اللفظ والمعنی تصریحاً بتاتی ہیں کہ اس آیت میں اہلبیت سے حسنینؑ و علیؑ وفاطمہؑ کے بتخصیص مراد ہونے پر حضرت رسولؐ کا قول وحکم ہے کسی راوی کی ذاتی رائے نہیں ہے۔

(۴) یہ حضرات تمام گناہوں سے پاک و پاکیزہ اور معصوم ہیں۔

(۵) اس کے راوی اول حضرت ام سلمہ (جن کے نیکوکار ہونے کی خود رسولؐ نے شہادت دی) ابوسعید خدری، حضرت عائشہ، سعد، واثلہ بن اسقع، انس بن مالک، ابن عباس، قتادہ ضحاک ابن مزاحم، ابو الحمراء، سعد بن ابی وقاص، عمر ابن ابی سلمہ جیسے صحابی ہیں۔ اور علمائے اہلسنت سے ابن جریر طبری، ابن منذر، ابن ابی حاتم، طبرانی، ابن مردویہ، خطیب بغدادی، جامع صحیح ترمذی، بیہقی، ابن ابی شیبہ، امام احمد بن حنبل، جامع صحیح مسلم، حاکم اور حافظ ابونعیم ہیں۔ جس

سے اس روایت کے متواتر ہونے میں شک نہیں ہوسکتا۔

(۶) یہ آیت حضرت ام سلمہ کے گھر میں نازل ہوئی۔اور وہ بھی ایک خاص موقع پر، پھر ہمارے مخاطب یاکسی اور کا یہ کہنا سیاق عبارت ازواج کے بتخصیص یا بالاشتراک اہلبیت سے مراد ہونے پر دلالت کرتا ہے بالکل غلط ہے۔کیونکہ وہ آیات جن میں ازواج نبی کی طرف خطاب ہے اس کی شان نزول ہی کچھ اور ہے۔اور اس کی کچھ اور۔اس کے علاوہ ان آیات اور آیہ تطہیر کے نزول کا وقت بھی ایک نہیں بلکہ دو، جگہ بھی دونوں کے نزول کی علیحدہ علیحدہ ہے۔موقع بھی ان آیات کا کچھ اور ہے اور آیت تطہیر کا کچھ اور۔ان آیات کا موقع ازواج نبی کا مال دنیا کے واسطے رسول کو اذیت دینا۔اور وہ بھی اس حد کی اذیت کہ آپ نے ایک مہینہ تک ازواج سے ملنا جلنا ترک کر دیا اور یہ آیت بارگاہ خدا سے بعنوان عتاب نازل ہوئی۔دیکھو تفسیر درمنثور ،ج ۵،ص ۱۹۴۔۱۹۵، (۱) اور یہ آیہ تطہیر رحمت پر مشتمل مدح وثنا و خوشنودی کے موقع پر نازل ہوئی۔پھر باوجود ان امور کے کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ ان دونوں قسم کی آیتوں کا مخاطب ایک شخص ہے۔حاشا وکلا ہرگز نہیں۔چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔

کہئے مولانا اب بھی آپ کی سمجھ میں آیا کہ اس آیت میں اہلبیت سے کون لوگ مراد ہیں اور سیاق عبارت کیا تھا۔ہاں ان تمام آیات کا وقت و مکان ایک ہوتا اور صیغے بھی یکساں چلے آتے تو البتہ آپ کا یہ فرمانا (باتفاق رائے آپ کے) کچھ درست ہوسکتا تھا۔افسوس آپ نے اتنے دنوں کے بعد ایک بات بھی کہی تو ایسی چیدہ و برگزیدہ کہ جل وصل اب آپ کو شاید یہ شکایت کرنے کا موقع ملے کہ ہم نے آپ کے مطلب کی روایتوں سے بحث نہیں کی۔لہذا میں اس شکایت کو بھی دفع کرتا ہوں اور ایک تنقیدی نظر ان پر بھی ڈالتا ہوں۔ملاحظہ ہو:

ا۔ابن ابی حاتم، ابن عساکر نے عکرمہ کے طریقہ سے اور عکرمہ نے ابن عباس نے روایت کی

ا۔درمنثور، ج۶،ص ۵۹۶۔

ہے کہ آیہ انما یرید اللہ الآیہ کے بارے میں ابن عباس نے کہا کہ یہ آیت خاص ازواج نبی کے بارے میں نازل ہوئی۔ حضرت عکرمہ فرماتے ہیں کہ جو شخص چاہے میں اس سے مباہلہ کرنے کو تیار ہوں کہ یہ آیت ازواج نبی کے بارے میں نازل ہوئی۔

۲۔ ابن مردویہ نے سعید ابن جریر اور انھوں نے ابن عباس سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ آیت ازواج نبی کی شان میں نازل ہوئی۔

۳۔ ابن جریر اور ابن مردویہ نے عکرمہ سے روایت کی ہے کہ وہ قول خدا انما یرید اللہ الآیہ کے بارے میں کہتے تھے کہ اس سے جو تم لوگ سمجھتے وہ مراد نہیں ہے۔

۴۔ ابن سعید نے عروہ سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ قول خدا انما یرید اللہ الآیہ میں اہلبیت سے ازواج نبی مراد ہیں اور یہ بھی کہ آیت حضرت عائشہ کے گھر میں نازل ہوئی ہے۔

ان چاروں (۱) روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آیہ انما یرید اللہ الآیہ میں اہلبیت سے مراد ازواج رسول ہیں۔ مگر ان روایات کی صحت اور کذب سے قطع نظر کر کے چند باتیں غور طلب ہیں۔ میں امید کرتا ہوں کہ ہمارے معزز مخاطب بھی غور کریں گے۔

۱۔ ان روایات میں کوئی روایت ایسی نہیں ہے جس میں حضرت رسولؐ کا قول و حکم نقل کیا ہو بلکہ یہ سب روایتیں ان ہی حضرات راوی کی ذاتی رائیں ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ قول و حکم رسول (جس کے بارے میں ما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ نازل ہوا ہو) کے مقابلہ میں کسی کی ذاتی رائے چاہے وہ کوئی ہو، ہرگز کوئی وقعت نہیں رکھتی۔ اور نہ کوئی مسلمان بشرطیکہ وہ ایمان واعتقاد رکھتا ہو ان روایات کو اگرچہ بالکل صحیح بھی مان لی جائیں، قول رسولؐ کے مقابلہ میں برابر یا مرجح کہہ سکتا ہے۔ بلکہ ان اقوال کو تو سنت (حدیث) بھی نہیں کہہ سکتا بلکہ صحابی کا قول۔

۱۔ در منثور ج ۶، ص ۶۰۳۔ ۶۰۲۔

۲۔ ان میں کی دو روایتوں میں حضرت ابن عباس کا قول مذکور ہے حالانکہ خود ابن عباس سے دو روایت حضرت رسولؐ خدا کے قول کی نقل، اس کے مناقض پہلے بیان ہو چکیں۔ پس ظاہر ہے کہ جب ابن عباس کے ایک قول کی تائید قول رسولؐ سے ہوتی ہے تو دوسرے قول کو جو قول رسولؐ کے مخالف ہے کیوں کر کوئی مان سکتا ہے۔ بلکہ ہر ایماندار حضرت ابن عباس کے اسلام و ایمان کا لحاظ کر کے فوراً یہ کہہ سکتا ہے کہ ہرگز ابن عباس نے قول رسولؐ کے خلاف نہیں کہا ہوگا۔ اور نہایت آسانی سے یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ یہ اقوال ابن عباس کا نہ ہوگا بلکہ کسی نے خواہ مخواہ ان کی طرف منسوب کر دیا ہے اور کیا عجب ہے کہ حضرت عکرمہ نے جن کی پارٹی فیلنگ کسی خاص وجہ سے کیسی تیز نظر آتی ہے اس کے متعلق کوئی کاروائی کی ہو۔

۳۔ ایک رائے ان میں حضرت عکرمہ کی ہے اور وہ بھی اس زور وشور سے کہ میں مباہلہ کر سکتا ہوں کس قدر تعجب خیز اور قابل مضحکہ ہے۔ میں ان کے جواب میں اور تو کیا کہوں بس اتنا کہوں گا کہ بسم اللہ تشریف لے جایئے اور رسالت مآبؐ سے مباہلہ کر لیجئے اور اس کے بعد جو نتیجہ اس سے برآمد ہوگا اس کا مزا آپ خود بھگت لیجئے گا۔

۴۔ تیسری حدیث حضرت عکرمہ کا یہ فرمانا کہ اس آیت سے جو تم لوگ سمجھے ہو مراد نہیں ہے صاف بتا رہا ہے کہ آپ کسی خاص وجہ سے اس کے دلدادہ ہوئے تھے ورنہ آپ کے ہم عصر اور اصحاب بھی اس آیت میں اہلبیت سے ازواج نبی کو مراد نہیں لیتے بلکہ کچھ اور لوگوں کو۔

۵۔ ان دونوں راوی تابعی، عکرمہ وعروہ کے اقوال یا ان کے ذاتی رایوں کو اتنے صحابی کے اقوال وروایات (جس کا متواتر ہونا ثابت ہو چکا) کے مقابلہ میں کہاں تک کوئی عاقل بالخصوص ہمارے حضرت مخاطب صحیح فرما سکتے ہیں۔

۶۔ ان میں ایک رائے حضرت عروہ کی ہے اور وہ اس کے ساتھ یہ بھی فرماتے ہیں کہ یہ آیت حضرت عائشہ کے گھر میں نازل ہوئی۔ مگر یہ بھی ایک عجیب معمہ ہے کہ خود حضرت عائشہ تو

فرمائیں کہ میرے گھر میں یہ آیت نازل نہیں ہوئی اور آپ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ کے گھر میں نازل ہوئی۔ مدعی سست گواہ چست۔ آپ نے اهل البیت ادری بما فی البیت کے مشہور مقولہ کو بھی باطل کر دیا۔ حالانکہ دونوں راوی تابعی ناصبی ہیں۔ یعنی عکرمہ وعروہ، نہ کہ وہ کسی طرح صحابی ہوں۔

خاتمہ بحث اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللہ

آپ کو یاد ہوگا کہ مولوی ثناء اللہ صاحب اڈیٹر اہلحدیث خود جناب مولوی فرمان علی صاحب دام فضلہ سابق مدرس اعلیٰ مدرسہ سلیمانیہ پٹنہ کی خدمت میں بغرض مناظرہ آئے ہوئے تھے اور یہ بات قرار پائی کہ آپ دلائل خلافت بلافصل جناب امیر تحریر کریں میں اہلحدیث میں درج کر کے جواب دوں گا۔

ایک عرصہ تک سلسلہ چلا آخر کو مولوی ثناء اللہ صاحب نے ایسا فرار کیا کہ اب نام بھی نہیں لیا جاتا۔ اصلاح نمبر ۸، ج ۱۴، ص ۴۸ تک جناب مولوی فرمان علی دام عزہ کی تحریر شائع ہوئی مگر اس کے بعد جناب ممدوح ایسا بیمار ہوئے کہ اس سلسلہ کو تمام نہ کر سکے۔

اس دفعہ جناب فخر الحکماء دام ظلہ نے جناب مولوی صاحب کو مجبور کیا کہ جس طرح ہو سکے اس سلسلہ کو تمام کرنا چاہئے کہ یہ بحث نہایت دلچسپ اور ضروری ہے۔ چنانچہ جناب ممدوح نے یہ تحریر عنایت فرمائی۔ جس کے سلسلہ کے لئے اصلاح نمبر ۸، ج ۱۴، ص ۴۸ کا مطالعہ ضروری ہے۔ وہ تحریر حسب ذیل ہے: (مدیر اصلاح، علامہ علی حیدر نقویؒ)

مولوی ثناء اللہ صاحب اڈیٹر اہلحدیث تحریر فرماتے ہیں:

"لطیفہ۔ مجھ سے ایک بڑے شیعہ عالم نے ایک دفعہ بڑی خوشی سے کہا کہ میں نے ایک کتاب میں دیکھا ہے کہ حضرت شعیبؑ نے جو کہا تھا بقیۃ اللہ خیر لکم سے مراد امام معہود (مہدیؑ) ہیں۔ گویا حضرت شعیبؑ اپنی قوم کو کہتے ہیں پورا پورا نام امام مہدیؑ تمہارے حق میں بہت بہتر ہیں۔ واہ کیا کہنے ہیں۔ اسی کے حق میں کہا گیا ہے ؎

کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑا　　　بھان متی نے کنبہ جوڑا"

ناظرین! ملاحظہ فرمائیں کہ کیا عالمانہ تحریر ہے اور کس قدر خاص الخاص مہذب پیرایہ ہے اور شعر تو ایسا لاجواب ہے حضرت داغ بھی قبر میں اچھل پڑیں۔

مولوی صاحب آپ کے حافظہ نے سخت دھوکا دیا۔ آپ سے شیعہ عالم نے جو کہا تھا یاد نہیں رہا۔ انھوں نے یہ نہیں کہا ہوگا کہ حضرت شعیبؑ نے اپنی قوم سے بقية الله خير لكم کہہ کر امام مہدیؑ مراد لیا ہو بلکہ اگر کہا ہوگا تو یہ کہا ہوگا کہ حضرت شعیبؑ کے قصہ کے ضمن میں جو آیت بقية الله خير لكم ہے اس سے حضرت امام مہدیؑ کی طرف اشارہ ہے۔ کیا اب بھی کچھ فرما سکتے ہیں۔ ہاں وہی جملہ آپ فرمائیے گا کہ سیاق کے خلاف ہے تو میں پھر وہی عرض کروں گا کہ اس کی شکایت تو حضرت جامع ومرتب سے کیجئے کہ وہ کیوں بے محل اس طرح آیات میں خلط ملط کر دیتے ہیں کہ مطلب کچھ کا کچھ ہو جاتا ہے اور اعتراض کرنے کا موقع ملتا ہے کیا یہ نہیں ممکن ہے کہ یہ آیت حضرت شعیبؑ کے قول کی نقل نہ ہو بلکہ مستقلاً خدا کا کلام ہو۔ اور کسی خاص موقع پر نازل ہوا ہو۔ اور ترتیب دینے والے صاحب نے یہاں لکھ دیا اور اگر آپ کافی یقین کے ساتھ فرما سکتے ہوں کہ ان شیعہ عالم نے یہی کہا تھا جو آپ تحریر فرماتے ہیں تو میں بھی دعوے سے کہتا ہوں کہ ان بے چارے نے آپ ہی کے مذہب کی کسی کتاب میں یوں ہی لکھا دیکھا ہوگا انھوں نے بقول شخصے۔ نقل راچہ عقل۔ اسی طرح آپ سے بیان کر دیا۔ اس میں اُن بے چارے پر کیا الزام۔ بے تکا پن اگر ہے تو اس مصنف کا، اس کو جو چاہیں فرمائیے۔ چاہے اس سے بھان متی کا تماشا کرائیے یا کچھ اور۔ کیونکہ شیعہ اور وہ بھی عالم ہو کے بے تکی بات اپنے جی سے کہہ ہی نہیں سکتا۔ یہ تو ماشاء اللہ خدا نظر بد سے بچائے آپ ہی حضرات کے حصے میں ہے۔ کیونکہ عقل کا نام تو لے نہیں سکتے۔ یہ تو آپ کے مذہب کے خلاف ہے اور یہاں تو یہ مقولہ ہے كلما حكم به الشرع حكم به العقل وكل ما حكم به العقل حكم به الشرع۔ بے عقل کی باتیں تو آپ ہی کے عطار خانہ کا معجون ہے۔ ای باد صبا این همه آوردهٔ تست۔ آپ

تو ان باتوں کو بھی گالی اور کوسنا ہی کہیں گے اور اپنے مریدوں کو خوش کرنے کو لکھ دیجئے گا کہ ہمارے ہاں کسی کتاب میں یہ مضمون نہیں ہے تو میں آپ کو پتہ بتادوں ذرا اپنے مرشد کی کتاب فصول مہمہ کو ملاحظہ کیجئے وہ ایک طولانی روایت کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں:

"فاذا خرج اسند ظهره الى الكعبة واجتمع عليه ثلث مائة و ثلثة عشر رجلاً من اتباعه فاول ما ينطق به هذه الاية بقية الله خيرلكم ان كنتم مومنين ثم يقول انا بقية الله و خليفته و حجته عليكم فلا يسلم عليه احد الا قال السلام عليك يا بقية الله في الارض"(۱)

ترجمہ: جب حضرت مہدئ موعود ظہور فرمائیں گے تو خانہ کعبہ پر تکیہ کر کے کھڑے ہوں گے اور ان کے پاس تین سو تیرہ آدمی (یہی عدد رسالتمآبؐ کے تابعین کا جنگ بدر میں بھی تھا) ان کے تابعین جمع ہوں گے تو سب سے پہلے اس آیہ بقية الله خير لكم ان كنتم مومنين کی تلاوت کریں گے اور فرمائیں گے کہ میں بقیۃ اللہ اور اس کا خلیفہ اور تم لوگوں پر اس کی حجت ہوں تو جتنے لوگ آپ پر سلام کریں گے یوں ہی کہیں گے: السلام عليك يا بقية الله في الارض (اے بقیہ خدا زمین پر آپ پر سلام ہو)۔

دیکھوں ہمارے مخاطب اسے بھی بھان متی کا تماشا فرماتے ہیں یا کچھ اور میں اس کا منتظر ہوں

پھر اس کے بعد مولوی صاحب میرے اس استدلال پر کہ یہ آیہ مجوثہ میں الذين آمنوا سے کل مومنین مراد نہیں ہو سکتے بلکہ بعض کیونکہ صفات مذکورہ سے بہتیرے مومنین خالی ہیں۔ پھر خدا جھوٹ کا مرتکب کیوں کر ہوگا، تحریر فرماتے ہیں:

"موصوف کا عموم اسی قدر مراد ہوتا ہے جتنے عموم کی اجازت اس کی صفات دیں۔ عندی رجل عالم میں وہ عموم نہیں جو محض عندی رجل

---

(۱) الفصول المہمۃ، ص ۳۰۲، فصل ۱۲۔

میں ہے پھر اس میں تمام مومنین موصوفین بہذہ الصفات مراد لینے میں
جھوٹ کیا ہے اور کذب کیا آپ کہاں بیٹھے ہیں"۔

مولوی صاحب! میں تو زمین پر ہوں۔آپ شاید عالم بالا کی سیر کر رہے ہیں یہ آپ کیا فرماتے ہیں یعنی آپ کا تو مطلب یہ ہے کہ خواہ مخواہ بھی کچھ نہ کچھ کہنا چاہئے کیا آپ کے اس فرمانے سے میرا مطلب غلط ہوگیا۔ناک یوں نہیں تھامی پیچھے سے ہاتھ پھرا کر تھامی بات تو ایک ہے۔میں نے بھی یہی کہا تھا کہ کل مومنین مراد نہیں ہیں۔بعض ہیں آپ نے کیا اس کے خلاف ثابت کیا۔یہ تو ظاہر ہے کہ جو عموم رجل میں ہے رجلٌ عالمٌ میں نہیں ہے مگر یہ تو فرمایئے کہ کیا اس سے رجل عالم کے بعض ہونے سے نکل جائے گا پھر آپ خواہ مخواہ بگڑے کیوں جاتے ہیں۔میں کسی خاص کو تو نامزد نہیں کر رہا ہوں کہ آپ ابھی سے بھڑکتے ہیں کہیے یہ۔بی آب موزہ کشیدن نہیں تو اور کیا ہے۔من خوب می شناسم پیران پارسا را۔آپ کو تو اب بڑی احتیاط کی ضرورت ہے دو تین مطلب کو مان لینے سے تو یہ مصیبت سر پر آئی کہ بھاگنے کا راستہ نہیں ملتا اب اگر کہیں بعض کا لفظ زبان سے نکلا تو غضب ہی ہو جائے گا۔خیر آپ زبان سے بعض کا اقرار نہ کریں مگر اس کا اقرار ہو گیا کیونکہ آپ نے اتنا تو فرما دیا کہ مومنین موصوفین بہذہ الصفات مراد ہیں کل مومنین مراد نہیں۔بس یہی تو میں بھی کہلوانا چاہتا تھا اس سے زیادہ نہیں اس سے تو مجھ پر اعتراض نہیں ہوا بلکہ میری تائید ہوئی۔سچ ہے۔حق برزبان جاری۔عدو شود سبب خیر گر خدا خواھد۔

اب ناظرین ذرا مولوی ثناء اللہ صاحب مولوی فاضل کی بدحواسی کو غور سے ملاحظہ فرمائیں آپ کو میرے اس جملہ پر (کہ مولوی صاحب نے ولی کا معنی حاکم و متصرف ہونا مان لیا ہے۔اگرچہ اب یاران طریقت کے اکسانے پر ارخاء عنان کی رٹ لگانی شروع کی ہے) بہت غصہ آیا ہے۔اور اپنے آپ سے باہر ہو رہے ہیں۔دیکھئے آپ تحریر فرماتے ہیں:

''اس بیان میں مولوی صاحب (حقیر) سے جو غلط بیانی ہوئی ہے میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ انھوں نے یہ دانستہ جھوٹ لکھا ہے۔ غالباً انھوں نے اہلحدیث مورخہ ۱۷ دسمبر ۱۹۰۹ء کے دیکھے بغیر ہی یہ فقرہ لکھ دیا مولانا اسی پرچہ میں ارخاء عنان کہہ کر یہ لکھا تھا کہ لیجیے میں مانے لیتا ہوں کہ ولایت مندرجہ آیہ ہذا کے معنی حکومت کے ہیں۔ نہیں معلوم آپ نے اب کا لفظ کیوں لکھ دیا اور اس سے آپ کی مراد کیا ہے'' انتہیٰ ملخصاً

مولوی صاحب میں نہ کہتا تھا کہ آپ کے حواس درست نہیں ہیں واقعی آپ میری طرف جھوٹ کی نسبت نہیں دے سکتے یہ تو اس کو کہیئے کہ جس کو حافظہ نہ ہو اس کو کیا کیجئے کا جھوٹا ہی جھوٹا کہا جاتا ہے۔ سچے کو کوئی جھوٹا کیا قسم کھا کے کہہ سکتا ہے۔ میں نے ۱۷ دسمبر کا پرچہ خوب دیکھ لیا تھا۔ مگر افسوس تو آتا ہے اس کی حالت پر کہ حافظہ نباشد کے سچے مصداق بن گئے۔ اچھا تو لیجئے ۱۷ دسمبر ۱۹۰۹ء کے تین مہینے قبل ۸ اکتوبر ۱۹۰۹ء ص ۱۰ کالم ۲ سطر ۱۲ اہلحدیث ملاحظہ فرمایئے:

آپ لکھتے ہیں: ''آیئے اب میں آپ کو اور قریب راہ سے لے چلوں۔ لیجیے میں مانے لیتا ہوں کہ ولی کے معنی حکمران و متصرف کے ہیں تاہم آپ کا مدعا ثابت نہ ہوگا''۔

اس کے عدہ کے گزر جانے کے بعد آپ نے ارخاء عنان فرمایا تھا۔

کہیئے اب تو میرا یہ کہنا (کہ اگر چہ اب یاران طریقت کے اکسانے سے ارخاء عنان کی رٹ لگانی شروع کر دی ہے) بالکل صحیح ہے نا؟ اور اب تو آپ کو معلوم ہوا کہ میں نے اب کا لفظ کیوں لکھ دیا۔ یہ قصہ ہے جب کا کہ آتش جواں تھا۔

سچ کہیئے گا مولوی صاحب اس وقت تو آپ کھسیانے ہوں گے چہرہ بن گیا ہوگا۔ افسوس اس وقت آپ کے سامنے میں نہ ہوا، ورنہ میں بھی آپ کے چہرہ کے تغیر کو دیکھتا اور ہنس دیتا اور آپ

چڑچڑاتے اور فرماتے کہ اپنے ایسے دماغ وحافظہ کو کچل کے پھینک دینا چاہئے۔ مگر نہیں آپ کے رفع خجالت کی ایک آسان ترکیب میں بتاتا ہوں آپ کہہ دیجئے کہ میں نے وہاں بھی ارخاء عنان ہی کے طور پر کہا تھا مگر آپ میرے مشورہ پر کاہے کو عمل کیجئے گا کہ

اگر راھے نماید راست چوں تیر   از آن بر گرد در اہ دست چپ گیر

آپ تو سمجھے ہوں گے کہ اگر یہ کہیں گے تو انما کے حصر ہونے کو بھی ہم انھیں لفظوں میں مان چکے ہیں۔ اگر ہماری نظر پڑے تو نہ پڑے مگر اس کی (میری) نظر تو ضرور پڑے گی اس وقت تو اور لینے کے دینے پڑیں گے۔ خیر آپ کو اختیار ہے لیکن اگر ذرا بھی غیرت دار ہیں تو اب ارخاء عنان کا لفظ زبان پر نہ لائیے گا۔ آئندہ آپ جانیں اور آپ کا کام۔

اس کے بعد مولوی صاحب وہی مرغ کی ایک ٹانگ ارخاء عنان کی رٹ لگا کر فرماتے ہیں:

''اگر ولی کے معنی حاکم کے ہوں تو بھی کچھ حرج نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس قسم کے عموم بطور استعارہ کے ہوتے ہیں جن کو کلی طبعی طور پر سمجھنا چاہیے پس آیہ کا مطلب یہ ہے کہ خلافت کے اہل وہ لوگ ہیں جن میں یہ صفات پائے جائیں۔ پھر وقت پر جس کا انتخاب ہو وہ خلیفہ اور حاکم اور جس کا نہ ہو وہ محکوم۔ اہلسنت کا یہ مذہب ہے کہ اگر بجائے حضرت ابو بکر کے حضرت علیؑ کا انتخاب ہوتا تو بس وہی خلیفہ اول ہوتے''۔

اس کے بعد آپ نے مینوسپلٹی کے الیکشن کی مثال پیش کی ہے کہ

''جو شخص پانچ ہزار کی مالیت کی غیر منقولہ جائداد وغیرہ رکھتا ہو وہ مستحق انتخاب ممبری ہے۔ اسی طرح یہ صفات باعث استحقاق انتخاب خلافت ہیں پھر وقت پر جس کا انتخاب ہو جائے وہی خلیفہ ہے''۔

مولوی صاحب اسی کو کہتے ہیں: 'رہیں جھونپڑے میں اور خواب دیکھیں محل کا'۔ آپ اور تحریر کی

یہ شان اور وہ بھی میرے مقابل میں۔ خدا کی شان نہیں تو اور کیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے مولوی صاحب اپنے مکتوبات شریفہ میں اپنے خاص مریدوں کو ارشاد و ہدایت فرما رہے ہیں کہ جو سنے وہ حق حق کہتا ہوا اٹھے۔ مولوی صاحب آپ اس وقت مراقبہ میں لشکر کا انتظام تو نہیں کر رہے ہیں یا نماز پڑھنے میں ملکہ تو نہیں پہونچے آپ کے یہ جملے جو وحی منزل من اللہ کی طرح بے دلیل و سند ارشاد فرمائے۔ آپ کے خاص الخاص مریدوں کے سوا کوئی اور بھی مان سکتا ہے پھر اس طرح آپ کی مطلق العنانی تحکم نہیں تو اور کیا ہے۔ یہ تو اجمالی جواب تھا اب تفصیلی سنئے:

مولوی صاحب آپ کا یہ فرمانا کہ ''اس قسم کے عموم بطور استعارہ کے ہوتے ہیں جن کو کلی طبعی کے طور پر سمجھنا چاہئے'' اس کا محصل کیا ہے۔ کیا منطقی ہونے کے یہی معنی ہیں کہ خواہ مخواہ دخل در معقولات کیا کیجئے۔ میں پوچھتا ہوں کہ آپ کے نزدیک کلی طبعی کا وجود فی الخارج ہے یا نہیں۔ اور بہر حال آپ کو استعارہ سے کیا لگاؤ ہے۔ آپ تو ماشاء اللہ بھان متی کا تماشا دکھانے لگے۔ اگر فرض کیا جائے کہ آپ وجود کلی طبعی کے قائل ہیں۔ بس تو یہ ظاہر ہے کہ مجردہ کے وجود کے قائل ہوں گے نہیں۔ کیونکہ اس کا تو افلاطون کے سوا اور کوئی قائل نظر نہیں آتا۔ جس سے مثل افلاطون کی مثل جاری و ساری ہوئی۔ لامحالہ مطلقہ یا مخلوط کے قائل ہوں گے لیکن چونکہ آپ نے دو چار ہی سطروں کے بعد انتخاب کی شرط بھی لگائی ہے۔ لہذا مطلقہ بھی باقی نہیں رہا کیونکہ اس میں مرتبہ لابشرط شئے ہونا ضروری ہے۔ پس مخلوطہ مراد ہوئی۔

اب اگر آپ وجود تعین و تشخص کے قائل ہیں تو لامحالہ آپ کو کلی طبعی و تعین میں اتحاد بالذات والتغائر بالاعتبار ماننا پڑے گا لانہ لا معنی للاشخاص عندھم الا الطبعیۃ الکلیۃ المعروضۃ للتشخص بحیث لا یکون التشخص و التقید بہ داخلین الا فی اللحاظ فقط۔

اور اگر آپ عدمیۃ تعین کے قائل ہیں تو کلی طبعی کا فی الجملہ محسوس ہونا بھی ماننا پڑے گا علی ای

حال جب کلی طبعی موجود فی الخارج ہوئی تو پھر استعداد کے کیا معنیٰ ہوئے کیونکہ استعداد کے معنیٰ تو صلاحیۃ شئی لشئی مع عدم ما یصلح لہ مشہور ہیں۔ پھر وجود وعدم دونوں کیوں کر موجود ہو جائیں گے کیا آپ کے نزدیک انتخاب خلافت کے جواز کے ساتھ ساتھ اجتماع نقیضین بھی جائز ہے۔

اور اگر آپ عدم کلی طبعی کے قائل ہیں اور صرف ہو یہ بسیطہ کو موجود مانتے ہیں تو آپ کا قول بالکل واضح الفساد ہے۔ کیونکہ اس صورت میں استعداد کو کلی طبعی سے کیا سروکار و تعلق رہا۔ مولانا ہر جگہ خواہ مخواہ ایسی منطق نہ گھسیڑا کیجئے کیا آپ نے من کثر کلامہ کثر خطاءہ نہیں سنا ہے۔ یا للعجب ہمارے زمانہ کے قدرداں۔ شاعر سے چاہتے ہیں امامت نماز کی۔

پھر آپ فرماتے ہیں: ”مطلب یہ ہوا کہ خلافت اور حکومت کے اہل ایسے لوگ ہیں جن میں یہ صفات پائے جائیں“۔ کیوں جناب ذرا ایمان سے کہئے گا آیہ کا مطلب یہی ہے۔ کیا میں یہ بیان نہیں کر چکا ہوں کہ حسب تصریح امام رازی یہ آیت انشاء ہے اور جو شخص ان صفات سے موصوف ہو چکا ہے اس کا حاکم ہونا خدا بیان فرماتا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ وہ کون شخص ہے اس کو آئندہ سنئے گا اور میں اس کو آئندہ شان نزول کی بحث میں بتاؤں گا۔ پھر آپ نے یہ کیوں کر کہہ دیا کہ آیہ کا یہ مطلب ہے۔ خیر یہی سہی۔ بفرض محال میں تھوڑی دیر کے لئے مانے لیتا ہوں کہ آپ کا یہی مطلب ہے مگر ذرا ایمان سے تو فرما دیجئے کہ آپ کے خلفاء ثلاثہ میں سے کسی نے (ایمان و اقامہ صلوٰۃ سے قطع نظر کر کے) حالت رکوع میں زکوٰۃ بھی دی تھی جو ان صفات کی تعمیم کا آپ ڈنکا بجا رہے ہیں اس کے بعد جو آپ نے یہ فرمایا ہے کہ اہل سنت کا مذہب ہے کہ اگر بجائے حضرت ابو بکر صدیق کے حضرت علیؑ کا انتخاب ہوتا تو پھر وہی خلیفہ اول ہوئے ہوتے“ صاحب میں اس کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ جس طرح مسٹر حیرت نے بمقابلہ ایڈیٹر پیسہ اخبار لفظ صاحب کی تحقیق کر کے آیہ غار کے لفظ صاحب کے متعلق تمام لن ترانیوں پر پانی پھیر دیا تھا اور سیکڑوں نے بھی اس جملہ کو فرما کر قرآن واحادیث کے سمجھنے میں سنیوں کی بہت سی رکاوٹیں دور کر دیں۔

اور ایک بڑی گہری جہالت کا پردہ اٹھا دیا اور سخت تاریکی میں روشنی ڈال دی اور اپنی اس تحقیق سے یہ صاف بتا دیا کہ حدیثیں جو افضلیت ابو بکر یا خلفاء کی فضیلت یا مرتبت پر دلالت کرتی تھیں اور جہل مرکب کا سبق سکھا رہی تھیں بالکل موضوع اور از سرتا پا گڑھی ہوئی تھیں اور بالکل غلط تھیں ۔جزاک اللہ۔ این کار از تو آید و مرداں چنین کنند۔

مگر اس انتخاب اور پھر اس کے بعد آپ نے مینوسپلٹی کی مثال دیکر الیکشن (انتخاب) کا طریقہ بتایا ہے۔اس کے متعلق مجھے آپ سے صرف اتنا پوچھنا ہے کہ کیوں مولانا کیا الیکشن کے اصول مدنظر کر کے حضرت ابو بکر کا انتخاب ہوا تھا اور کیا جولس دوم (جس نے سلطنت جمہوری کی ابتدا کی تھی) کے وقت سے اس وقت تک کبھی اور کہیں ایسا انوکھا انتخاب ہوا تھا۔کیا یہ الیکشن کے اصول نہیں ہیں:

ا۔سب لوگوں کو تاریخ و وقت الیکشن کی قبل سے اطلاع دی جائے۔

۲۔جلسہ انتخاب میں جو لوگ رائے دینے کا حق رکھتے ہیں ان کی کافی تعداد موجود ہو۔

۳۔امیدواروں کی موجودگی میں سب لوگ اپنی اپنی آزادانہ رائے دیں۔

۴۔غلبہ آرا سے کوئی شخص منتخب کیا جائے۔

اب آپ ذرا ایمان سے فرمایئے گا کہ ان اصول میں سے کس نمبر کی حضرت ابو بکر کے انتخاب سقیفہ بنی ساعدہ (جو بقول صاحب غیاث بدمعاشوں کا اکھاڑا تھا) پابندی کی گئی بجائے اطلاع اور نوٹس دینے کے پہلے سے تلوار کھینچی گئی کہ جو کوئی حضرت کے انتقال کا حال زبان پر لائے گا اس کو مار ڈالوں گا۔اگرچہ آپ اس فعل کو بھی سودائے عشق رسولؐ اور مجذوبانہ فعل قرار دیں گے مگر کیا کوئی عاقل بھی مان سکتا ہے کہ کسی بزرگ کے مرنے کی خبر سن کر کوئی تلوار کھینچے اگر یہ محبت کا جوش تھا تو حضرت ابو بکر سے اس وقت یہ محبت کہاں غائب ہوگئی تھی کیا وہ یار غار باقی نہ رہے تھے۔کیوں مولانا کیا آپ نے بھی اپنے استاد یا کسی بزرگ کے مرنے کی خبر لانے

والے پر تلوار اٹھائی ہے اس کو تو ذرا سی عقل والا آدمی بھی نہایت آسانی سے کہہ سکتا ہے کہ یہ پالیسی محض اسی واسطے تھی کہ لوگوں تک یہ خبر پھیلنے نہ پائے اور ہم کو جو کرنا ہے کر گزریں۔

اور کیا ووٹ دینے والوں کی کافی تعداد موجود تھی؟ کیا بنی ہاشم میں سے کوئی بھی وہاں موجود تھا؟ اور کیا کل مہاجرین یا اکثر وہاں موجود تھے۔ کیا انصار سب حاضر تھے ہرگز نہیں۔ ان لوگوں کا شمار تو انگلیوں پر ہو سکتا تھا۔

اور کیا حضرت علیؑ جو اس کے سچے حقدار تھے وہاں موجود تھے۔ لا واللہ

اور کیا غلبہ رائے سے یہ امر فیصل ہوا تھا ہرگز نہیں اور اگر ایسا نہ ہوتا تو حباب ابن منذر اور حضرت عمر کی جوتی پیزار کیوں ہوتی اور اس قدر دھینگا مشتی کی نوبت کیوں آتی۔

ان سب باتوں کو یہیں چھوڑیئے۔ اگر یہ انتخاب صحیح اور بالکل باقاعدہ تھا تو پھر حضرت عمر نے یہ کیوں فرمایا تھا کہ ابوبکر کی خلافت محض اچانک طور سے ہوئی اور خدا نے اس کے شر سے مسلمانوں کو بچالیا لیکن اگر اب کوئی ایسا کرے تو اس کو قتل کر دو(۱)۔ کیوں مولوی صاحب یہ کیسا بے ضابطہ الیکشن کہ خود سب سے پہلے ووٹ دینے والے صاحب اس کو یوں ستیاناس کر رہے ہیں۔ یہاں تو بقول شخصے۔ باقرار مقر مرقوم بقلم خاص۔ اس الیکشن کا لغو ہونا واضح ہے اور اظہر من الشمس ہے۔ ہاں اس مقام پر حضرت عمر کی پالیسی کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ ابھی کچھ دیر پہلے حاذق الملک اور سول سرجن بنے ہوئے حضرت رسولؐ ہذیان بکنے والا فرما رہے تھے اور ابھی انتقال کی خبر سن کر عشق رسول میں مجذوب بن کر تلوار کھینچی اور پھر چشم زدن ہی میں یہ عشق و جذب بھی رفو چکر ہوا اور سقیفہ میں بڑے مدبر اور اسپیکر اور **اسٹیٹسمین** بن کر حضرت ابوبکر کو اپنی کڑکتی آواز سے خلیفہ بنایا اور اسی اثنا میں لگے ہاتھوں حباب ابن منذر وغیرہ سے دھینگا مشتی بھی کر گزرے اور پھر تھوڑی دیر میں ایک کمانڈر انچیف بن کر مارشل جاری کر دیا کہ

۱۔ مسند احمد، ج ۱، ص ۹۰، حدیث ۳۹۳، تاریخ طبری، ج ۳، ص ۲۰۵، حوادث ۱۱ھ وغیرہ۔

اب جو ایسا کرے اسے قتل کر دیا جائے

هفتصد و هفتاد و قالب دیده ام　　　　مثل سبزه بارها روئیده ام

مولوی صاحب! ذرا خدا کو حاضر و ناظر جان کر تفسیر القرآن بالقرآن کے قاعدے سے ان افعال و اقوال کو جمع کر کے فیصلہ تو کیجئے کہ آپ کا مطلب کیا ہوتا ہے۔

اس کے بعد مولوی صاحب نے بڑے دعوے سے شرط انتخاب کی دلیل بھی بیان کی ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ:

> آپ تو مان چکے ہیں نہ مانیں گے تو ماننا پڑے گا کہ سیاق و سباق کا لحاظ ضروری ہے۔ پس اس اصول کے مطابق اس آیہ سے آگے کے الفاظ دیکھئے جس پر پروردگار عالم فرماتا ہے۔ غور سے سنئے: "یا ایھا الذین آمنوا لا تتخذوا الذین اتخذوا دینکم هزواً و لعباً من الذین اوتوا الکتاب من قبلکم والکفار اولیاء"
>
> یعنی (بقول آپ کے) اے مسلمانو! کافروں کو خلیفہ اور حاکم مت بناؤ اس کلام ہدایت نظام میں جس فعل کی نفی اور جس سے نہی کی گئی ہے۔ وہ بندوں کا اختیاری فعل اتخاذ (بنانا) ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ پہلی آیت میں جو ولی کی اضافت "کم" کی طرف ہے وہ اضافت مفعول کی فاعل کی طرف ہے۔ جس سے ثابت ہوا کہ انتخاب شرط ہے۔ مولانا کہئے اسی آیت سے ثابت ہوا یا نہ کہ خلیفہ وقت وہی ہے جس کو قوم باختیار خود انتخاب کرے

"

الجواب:

واہ واہ مولانا کتنا زبردست اور مستحکم استدلال ہے میں اس کی داد ضرور دوں گا کہ آپ نے اچھے سفسطہ کی جال پھیلائی ہے۔ حضرت مجھے تو اس وقت بے ساختہ یہ مثل یاد آئی کہ الٹے چور کو کوتوال ڈانٹے۔

مولوی صاحب! آپ اور انتخاب کی شرط ثابت کریں۔ اور وہ اس آیت سے اور وہ بھی میرے مقابلہ میں۔ جل جلالہ۔ آپ نے تو ریشم میں ٹاٹ کا پیوند بھی نہ لگایا غضب خدا کا۔ خدا تو یہ فرمائے کہ کافروں کو خلیفہ اور حاکم نہ بناؤ۔ جس کا صاف وصریحی مطلب یہ ہے کہ تم کو خلیفہ اور حاکم بنانے کا اختیار اور حق نہیں ہے یہ صرف خدا کے اختیار میں ہے اور آپ الٹی گنگا یہ بہار ہے ہیں کہ اس نے ہم کو انتخاب کا اختیار دیا ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ آپ نے ان آیات پر غور نہیں کیا۔ وجعلنا هم ائمة (ہم نے ان لوگوں کو امام بنایا) و انی جاعل فی الارض خلیفه (اے آدم تم کو زمین میں خلیفہ بنانے والا میں ہوں) انی جاعلك للناس اماما (اے ابراہیم میں تم کو لوگوں کا امام بناؤں گا) یا داؤد انا جعلناك خليفة فى الارض (اے داؤد میں نے تم کو زمین میں خلیفہ بنایا) افسوس اے معاذ اللہ خدا سے غلطی ہوئی کہ اس نے یہ نہ کہہ دیا کہ اے آدم و ابراہیم و داؤد مولوی ثناء اللہ صاحب تم لوگوں کو خلیفہ بنائے گا۔

مولوی صاحب! خدا سے ڈریئے کیا آپ کو یاد نہیں کہ اتخاذ (بنانے) کی بدولت بنی اسرائیل کی کیا گت بنی کہ آخر خدا کو یہ کہنا پڑا "یا قوم انكم ظلمتم انفسكم باتخاذ كم العجل فتوبوا الى بارئكم فاقتلوا انفسكم " حضرت ذرا یہ بھی تو خیال کیجئے کہ جب انبیاء کو یہ اختیار نہ تھا کہ اپنا نائب خود سے بنا سکیں اور اسی بنا پر حضرت موسیٰ کو یہ دعا کرنی پڑی "واجعل لی وزیرا من اهلی هارون اخی " خداوندا! میرے اہل سے میرے بھائی ہارون کو میرا وزیر قرار دے۔ اور خدا نے جواب میں ان سے کہا "وجعلناه اخاه هارون

وزیرا "۔ہم نے ان کے ساتھ ان کے بھائی ہارون کو ان کا وزیر بنایا تو آپ لوگ بے چارے کس شمار و قطار میں ہیں جو آپ کو نائب نبی اور وہ بھی ختم المرسلین کا نائب بنانے کا اختیار دیا جائے گا مولوی صاحب! افسوس آپ نے اس آیت کے الفاظ پر بھی غور نہیں کیا۔ دیکھئے خدا نے اتخاذ کو مکرر بیان کر کے یہ بتا دیا ہے کہ جس طرح کفار کا تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل بنانا لغو اور باطل ہے اسی طرح تمہارا خلیفہ بنانا لغو اور باطل ہے۔

کہئے مولانا اس آیت سے ثابت ہوا نہ کہ خلیفہ بنانے کا اختیار قوم کو نہیں ہے مولوی صاحب مجھے حیرت ہے کہ آپ لوگ ایک جگہ مسئلہ جبر و اختیار میں اس قدر اپنا سر ڈال دیتے ہیں کہ اپنے کو فاعل مختار نہیں جانتے اور بالکل مجبور اور صرف الہ فرماتے ہیں اور خیرہ و شرہ کلہ من اللہ تعالیٰ کا دن رات وظیفہ رٹا کرتے ہیں اور شراب خواری زنا کاری، چوری، ڈاکہ، غرض، دنیا بھر کے افعال سب خدا کی طرف منڈھتے ہیں۔

اسی بنا پر آپ کے مرشد حضرت سعد شیرازی فرماتے ہیں ۔

گر گزمذت رسد ز خلق رنج	کہ نہ راحت رسد نہ خلق نہ رنج
از خدا داں خلاف دشمن بود دست	کہ دل ہر دو در تصرف اوست
گرچہ تیر از کمان ھمی گزرد	از کماندار بیند اھل خرد

اور خلافت میں ایسے دلیر کہ خدا کا جو فعل خاص ہو اس کو بھی چھینے لیتے ہیں۔ یاللعجب۔

خدا کے واسطے کچھ تو شرمایئے اگر اس پر بھی تشفی نہ ہوئی ہوگی تو اور سنئے اور ذرا غور سے سنئے اور تھوڑا ایمان سے سنئے: پارہ (۲۰) سورہ قصص، آیت ۶۸: "وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ" (اور تمہارا پروردگار جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے منتخب کرتا ہے اور انتخاب لوگوں کے اختیار میں نہیں) کہئے مولانا اب بھی آپ انتخاب کو خدا سے چھین کے اپنے ہی ہاتھ میں رکھیں گے۔

مولانا تفسیر القرآن بالقرآن یوں کی جاتی ہے۔ انتبہ یا ایھا النائم قم فما ذالک السیات الھائم

ہاں ذرا لگے ہاتھوں یہ تو فرمایا جائے کہ ولی کی اضافت ''کم'' کی طرف اضافت مفعول کی فاعل کی طرف کیوں کر ہے۔ یہ ایجاد بندہ قاعدہ آپ نے کہاں سے نکالا ۔ افسوس سیبویہ اور خلیل سب مر گئے ورنہ آپ کے ہاتھ چومتے ۔ ذرا مہربانی کر کے بتا دیجئے کہ یہ اضافت کی کون سی قسم ہے اور اضافت لفظیہ ہے یا معنویہ ۔ مولوی صاحب آپ نے تو مولوی فاضلیت کا بھی ناس کر دیا۔ شرم شرم ۔ اگر ولی اور ''کم'' فاعل و مفعول ہے تو اس کا فاعل فعل یا مشبہ فعل کون ہے کیا انما کو فاعل فرمائیں گے اور اگر آپ کا مطلب یہ ہے کہ اضافت اسم مفعول کی فاعل کی طرف اور فاعل سے مراد نائب فاعل ہے تو یہ صحیح نہیں کیونکہ ولی اسم مفعول نہیں آیا ہے ۔ مولوی صاحب ہوش میں آ کر باتیں کیا کیجئے ۔ میں آپ کا دوبارہ شکر گزار ہوں کہ آپ نے میرا مطلب اچھی طرح ثابت کر دیا اور بغیر میرے کہے ہوئے ولی کے مفعول اور ''کم'' کے فاعل ہونے کے قائل ہو کر اس کو مان گئے کہ مضاف اور مضاف الیہ میں تغایر ہوتا ہے۔

ہوا ہے مدعی کا فیصلہ اچھا مرے حق میں   زلیخا نے کیا خود پاک دامن ماہ کنعان کا

اس کے بعد مولوی صاحب کو میرے اس استدلال پر (کہ اگر بفرض محال ولی کے معنی ناصر و محب ہی کے لئے جائیں تو بھی الذین آمنوا سے کل مومنین مراد لینے میں ہر شخص کا ناصر و منصور ہونا لازم آئے گا وھو محال) بہت ہنسی آئی ہے اور بڑے زوروں میں آپ نے قہقہہ لگایا ہے اور اس کو بالکل ایک لغویات قرار دی ہے مگر مجھے افسوس کے ساتھ مولوی صاحب کی منطقیت پر ہنسی آتی ہے ۔ مولوی صاحب افسوس آپ کو معقولین کا یہ مشہور فقرہ بھی یاد نہیں رہا ولولا الاعتبارات لبطلت الحکمۃ میں پھر دعوے کے ساتھ کہتا ہوں ناصر کا (من حیث ھو ناصر و منصور من حیث ھو منصور) ہونا محال ہے آپ کو اس پر کچھ اعتراض ہو تو فرمائے اور خالی ہنس

دینے کا جواب نہیں۔ بلکہ اس کے جواب میں جواب جاھلاں باشد خموشی کہہ کر چپ رہوں گا۔

ہاں! اور ابھی تو آپ گزشتہ صفحہ میں فرما چکے ہیں کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ خلافت کے اہل ایسے لوگ ہیں جن میں یہ صفات پائے جائیں۔ پھر ابھی وہ صفات کہاں غائب ہو گئے۔ کیا آپ کے نزدیک دنیا بھر کے مسلمان مستحق خلافت ہیں؟ اب میں سمجھا آپ اپنے کو بھی مستحق خلافت سمجھتے ہوں۔ اور مولوی صاحب ابھی تو آپ مضاف اور مضاف الیہ کے تغائر کا دم بھرتے تھے وہ کہاں تشریف لے گئے دونوں متحد ہوگئیں۔ واہ شاباش واقعی آپ منطقی ہونے کے علاوہ بڑے نحوی بھی ہیں۔ ماشاء اللہ ایں خانہ تمام آفتاب است۔

اس کے بعد مولوی صاحب لفظ زکوٰۃ کی تحقیق کے متعلق اپنے پرچہ اہلحدیث مورخہ ۴ محرم ۱۳۲۹ھ میں رقمطراز ہیں: مگر فضل خدا سے نہ تو کسی اعتراض کا جواب ہے نہ کسی استدلال پر اعتراض ہے۔ صرف رونا اس بات پر ہے کہ تم امام رازی کو اور ابن تیمیہ کو کوستے ہو برا کہتے ہو۔ بس اللہ اللہ خیر سلاّ۔

میں اس کے جواب میں بجز اس کے کیا کہوں کہ مولوی صاحب کی اب وہی مثل ہے کہ ”کھٹے انگور کون کھائے“۔

یہاں تک تو مولوی ثناء اللہ صاحب کا جواب الجواب تھا۔ اب ناظرین اصل مضمون ملاحظہ فرمائیں:

چھٹا مقدمہ

وھم راکعون کے مراد کی تحقیق

اس پر تمام مفسرین کا اتفاق ہے کہ یہ واو واؤ حالیہ ہے اور کسی نے اس میں اختلاف نہیں کیا ہے چنانچہ نمونہ کے طور پر چند اقوال ملاحظہ ہوں:

۱۔ مدارک التنزیل مصنفہ ابو البرکات نسفی جلد اول ص ۱۶۷ مطبوعہ احمدی ۔للحال ای یوتونھا فی حال رکوعھم فی الصلوٰۃ ۔(۱) (وہ نماز کے رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں)

۲۔ تفسیر حسینی جلد اول ص ۲۷۰، چاپ کلکتہ: وحالانکہ ایشاں الخ (۲)

۳۔ تفسیر کشاف دوم جلد اول مطبوعہ مصر، الواؤ فیہ للحال (۳) اس میں واؤ حال کا ہے۔

۴۔ تفسیر بیضاوی، جلد اول ص ۱۸۸ (وھم راکعون) متخشعون فی صلوتھم و زکوتھم و قیل ھو حال مخصوصہ بیوتون ای یوتون الزکوٰۃ فی حال رکوعھم فی الصلوٰۃ (۴) یعنی وہ لوگ اپنی نماز وزکوٰہ میں خشوع کرتے ہیں اور کہا گیا ہے کہ جملہ خاص یوتون کا حال ہے یعنی وہ لوگ نماز میں اپنے رکوع کی حالت میں زکوٰۃ دیتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ تمام مفسرین اس کے مفسر ہیں کہ یہ واو حالیہ ہے اور یہ جملہ حالیہ ہے اور اس میں کسی کو اختلاف نہیں ہے۔ ہاں اختلاف ہے تو اس میں کہ آیا یہ حال یقیمون الصلوٰۃ و

۱۔ جلد ۱ ص ۴۵۷۔

۲۔ تفسیر حسینی، ج ۱ ص ۱۳۳۔

۳۔ تفسیر کشاف، ج ۱ ص ۶۲۴۔

۴۔ تفسیر بیضاوی، ج ۱ ص ۲۷۲۔

یوتون الزکوٰۃ دونوں کا ہے یا صرف جملہ اخیر یوتون کا جس کی طرف بیضاوی صاحب نے نہایت تعصب سے (قیل بطور تضعیف) اشارہ کیا ہے اور قول اول کو اپنا مختار قرار دیا ہے۔ اب اس پر غور کرنا چاہئے کہ آیا بیضاوی صاحب کا یہ قول (کہ دونوں کا حال ہے) صحیح ہے یا یہ قول صحیح ہے کہ صرف یوتون کا حال ہے و اذا بطل احدھما ثبت الآخر۔

میں کہتا ہوں کہ اس جملہ کا تعلق دونوں سے ہونا بہ چند وجوہ لغو اور باطل ہے:

ا۔ میں اپنے آئندہ مقدمے میں ثابت کروں گا کہ رکوع کے اصلی معنی جھکنے کے ہیں اور خشوع معنی مجازی ہیں اور یہ تمام علماء کی تصریحات و مسلمات سے ہے کہ جب تک کوئی قرینہ صارفہ معنی حقیقی سے نہ ہو اس وقت تک معنی حقیقی کو چھوڑ کر معنی مجازی کو اختیار نہیں کرتے اور یہاں کوئی قرینہ صارفہ نہیں ہے لہذا رکوع کے معنی خشوع کے نہیں لے سکتے ہیں۔ اور جب رکوع کو معنی خشوع میں لینا ناممکن ہے تو دونوں سے حال قرار دینا بھی ناممکن کیوں کہ رکوع کا اپنے اصلی معنی میں مستعمل ہونا اور پھر دونوں کا حال ہونا بدیہی البطلان ہے کما لا یخفی علی من لہ ادنیٰ تأمل۔

۲۔ تمام لغویین کی تصریحات سے ہے کہ حال کی دو قسمیں ہیں: موکدہ (جس کی شان سے یہ ہے کہ جب تک ذوالحال موجود ہو غالباً اس سے منتقل نہ ہو جیسے زیدٌ ابوك عطوفاً فان الا بوۃ من شانہا العطوفۃ غالباً)۔

۳۔ منتقلہ جو اس کے برعکس ہو۔ جیسے جاءنی زید راکباً۔ میرے پاس زید سوار ہو کر آیا۔ کیونکہ زید اکثر سوار نہیں رہا کرتا۔

اب یہ بات بالکل واضح ہے کہ اگر راکعون کو یقیمون الصلوٰۃ کا ہی حال قرار دیں گے اور راکعون کو خاشعون کے معنی میں استعمال کریں گے تو حال منتقلہ ہرگز نہ ہوگا بلکہ یقینی موکدہ ہوگا۔ لان من شان مقیم الصلوٰۃ ان یکون خاشعاً نماز گزاروں کی

شان یہ ہے کہ خاشع ہو۔ خصوصاً ہمارے مخاطب دوست کے مذاق کے موافق کہ وہ ان صفات کو انتخاب کے ساتھ خلافت کے اسباب وعلل میں قرار دیتے ہیں پھر کیوں کر ہوسکا ہے کہ شیعہ کی نماز اور خشوع کے ساتھ نہ ہو۔ اور حال موکدہ کی شرائط میں سے یہ ہے کہ وہ تنہا واؤ یا ضمیر واؤ کے ساتھ نہیں آسکتا۔ چنانچہ شارح کہتے ہیں:

"وھذا ای الربط بالواؤ وحدھا او بھا الضمیر انما یکون فی الحال المنتقلہ وما فی الموکدۃ فلا یجوز الواؤ وتقول ھو الحق لا شك فیہ و ذلك لان الواؤ لا تدخل بین الموکد والموکدۃ لشدۃ الاتصال"

یعنی تنہا واؤ یا ضمیر کے ساتھ صرف حال منتقلہ میں جائز ہے موکدہ میں واؤ کسی طرح جائز نہیں ہے جیسے ھو الحق لا شک فیہ کیونکہ واؤ موکد وموکدۃ کے درمیان شدت اتصال کی وجہ سے نہیں آسکتا"۔

اور اس آیت میں راکعون ضمیر اور واؤ دونوں کے ساتھ آیا ہے پس معلوم ہوا کہ نہ راکعون کو معنی میں خاشعون کے لے سکتے ہیں اور نہ راکعون کو یقیمون کا حال قرار دے سکتے ہیں۔ کیونکہ معاذ اللہ خداوند عالم کے کلام میں ایسی فاحش غلطی نہیں ہوسکتی بلکہ اگر متکلم حکیم کو دونوں جملوں کا حال قرار دینا مقصود ہوتا تو ھم راکعون کی جگہ راکعین کہہ دیتا۔

۴۔ یہ بھی نحویین کی تصریحات ومسلمات سے ہے کہ حال منتقلہ ہمیشہ اپنے عامل کی قید ہوا کرتا ہے اور موکدہ قید نہیں ہوا کرتا۔ مقصود یہ ہے کہ اگرچہ لحاظ وعنوان میں ہر حال اپنے عامل کی قید اور مخصص ہوا کرتا ہے مگر حقیقۃً معنون کا مخصص صرف منتقلہ ہوتا ہے اور خداوند عالم کا مقصود بھی آیہ مبحوثہ میں حال منتقلہ ہی ہے۔ کیونکہ مطلب یہ ہے کہ تمہارا حاکم خدا اور رسول کے علاوہ وہی شخص ہے جس نے حالت خاص میں زکوۃ دی۔

لیکن جب راکعون کو بہ معنی خاشعون لیں گے اور حال موکدہ بنائیں گے تو یہ حال نہ اپنے عامل کے صفت قید ہوگا نہ اس کا مخصص ھذا اخلف۔

اب ناظرین بیضاوی صاحب اور ان کے تابعین کے تعصب کی داد دیں اور غور کریں ان حضرات نے جناب امیرؑ کے فضائل کے مٹانے میں کون سی ممکن کوشش ہے جو اٹھا نہیں رکھی اور کون سا دقیقہ ہے جو چھوڑ دیا متن قرآن مجید کی آیتوں کے بھی خواہ مخواہ معنی بدل دینے اور فاش غلطیوں میں مبتلا ہو جانے کی بھی پرواہ نہیں کرتے۔

کوئی کیا چل سکے گا اس خرام ناز سے بڑھ کر
قیامت کا تمہارے ٹھوکروں میں دم نکلتا ہے

ساتواں مقدمہ

لفظ رکوع کی تحقیق

رکوع کے اصلی وحقیقی معنی جھکنا، پشت خم کرنا ہے اور اس کے تمام اہل لغت متفق اللفظ گویا ہیں کوئی اس کا مخالف نہیں۔ چنانچہ نمونہ کے طور پر چند اقوال ملاحظہ ہوں:

۱۔صحاح جوہری (جو کتب لغاۃ میں مثل صحیح بخاری کے ہے) جلد اول ،ص ۵۹۴ مطبوعہ مصر الرکوع الانحناء منہ رکوع الصلوٰۃ و رکع الشیخ انحنی من الکبر (۱) رکوع کے معنی جھکنے کے ہیں اور اسی سے رکوع نماز ہے اور رکوع الشیخ کے معنی بڑھاپے کی وجہ سے جھک گیا۔

۲۔ذکرطبری ۔قال الخلیل کلشی ینکب بوجھہ فتمس رکبۃ الارض او تمس بعد ان تطاطی راسہ فھو راکع (۲) خلیل نے کہا ہے جو شخص اپنے رخ کی طرف اتنا جھکے کہ اس کے گھٹنے زمین سے لگ جائیں یا اس کے گھٹنے سر جھکانے کے بعد زمین سے لگ جائیں تو وہ راکعون کہلاتا ہے۔

۳۔قال لبید اخبر اخبار القرون التی مضت ادب ما لی کلما قمت راکع (۳) لبید نے کہا ہے میں گزشتہ لوگوں کی خبر بیان کرتا ہوں اور اس طرح چلتا ہوں کہ جب کھڑا ہوتا ہوں تو گویا راکع ہوں۔

۱۔صحاح ،ج ۳،ص ۱۲۲۲۔

۲۔المخصص ،ج ۴،ص ۵۷۔

۳۔دیوان لبید، ج ۱،ص ۵۷۔

۴۔قال ابن درید الراکع الذی یکبو علی وجهه و منه الرکوع فی الصلوٰۃ(۱) ابن درید نے کہا ہے کہ جو اپنے رخ کی طرف جھک جائے وہ راکع ہے۔

ان اقوال سے بہت اچھی طرح واضح ہوگیا کہ رکوع کے اصلی و حقیقی معنی جھکنے کے ہیں اور اسی سے رکوع نماز ہے اور اس کے علاوہ جتنے معنی ہیں مجازی یا تشبیہی ہیں اور یہ بھی بالکل واضح اور علمائے عربیت و اصول کے مسلمات سے ہے کہ جب تک معنی حقیقی مراد ہونا ممکن ہو مجازی معنی مراد نہیں لے سکتے۔ یہی نہیں بلکہ جب تک کوئی قرینہ حقیقی معنی کے مراد ہونے کا نہ پایا جائے، مجازی معنی مراد نہیں ہوسکتے۔ اسی وجہ سے علمائے عربیت نے مجازی کی تعریف میں مع قرینہ عدم ارادہ (جب حقیقی معنی کے مراد نہ ہونے کا قرینہ پایا جائے) کی قید کردی ہے اور آیہ مبحوثہ میں واضح ہے کہ کوئی قرینہ رکوع کے اصلی معنی مراد لینے سے مانع نہیں ہے بلکہ شان نزول وغیرہ بہت سے قرائن اس کے موید موجود ہیں کہ حقیقی ہی مراد ہیں۔ خضوع اور خشوع وغیرہ مجازی معنی کسی طرح مراد نہیں ہوسکتے۔ وھوالمطلوب

۱۔جمھرۃ اللغۃ، ج۲،ص ۷۰ ۲۔

آٹھواں مقدمہ

شان نزول کی تحقیق

جہاں تک میری قاصر نظر پہونچی ہے اس امر میں کہ یہ آیت کس کے بارے میں نازل ہوئی۔صحیح ہوں یا غلط چھ اقوال ہیں:

ا۔حضرت ابو بکر بن ابو قحافہ، ۲۔عبادہ بن صامت، ۳۔عبد اللہ بن سلام، ۴۔حضرت علیؑ، ۵۔ اصحاب رسول، ۶۔تمام مومنین۔

پہلا قول: یعنی اس آیت کا حضرت ابو بکر کی شان میں نازل ہونا

اس کے بانی و موجد حضرت عکرمہ ہیں جو باتفاق علمائے رجال ناصبی ہیں اور روایت چونکہ ماشاء اللہ بہت سچی اور از سرتا پا راستی میں ڈوبی ہوئی اور سیاق وسباق اور قرائن حالیہ مقالیہ سے آراستہ تھی اس وجہ سے شاید دو تین آدمیوں کے سوا کسی نے ذکر تک نہیں کیا۔مشہور، مروج اور قابل وثوق جتنی تفسیریں ہیں سب کو ایک ایک کر کے دیکھ جائیے کہیں اشارۃً بھی اس قول کا پتہ نہ پایئے گا۔درمنثور جس کی نسبت اگر چہ خود علامہ سیوطی مصنف کتاب نے تصریح کر دی ہے کہ اس میں ہم نے انھیں روایات کو ذکر کیا جو باسناد عالی ہم تک پہونچی ہیں مگر اسے بعض نا قابل اعتبار متعصبین ذخیرۂ محض اور ہر رطب و یابس کا جامع کہتے ہیں اس میں بھی اس روایت کا کنایہ تک ذکر نہیں ہے۔غرض اس روایت کے راوی اول یا مخترع وموجد عکرمہ ہیں۔ان کی روایت کو مفسرین میں سے دو شخصوں نے ذکر کیا ہے:

ا۔امام فخر الدین رازی اپنی تفسیر کبیر، ج ۴،ص ۴۳۱ مطبوعہ مصر میں تحریر فرماتے ہیں:

"القول الثانی ان المراد من هذه الآیة شخص معین و

علی ھذا ففیه اقوال الاول روی عکرمه ان ھذہ الآیة نزلت فی ابی بکر"(۱)

ترجمہ: الذین آمنوا کے بارے میں دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے شخص معین مراد ہے۔ اور اس بنا پر اس میں چند اقوال ہیں۔ پہلا قول عکرمہ نے روایت کی ہے کہ یہ آیت حضرت ابوبکر کے بارے میں نازل ہوئی ہے"۔

۲: قریب قریب انھیں الفاظ میں اس روایت کو تفسیر نیشاپوری (۲) میں ذکر کیا ہے بلکہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں میں سے ایک نے دوسرے کی تاسی اور تقلید کی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

"القول الثانی ان المراد شخص معین وجئ به علی لفظ الجمع لیرغب الناس فی مثل فعله ثم ان ذلك الشخص عن ھو روی عکرمه انه ابوبکر (۳)

ترجمہ: دوسرا قول یہ ہے کہ الذین آمنوا سے مراد شخص معین ہے اور جمع کا صیغہ اس واسطے لایا گیا تاکہ لوگ اس کے ایسے فعل کی طرف

۱۔ تفسیر کبیر، ج ۱۲، ص ۲۶۔

۲۔ تفسیر نیشاپوری اصل میں کوئی مستقل تصنیف نہیں ہے۔ بلکہ تفسیر کبیر کا خلاصہ ہے۔ چنانچہ خود خطبہ میں لکھتے ہیں: لما کان تفسیر الکبیر فحازیت سیاق مرامه واوردت حاصل کلامه و قربت مسالك اقدامه والتقطت عقود نظامه من غیر اخلال لشئی من الفوائد۔ لہذا یہ قول نیشاپوری کوئی قول علیحدہ نہیں ہے بلکہ وہی روایت تفسیر کبیر ہے، ج ۱، ص ۶۔ ہاں شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالۃ الخفاء میں چند جگہ پر اس روایت موضوع سے تمسک کیا ہے۔ ۱۲۔ احقر: مدیر اصلاح (علامہ علی حیدر نقوی)۔

۳۔ تفسیر نیشاپوری، ج ۲، ص ۶۰۵۔

رغبت کریں پھر یہ شخص کون ہے۔ عکرمہ نے روایت کی ہے کہ ابو بکر ہیں۔

مگر یہ قول روایت بہ چند وجوہ باطل ہے:

ا۔ روایت مرسل و مقطوع ہے کیونکہ اس کے راوی اول عکرمہ ہیں جو تابعی تھے صحابی نہیں تھے (یہ زمانہ رسولؐ میں موجود نہ تھے) انھوں نے حضرت رسولؐ کے زمانہ میں جتنے لوگ موجود تھے ان میں سے کسی شخص سے اس روایت کو نہیں سنا اور نہ ان لوگوں میں سے کسی نے عکرمہ سے بیان کیا۔ ورنہ اس کی طرف نسبت ضرور دیتے۔ پس یہ عکرمہ کا طبعزاد مضمون ہے۔ لہذا اس کو روی عکرمہ کہنا غلط ہے قال عکرمہ لکھنا اور کہنا چاہئے۔

۲۔ کوئی صحابی تو درکنار کسی معمولی شخص نے بھی جو زمانہ رسولؐ یا نزول آیت کے وقت موجود تھا اس روایت کو ذکر نہیں کیا جس سے معلوم ہوا کہ نزول آیت کے وقت سے عکرمہ کے ہوش و حواس درست ہونے تک یہ مضمون عدم کی تاریکی میں تھا اور کسی کے ذہن اور دماغ نے اس پر روشنی نہ ڈالی تھی۔ حضرت عکرمہ کے قدموں کی برکت تھی کہ یکبارگی یوں جگمگا اٹھا۔

کیا کوئی عاقل ایسے قول و روایت کی پر پشہ کے برابر بھی وقعت کر سکتا ہے۔ حاشا و کلا ہر گز نہیں۔

۳۔ خود حضرت ابو بکر یا ان کے حوارییں نے، جب کہ منا امیر و منکم امیر کی معرکۃ الآرار جز خوانی ہو رہی تھی اور ہر شخص اپنے اپنے فضائل کے اظہار پر کمر کسے ہوئے تھا یا کسی اور وقت ان کے فضائل میں اس آیت کا ذکر نہیں کیا حالانکہ معمولی معمولی فضیلتیں کس شدومد سے بیان کی گئیں اور اب بھی علی رئوس الاشہاد بیان کی جاتی ہیں۔ ایک آیت غار ہی کو دیکھئے کہ اگر چہ اس سے حقیقتاً حضرت ابو بکر کی مذمت نکلتی ہے مگر یاران طریقت گھما پھرا کر ہزاروں لن ترانیاں کرتے اور خدا جانے مدح و ثنا کے کتنے نغمے گائے جاتے ہیں ۔

شرم نکو تر بود در حق یاران او

اور اگر اس آیت کے نزول کا شائبہ بھی حضرت ابو بکر کی طرف ہوتا تو تمام اصحاب غار اپنی ایڑی چوٹی کا زور لگا کر بڑے میاں کو قعر مذلت سے نکال کر، عرش بریں تک پہونچاتے۔ بلکہ سچ یوں ہے کہ اگر یہ آیت ان کے بارے میں نازل ہوتی تو نہ سقیفہ میں جانے کی ضرورت تھی نہ الیکشن وانتخاب کی احتیاج تھی نہ حضرت عمر کی للکار اور بیعت درکار تھی نہ اجماع کے آڑ کی حاجت تھی بلکہ یہ سب کچھ لغو اور بیکار تھا۔ صرف یہی ایک آیت ثبوت خلافت کے لئے کافی اور بس تھی۔

۴۔ تفسیر کی جتنی کتابیں مروج اور مشہور ہیں خواہ قابل وثوق ہوں یا نہ ہوں جیسے بیضاوی ،کشاف، جلالین، مدارک التنزیل، درمنثور، حسینی، ثعلبی وغیرہ۔ ان میں سے کسی نے اس قول و روایت کو قابل ذکر نہ سمجھا اور نہ ذکر کیا۔ ورنہ اگر اس قول و روایت میں ذرا بھی سچائی کا شائبہ ہوتا اور کچھ بھی کل پرزے سے درست ہوتی تو ممکن نہ تھا کہ یہ لوگ تنکے کا پہاڑ اور رائی کا پربت نہ بناتے۔ اور کچھ نہیں تو کم از کم احتمال ہی پیدا کر دیتے۔

۵۔ عکرمہ کی عداوت اہلبیت رسول کے ساتھ بہت اچھی طرح مشہور و معروف ہے۔ چنانچہ اسی مناظرہ کی بحث اہلبیت میں ان کا کچھ ذکر خیر ہو چکا ہے اور تمامی اہلسنت کو اقرار ہے یہ خارجی تھے۔ بلکہ فرقہ اباضیہ سے تھے جو جناب امیرؑ اور عثمان سے تبرا کرتے اور قتال ان سے جائز۔ اور یہ بھی صاحبان بصیرت کو معلوم ہے کہ تفسیر کے ہر موقع پر یہ لوگ نئی اَپچ کی لیا کرتے ہیں اور ہر جگہ اہلبیت کے مقابلہ میں نہایت مکروہ موضوعات بناتے۔ پس این هم اندر عاشقی بالائے غمهاے دگر۔ ایک منگرھت یہ بھی ہے۔

۶۔ چونکہ یہ قول عکرمہ منگرھت ہے اور اس اختراع کو امام رازی نیشاپوری بھی خوب سمجھتے تھے۔ اسی وجہ سے دونوں میں سے کسی نے اس کی توثیق وتصویب نہیں کی۔ بلکہ یک گونہ دونوں نے تکذیب کی ہے۔ کیونکہ اس روایت کو ان ہی الفاظ میں ذکر کیا ہے جو میں بیان کر چکا۔ بس۔ اور پھر ایک حرف بھی اس کے متعلق نہیں ذکر کیا۔ اور اس کے بعد ہی اس روایت کو ذکر کیا ہے

جو جناب امیرؑ کی شان میں نازل ہونے پر دلالت کرتی ہے اور اس کے ساتھ ہی ساتھ پورا واقعہ مع سبب نزول وغیرہ کے دونوں نے بیان کر دیا ہے (جس کو میں آئندہ ذکر کروں گا) جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں نے اس روایت کو محض 'نقل کفر کفر نباشد' کے قبیل سے نقل کر دیا ہے۔ یا تمام شقوق و احتمالات پر حاوی ہونے کے خیال سے ذکر کر دیا ہے۔

۷۔ یہ قول و روایت اس قدر لغو اور باطل ہے کہ عموماً سنیوں خصوصاً اہلحدیث کے سرمایہ ناز علامہ ابن تیمیہ نے ایسے زوردار لفظوں میں اس کی تکذیب کر دی ہے کہ پھر کسی کو سر اٹھانے اور دم مارنے کا موقع باقی نہیں۔ چنانچہ منہاج السنۃ جلد ۴ ص ۶ پر بذیل آیہ ممدوحہ ارشاد فرماتے ہیں۔

"لهذا السياق مع اتيانه بصيغة الجمع هما يوجب الجمع لمن يرى ذلك علما يقينا لا يمكنه دفعه عن نفسه ان الاية عامة فى كل المومنين المتصفين بهذه الصفات لا تختص بواحد بعينه لا ابى بكر و لا عمر و لا عثمان ولا غيرهم (۱)

ترجمہ: سیاق اور پھر صیغہ جمع کے ساتھ لانا ان امور کو جو شخص جمع کرنا چاہے اس کو ایسا علم الیقین اس بات کا حاصل ہوگا جس کو اپنی نفس سے ہٹا نہیں سکتا کہ آیت تمام مومنین کے بارے میں جو ان صفات سے متصف ہوں شامل ہے۔ اور کسی شخص خاص کے واسطے ہرگز نہیں ہے۔ نہ ابوبکر کے لئے نہ عمر نہ عثمان کے لئے نہ علیؑ کے اور نہ کسی اور کے واسطے"۔

اگرچہ یہ استدلال ابن تیمیہ کا محض تعصب پر مبنی ہے اور صرف جناب امیرؑ کی امامت ثابت نہ ہونے کے واسطے بیان کیا ہے مگر اقرار العقلاء علی انفسھم مقبول اتنا تو ضرور

---

۱ منہاج السنۃ، ج ۷، ص ۲۰۔

ثابت ہوا کہ حضرت ابو بکر کے بارے میں اسی آیت کا نازل ہونا محض لغو اور روز روشن کی طرح باطل ہے۔ وھو المطلوب۔

شادم کہ از رقیبان دامن کشاں گزشتی
گو مشت خاک باھم برباد رفتہ باشد

۸۔ فن حدیث و تفسیر کے بڑے بڑے ماہر اور جانچ پڑتال کرنے والوں نے ایک مسلم اصول یہ بیان کیا ہے کہ اگر کسی آیت کے شان نزول میں مفسرین نے مختلف اقوال بیان کئے ہوں اور سب نے اتنا کہہ دیا ہو کہ یہ آیت فلاں کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور آیت کے الفاظ میں سب اقوال کے شمول کی صلاحیت ہو تو ان ابواب میں باہم منافاۃ نہ سمجھنا چاہئے اور نہ سبب نزول کہنا چاہئے۔ بلکہ اس کو تفسیر بالرائے کہنا مناسب ہے۔ شان نزول میں قابل اعتبار و وثوق وہی قول ہے جس کے ساتھ سبب اور واقعہ بھی بیان کر دیا جائے۔ چنانچہ علامہ جلال الدین السیوطی نے تصریحاً یہ قاعدہ کلیہ اور ضابطہ مسلمہ لباب المنقول فی اسباب النزول اور تفسیر اتقان میں ذکر کر دیا ہے وہ لباب المنقول میں تحریر فرماتے ہیں:

"ما یذکر المفسرین لنزول الایۃ اسبابا متعددۃ و طریق الاعتماد فی ذلك ان تنظر الی العبارۃ الواقعۃ فان عبر احدھم بقولہ نزلت فی کذا والآخر نزلت فی کذا او ذکر امرا آخر فقد تقدم ان ھذا ایراد بہ التفسیر لا ذکر لسبب النزول۔ فلا منافاۃ بین قولھما اذا کان اللفظ یتناولھما فی کتاب الاتقان و حینئذ فحق مثل ھذا ان لا یورد فی اسباب النزول و انما یذکر فی تصانیف احکام القرآن و ان عبر احد بقولہ نزلت فی و

صرح الآخرین کو سبب خلاف فھو المعتمد"(۱)

ترجمہ: اکثر مفسرین نزول کے متعدد اسباب ذکر کرتے ہیں اور اس بارے میں عمدہ اور مضبوط طریقہ یہ ہے کہ بیان کردہ عبارت کو غور سے دیکھا جائے۔ پس اگر ایک نے کہا ہو کہ فلاں کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور دوسرے نے دوسرے کے بارے میں نازل ہونا بیان کیا ہو، تو ہم اس امر کو بیان کر چکے ہیں کہ اس سے مراد تفسیر ہے نزول کا سبب بیان کرنا منظور نہیں ہے۔ پس جب لفظ، دونوں قولوں کے شمول کی صلاحیت رکھتا ہو، تو دونوں میں منافاۃ نہیں ہے۔ چنانچہ ہم نے اس کو تفسیر اتقان میں ذکر کردیا ہے۔ اور اس حالت میں ان چیزوں کو اسباب نزول میں ذکر کرنا چاہئے بلکہ تصانیف احکام قرآن میں۔ ہاں اگر کوئی شخص کہے کہ آیت فلاں کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور دوسرے اس کے خلاف کہے اور اس کے ساتھ سبب کا بھی ذکر کردے تو بس یہی قابل اعتماد و وثوق ہے"

اب تو کسی نادان کو بھی اس روایت وقول کے باطل ہونے میں شک وشبہ نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ اگرچہ عکرمہ نے اس آیت کا حضرت ابوبکر کے بارے میں نازل ہونا گڑھا مگر دروغ گورا حافظہ نباشد، یہ یاد نہ رہا کہ کوئی سبب اور واقعہ بھی گڑھ ڈالیں۔ خلاصہ جب اس روایت کے ساتھ کوئی سبب مذکور نہیں ہے اور جناب امیرؑ کی شان میں نازل ہونے کا ہر راوی نے سبب بھی بیان کردیا ہے۔ پھر اس روایت پر اگرچہ صحیح بھی ہوتی اور کوئی صحابی بھی راوی ہوتا جب بھی وثوق واعتبار نہیں ہوسکتا تھا چہ جائیکہ یہ روایت مقطوع ومرسل ہے اور کوئی صحابی بھی اس کا راوی نہیں ہے تو کوئی عاقل اس پر ہرگز اعتماد و وثوق نہیں کرسکتا۔

۹۔ میں چوتھے مقدمے میں ثابت کرچکا ہوں کہ الذین آمنوا سے عام مومنین کا مراد ہونا

محال ہے اور اس سے خاص شخص مراد ہونا ثابت کر چکا ہوں اور آئندہ ثابت کر دوں گا کہ یہ خاص شخص جناب امیرؑ کے سوا دوسرا ہو ہی نہیں سکتا پس اگر حضرت ابو بکر بھی مراد لئے جائیں تو کلام خدا میں صریحی تناقض لازم آئے گا۔ وهو محال و لو كان من عند غير الله لوجدوا فيه اختلافاً كثيراً۔

۱۰۔ یہ میں اپنے سابق بیان میں ثابت کر چکا ہوں اور آئندہ بھی انشاء اللہ تفصیل سے ثابت ہوگا کہ یہ آیت بیان واقعہ ہے یعنی چونکہ جناب امیرؑ نے حالت رکوع میں زکوٰۃ دی اس وجہ سے خدا نے اس صفت کے ساتھ جناب امیر کو حاکم ارشاد فرمایا۔ اور ظاہر ہے کہ حضرت ابو بکر نے اپنی تمام عمر میں کبھی حالت رکوع میں زکوٰۃ نہیں دی۔ پھر خواہ مخواہ اس آیت کا نزول خلیفہ اول کے واسطے کیوں کر ہو سکتا ہے یہ خدا کے اوپر افترا نہیں ہے۔ اور کیا خدا بھی شوکت عمریہ اور جبروتیت خالدیہ کے رعب میں آگیا اور جھوٹ کا مرتکب ہوا۔ مگر یہ کہا جائے کہ معاذ اللہ رسول کی طرح خدا بھی ہذیان بکنے لگا۔ تو اس کا میرے پاس جواب نہیں۔

تلك عشرة كاملة كافية للناظر البصير والناقد الخبير

اس بیان سے بہت اچھی ثابت ہوگئی کہ حضرت ابو بکر کے بارے میں اس آیت کے نزول کا قول یا روایت دونوں سراسر کذب محض افترا اور بہتان ہے۔ وسيعلم الذين ظلموا اى منقلب ينقلبون۔

دوسرا قول: یعنی اس آیت کا عبادہ بن صامت کے بارے میں نازل ہونا

اس کی حالت بھی قریب قریب وہی ہے جو قول اول کی تھی۔ ملا جلال الدین سیوطی نے در منثور، جلد ۲، ص ۲۹۳ میں یوں ذکر کیا ہے:

"اخرج ابن جرير و ابن ابي حاتم عن عطيه بن سعد قال نزلت فى عبادة بن صامت انما وليكم الله و رسوله

والذین آمنوا الآیہ"۔(۱)

ترجمہ: ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے عطیہ بن سعد سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ آیہ انما ولیکم اللہ عبادہ بن صامت کے بارے میں نازل ہوئی۔

اس روایت کے راوی اول عطیہ بن سعد ہیں جو تابعی تھے۔لہذا یہ روایت بھی مرسل ومقطوع ہے اور کسی طرح قابل وثوق نہیں ہوسکتی۔صحابی یا زمانہ رسول کا کوئی شخص اس کا بیان کرنے والا نہیں۔نہ خود عبادہ بن صامت نے اپنے بارے میں نازل ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔اور نہ جملہ مذاہب اسلام میں سے کوئی مذہب والا ان کی امامت کا قائل ہے۔نہ مشہور تفاسیر بیضاوی، کشاف، جلالین وغیرہ میں سے کسی نے ان کے بارے میں نازل ہونے کا قول یا احتمال اختیار کیا ہے۔نہ اس روایت کے ساتھ سبب کا ذکر ہے۔بلکہ علامہ ابن تیمیہ کے مذکور قول (۲) سے اس روایت کی بھی واضح طور پر تکذیب ثابت ہوتی ہے۔لہذا کسی طرح یہ قول بھی قابل قبول نہیں ہوسکتا۔مگر باوجود ان امور کے اگر جمع بین الروایات کیا جائے اور عبادہ بن صامت کو بھی مثل عبداللہ بن سلام کے منجملہ مخاطبین ولیکم کے قرار دیا جائے تو ہمارا اس روایت کو صحیح فرض کر لینے میں بھی کوئی نقصان نہیں۔اور عبادہ کا منجملہ مخاطبین ہونا محض خیال واحتمال ہی نہیں بلکہ یقینی اور معین بھی ہے اور اس کے خلاف سراسر غلط ہے بلکہ جو لوگ بھی اس کے قائل ہیں کہ یہ آیت عبادہ بن صامت کے بارے میں نازل ہوئی ہے وہ اس کے بھی ضرور قائل ہیں کہ ضمیر "کم" سے جن لوگوں کی طرف خطاب کیا گیا ہے منجملہ ان کے عبادہ بن صامت بھی ہیں۔اس کا کوئی شخص قائل نہیں کہ الذین آمنوا سے مراد عبادہ بن صامت ہیں۔یہ محض میرا ہی خیال

۱۔ در منثور، ج ۲،ص ۱۰۴۔

۲۔ منہاج السنۃ، ج ۷،ص ۲۰۔

نہیں بلکہ سنیوں کے امام فخر الدین رازی بھی ہمارے ہم آہنگ ہیں۔ چنانچہ تفسیر کبیر ،جلد ۳،ص ۴۳۰ پر اسی آیت کی تفسیر کے ذیل میں یوں رقمطراز ہیں:

"المسئلة الاولی فی قوله والذین آمنوا قولان الاول ان المراد عامة المومنین وذالك لان عبادة بن الصامت لما تبرء من الیهود وقال انا بریٔ الی الله من خلف قریظه و نضیروا تولی الله و رسوله فنزلت هذه الآیة علی وفق قوله"(۱)

ترجمہ: پہلا مسئلہ الذین آمنوا کے بارے میں دو قول ہیں: پہلا قول یہ ہے اس سے عام مومنین مراد ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب عبادہ بن صامت نے یہود سے بیزاری اختیار کی اور کہا کہ میں قریظہ اور نضیر سے خدا کے بھروسے پر بیزار ہوں اور خدا اور اس کے رسول کو اپنا سرپرست سمجھتا ہوں تو یہ آیت ان کے کہنے کے مطابق نازل ہوئی"

اس تقریر سے بہت واضح طور پر ثابت ہوا کہ الذین آمنوا سے عبادہ بن صامت ہرگز مراد نہیں ہیں۔ بلکہ اگر آیت کا نزول عبادہ کے بارے میں ہے تو اسی حیثیت سے کہ ان سے خطاب کیا گیا ہے کہ تم اپنا سرپرست فلاں فلاں اور فلاں کو سمجھو اور مانو۔ یہ نہیں کہ خدا اور رسول اور عبادہ بن صامت مومنین کے سرپرست ہیں۔

اس تقریر سے ایک دقیق و جدید فائدہ یہ بھی حاصل ہوا کہ حقیقۃً آیہ انما ولیکم الله کا نزول ہی عبادہ کے بارے میں نہیں ہے۔ بلکہ محض ایک اشتباہ سے یہ روایت اور قول اختیار کیا گیا ہے اور اشتباہ کی وجہ یہ ہے کہ یہ آیت اور اس کے بعد والی آیت "من یتولی الله و

۱۔ التفسیر الکبیر، ج ۱۲، ص ۲۵۔

رسولہ و الذین آمنوا فان حزب اللہ ھم الغالبون ''ایسی بلا فاصلہ اور متصل و مرتبط ہے کہ ایک کی دوسرے سے جدائی، بادی النظر میں محسوس نہیں ہوتی اور حقیقۃً بعد والی آیت، عبادہ وغیرہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ اسی کی تصریح امام رازی کی مذکورہ تقریر سے ثابت ہوتی ہے۔ ذرا غور سے دیکھئے۔ اگر چہ ممکن ہے کہ امام رازی کا ارادہ یہ نہ ہو مگر حق برزبان جاری، قلم سے وہی ادا ہوا جو واقعہ تھا۔ وہ لکھتے ہیں کہ جب عبادہ نے کہا کہ میں خدا اور اس کے رسول کو اپنا سرپرست سمجھتا ہوں تو یہ آیت ان کے کہنے کے مطابق نازل ہوئی اور یہ ظاہر ہے کہ اتولی اللہ و رسولہ (میں خدا اور رسول کو اپنا سرپرست سمجھتا ہوں) کے مطابق من یتولی اللہ و رسولہ (جس نے خدا اور رسول کو سرپرست سمجھا) ہے۔ انما ولیکم اللہ نہیں ہے اس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ جب عبادہ نے یہود سے بیزاری اختیار کی تو اس کے بعد آیہ انما ولیکم اللہ نازل ہوا اور اس کے بعد جب عبادہ نے اس کی تصدیق کی اور اتولی اللہ و رسولہ کہا تب من یتولی اللہ و رسولہ نازل ہوا۔ وھو اعلم بحقیقۃ الحال۔

اس تقریر میں بھی امام رازی اپنے تعصب اور دیانت سے باز نہ آئے اور نقل قول میں بھی الذین آمنوا کو چھوڑ دیا۔ کیونکہ یہ ہو نہیں سکتا کہ عبادہ بن صامت نے صرف اتولی اللہ و رسولہ کہا بلکہ اس کے ساتھ الذین آمنوا بھی ضرور کہا ہوگا اور اس کا ثبوت بھی صرف امام صاحب ہی کی عبارت سے واضح ہوتا ہے کیونکہ خواہ انما ولیکم اللہ کو عبادہ کے حق میں نازل ہونا فرض کریں یا من یتولی اللہ کو، مگر دونوں میں الذین آمنوا موجود ہے پھر اگر عبادہ نے صرف اتولی اللہ و رسولہ کہا اور الذین آمنوا کو چھوڑ دیا تو مطابقت کہاں باقی رہی۔ مطابقت کا انحصار تو صرف اسی میں ہے کہ اتولی اللہ و رسولہ کے ساتھ الذین آمنوا بھی کہے۔

بات یہ ہے کہ جناب امیرؑ کی فضیلت کی ذرا سی جھلک بھی ان لوگوں نے دیکھی تو اس کا ظاہر اور بیان کرنا اس قدر شاق ہوتا ہے کہ اسے بھاری پتھر سمجھ کر صرف چومنا بھی نہیں چاہتے۔ یا وہ ایشائی شعراء کے ہجر کی شب ہوتی ہے کہ کسی طرح کاٹے نہیں کٹتی۔

دوسرا تعصب جو امام صاحب سے ظاہر ہوا وہ بھی فروگزاشت کے قابل نہیں بلکہ ذرا سی دقتِ نظر اور غور سے ملاحظہ کے لائق ہے۔ خود امام صاحب کی تقریر سے ثابت ہوا کہ عبادہ کے حق میں آیہ من یتولی اللہ نازل ہونا پھر باوجود اس کے یہ دیدہ دلیری کہ لوگوں کو کیچڑ میں پھنسائے رہنے کے واسطے، عبادہ کا واقعہ آیہ انما ولیکم اللہ کی تفسیر کے ذیل میں درج کرنا اور من یتولی اللہ کے تحت میں لکھنا، کیسی خوش نیتی اور دیانت ہے۔ مطلب تو یہ ہے کہ کسی طرح اس آیت کا جناب امیرؑ کی شان میں نازل ہونا مشتبہ ہو جائے۔ ساری بے چینی اور کھلبلی اسی کی ہے۔

مگر امام صاحب کی طرف سے یہ معقول معذرت ہو سکتی ہے کہ میرا تو نام ہی امام المشکّکین ہے۔ آخر اسم بامسمیٰ ہونے کے واسطے کچھ تو دلائل ہونے ضروری ہیں۔ تو گویا انھوں نے اپنا فرض ادا کیا۔

اب ایک نہایت حیرت انگیز لطیفہ سنئے اور سمند ناز پر ایک اور تازیانہ دیکھئے اور امام صاحب کی دیانت اور زبردستی کی جادو بیانی کی قلعہ بندی اور میری طلسم کشائی کا تماشا دیکھئے۔

آپ اس کی چند سطر ما قبل والی آیت یا ایھا الذین آمنوا لا تتخذو الیھود والنصاریٰ... الخ کی تفسیر کے تحت میں، ص ۴۲۵ میں ارشاد فرماتے ہیں:

"روی ان عبادہ بن صامت جاء الی رسول اللہ فتبرأ عندہ من موالاۃ الیھود فقال عبد اللہ ابن ابی لکنی لا

اتبرأ منھم لانی اخاف الدوائر فنزلت ھذہ الآیۃ"۔(۱)

ترجمہ: روایت میں ہے کہ عبادہ بن صامت حضرت رسولؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کے سامنے یہود کی موالاۃ سے علیحدگی ظاہر کی تب عبد اللہ ابن ابی بول اٹھا کہ میں تو ان سے بیزاری نہیں کرسکتا کیونکہ میں زمانہ کی گردشوں سے ڈرتا ہوں۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی"۔

دیکھا آپ نے امام صاحب کے اضطراب، پریشانی اور حرکت مذبوحی کو۔ ایک بے چارہ عبادہ بن صامت ہے کہ اسی کو ہر جگہ اچکائے پھرتے ہیں۔ کبھی فرماتے ہیں کہ ان کی بیزاری پر یہ آیت نازل ہوئی کبھی فرماتے ہیں وہ آیت نازل ہوئی۔ اس صریح تناقض کا کیا جواب ہوسکتا ہے؟

اور کیا کوئی شخص اب بھی امام صاحب کو شتر مرغ کی تشبیہ سے بچا سکتا ہے وھم فی طغیانھم یعمھون۔

اس تقریر سے جہاں امام صاحب کا تہافت اور تناقض ثابت ہوا میرے مطلب کی تائید بھی بہت خوبصورتی سے ہوگئی۔ کیونکہ امام صاحب نے یا ایھا الذین آمنوا لا تتخذوا الیھود۔۔۔الخ کی تفسیر کے تحت میں روی (روایت میں ہے) کے ساتھ تحریر فرمایا ہے اور اس آیت مبحوثہ کا عبادہ بن صامت کے بارے میں نازل ہونا محض امام صاحب وغیرہ کا خیالی پلاؤ اور اپنی ذاتی منگوھت ہے اور ما قبل والی کی نزول کی موئد روایت ہے اور یہ واضح ہے کہ روایت کے مقابلہ میں امام صاحب کے قول کی کہاں تک وقعت ہوسکتی ہے۔

بلکہ اس سے آفتاب تاباں کی طرح سے روشن ہوگیا کہ خود امام صاحب کے نزدیک بھی آیہ مبحوثہ کا عبادہ کے بارے میں نازل ہونے کی کوئی روایت نہیں ہے بلکہ عطیہ بن سور کی تفسیر

۱۔ تفسیر کبیر، ج ۱۲ص ۱۵۔

بالرائے اور محض ان کا ذاتی خیال اور قول ہے۔ اور وہ بھی تسلسل و اتصال کی وجہ سے محض اشتباہ سے یہ خیال پیدا ہوا

ہوا ہے مدعی کا فیصلہ اچھا مرے حق میں

زلیخا نے کیا خود پاک دامن ماہ کنعان کا

اس بیان سے بہت اچھی طرح ثابت ہوا کہ یہ قول سرے سے غلط اور علی حالہ ہرگز قابل قبول نہیں یا آیہ من یتولی اللہ سے مرتبط ہے مگر وہ اس طرح سے نہیں کہ عبادہ کو الذین آمنوا کا مصداق یا منجملہ افراد قرار دیں بلکہ عبادہ "من" کے تحت میں شامل ہوں گے اور اگر بفرض محال آیہ انما ولیکم اللہ کا عبادہ کے بارے میں نازل ہونا مانا جائے تو بھی عبادہ نہ الذین آمنوا کے مصداق ہو سکتے ہیں نہ اس میں داخل بلکہ ضمیر "کُم" کے مخاطبین میں سے ایک یہ بھی ہیں۔ بہر حال آیہ انما ولیکم اللہ کے الذین آمنوا سے عبادہ بن صامت کو کوئی تعلق اور لگاؤ نہیں ہے۔ وھو المطلوب

تیسرا قول: یعنی عبداللہ بن سلام کے بارے میں اس آیت کا نازل ہونا:

اس قول پر چونکہ اس کی موید روایت بھی ہے سنیوں کو بڑا ناز ہے بلکہ بعض ناقابل متعصبین اسی کو اصح الاقوال کہتے ہیں۔ بلکہ شیعوں سے قطع نظر کر کے ان لوگوں میں سے شاید ہی کوئی ایسا ہو جو اس آیت کے عبداللہ بن سلام کے بارے میں نازل ہونے سے انکار کرتا ہو بلکہ اہل سنت کے علماء متعصبین اور جناب امیرؑ کے فضائل کے منکرین اور اخفاء مناقب کے مشاقین اور ناصبین عبداللہ بن سلام کو ایک آڑ قرار دے کر انھیں کے بارے میں آیہ مبحوثہ کے نازل ہونے کا ذکر کرتے ہیں اور آسانی سے نزل فی عبد اللہ بن سلام (عبداللہ بن سلام کے بارے میں نازل ہوئی ہے) کہہ کر چلتے پھرتے نظر آتے ہیں۔

مگر یہ نہیں سمجھتے (سمجھتے تو ضرور ہیں مگر زبان سے اقرار نہیں کرتے) کہ اس قول اور

چوتھے قول (آیہ محوشہ کا جناب امیرؑ کی شان میں نازل ہوئی) میں کوئی منافات نہیں ہے بلکہ گویا تلازم ہے اور ایک کا اثبات دوسرے کے ثبوت کو مستلزم ہے۔

بہر حال میں اگر مان بھی لوں کہ یہ روایت بھی صحیح اور یہ قول بھی درست ہے تو بھی میرا مقصود فوت نہیں ہوتا بلکہ بدرجہ اولیٰ ثابت ہوتا ہے۔ اس بناء پر میں اس قول کے مؤید روایتوں کو علیحدہ ذکر نہ کروں گا بلکہ چوتھے قول کے اثبات میں جو روایت یا اقوال شواہد کے طور پر پیش کروں گا انھیں پہلے انھیں روایات و اقوال کو درج کروں گا جو تیسرے قول کی بھی مؤید ہیں۔ اب رہی یہ بات کہ تیسرے قول کے اثبات سے چوتھے قول کو ثبوت کیوں کر لازم آئے گا اس کے چند وجوہ ہیں:

ا۔ عبد اللہ بن سلام کے بارے میں نازل ہونے کی جو روایت بیان کی گئی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

> ”وہ اپنے چند تازہ مسلمان ساتھیوں کے ساتھ حضرت رسولؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے کہ جب سے ہم لوگوں نے یہودیوں کے دین کو چھوڑا اور صدق دل سے مسلمان ہوئے ہیں اس وقت سے ہماری قوم کے لوگ ہمارے دشمن ہو گئے ہیں اور باہم قسم کھا بیٹھے ہیں کہ ہمارے ساتھ ملنا جلنا، کھانا پینا ترک کریں اور ہماری عداوت پر کھلم کھلا کمر بستہ ہیں۔ وطن تو کال کوسوں دور ہے یہاں بھی اس مسجد کے سوا اور کوئی ٹھکانا نہیں۔ کس سے ملیں کس کے پاس بیٹھیں، اب ہمارا نہ کوئی دستگیر ہے نہ سرپرست آخر کیا کریں کیا نہ کریں۔ سخت حیران ہیں۔
>
> وہ اپنی پریشانی کا افسانہ اور ناپرسانی کا شکوہ کر رہی رہے تھے کہ ان کی تشفی و تسلی اور دلاسا کے واسطے خدا نے یہ آیت انما ولیکم اللہ ۔۔۔ نازل

کی۔ مطلب یہ تھا کہ تم لوگ گھبراؤ نہیں خدا و رسول اور وہ شخص تمہارا سرپرست موجود ہے جس نے حال رکوع میں زکوۃ دی۔

اتنے میں ظہر کی اذان ہوئی اور رسولؐ اللہ ان لوگوں کو ساتھ لئے مسجد میں تشریف لائے۔ عبداللہ بن سلام خدا اور رسول کو تو پہچانتے ہی تھے۔ اب اس شخص کا پہچاننا باقی تھا۔ رسولؐ کا فرض تھا کہ عبد اللہ بن سلام کو بھی اور دوسروں کو بھی اس شخص کو پہچنوا دیں۔ مسجد میں پہونچتے ہی ایک سائل پر نظر پڑی اس سے عبداللہ بن سلام کے سامنے پوچھا بھلا تجھے کسی نے کچھ دیا بھی؟ وہ بولا ہاں۔ آپ نے پوچھا کس نے؟ اس نے (حضرت علیؑ کی طرف اشارہ کر کے) عرض کی اس آدمی نے؟ (وہ بھی شاید حضرت علیؑ کو پہچانتا نہ تھا) جو کھڑا ہوا نماز پڑھ رہا ہے۔ آپ نے پھر پوچھا تجھے کس حالت میں دیا؟ وہ کہنے لگا رکوع کی حالت میں۔ یہ سنتے ہی حضرتؐ نے جوش مسرت میں بآواز بلند تکبیر کہی اور اس کے بعد والی آیت "ومن یتول اللہ و رسولہ والذین آمنوا فان حزب اللہ ھم الغٰلبون" کی تلاوت فرمائی"۔

خلاصہ عبداللہ بن سلام کی شکایت پر خدا نے ان کی تشفی کر دی اور بتا دیا کہ فلاں فلاں تمہارے سرپرست و دستگیر ہیں تم گھبراؤ نہیں اور ہراساں نہ ہو۔ فقط یہی نہیں بلکہ یہ بھی خدا نے بتا دیا کہ تمہاری قوم کا قہر و غلبہ نہ رہے گا اگر تم نے سچے دل سے خدا اور رسول و علیؑ کو اپنا سرپرست و حاکم سمجھ لیا تو تمہیں لوگ غالب رہو گے۔

اب مجھے زیادہ توضیح کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی اور سمجھنے والے سمجھ سکتے ہیں کہ اگر مان بھی لیا جائے کہ یہ آیت عبداللہ بن سلام کے بارے میں نازل ہوئی تو بھی جناب امیرؑ کی شان میں

نازل ہونا خود بخود ثابت ہو جاتا ہے۔ میں اپنے دوسرے مقدمہ میں ثابت کر چکا ہوں کہ اس آیت میں ولی کے معنی حاکم و سرپرست کے ہیں۔

پس اگر اس کو تسلیم بھی کرلیں کہ یہ آیت عبداللہ بن سلام کے بارے میں نازل ہوئی تو یہ بھی ضرور ماننا پڑے گا کہ آیہ مبحوثہ الذین آمنوا سے ہرگز عبداللہ بن سلام مراد نہیں ہیں بلکہ کوئی دوسرا شخص ہے۔ کیونکہ اس صورت میں تو آیت کا یہ مطلب ہو جائے گا کہ مومنوں کے حاکم و سرپرست خدا اور رسول و عبداللہ بن سلام ہیں۔

حالانکہ تمام اہل اسلام میں سے کوئی شخص اس کی امامت و حکومت کا قائل نہیں ہے نہ خود عبداللہ بن سلام ہی کبھی بھولے سے اس کے مدعی ہوئے۔ فقط یہی نہیں بلکہ اس صورت میں خدا کا کلام خبط اور بے ربط ہو جائے گا کیونکہ یہاں تو خود عبداللہ بن سلام اس پر رو رہے ہیں کہ ہمارا کوئی دستگیر و سرپرست نہیں۔ پس ضرورت اس کی تھی کہ خدا ان کے سرپرست کو بتا کر ان کی تشفی کر دے نہ کہ خود انہیں کو خواہ مخواہ تمام مومنین کا حاکم و سرپرست کہلائے۔

آپ میاں مانگتے اور دروازے کھڑے درویش
او خویشتن گم است کرا رہبری کند

پس بہت واضح طور پر ثابت ہوا کہ ولیکم کے "کم" کا خطاب عبداللہ بن سلام وغیرہ کی طرف ہے اور الذین آمنوا سے مراد کوئی دوسرا بزرگ ہے جس کو خدا نے تمام مومنین کا حاکم و سرپرست بنایا ہے۔

۴۔ تمام علماء، فقہاء، محدثین اور اصولیین کا ایک نہایت مضبوط و مستحکم اصول جمع بین الروایات ہے اور جب تک یہ ممکن ہوتا ہے ہرگز اس کو ترک کر کے دوسرا طریقہ اختیار نہیں کرتے اور عقل سلیم و فہم مستقیم بھی اسی کی رہبری کرتی ہے اور اس سے کسی فرد بشر کو اعتراض نہیں ہو سکتا۔ ہم اسی اصول کو مدنظر رکھ کر کہتے ہیں کہ اگر یہ آیت پوری عبداللہ بن سلام کے بارے میں نازل ہوئی اور

دوسرے شخص کو اس سے کوئی تعلق و سروکار نہیں ہے تو اولاً روایت مذکورہ کی وہی حالت ہوگی جیسے کوئی شخص صرف لا تقربوا الصلوٰۃ کا قائل ہو اور و انتم سکاریٰ کو چھوڑ دے۔ کیونکہ اسی روایت میں جہاں عبداللہ بن سلام کے شکوے اور نزول آیت کا ذکر ہے اس کے ساتھ حضرت رسولؐ کا ان کو ساتھ لئے مسجد میں آنا اور سائل سے کچھ باتیں پوچھ کر جناب امیر کو حاکم و سرپرست فرمانا بھی مذکور ہے۔

ثانیاً: بہت سی روایات کی (جن کو میں آئندہ ذکر کروں گا) تکذیب لازم آتی ہے۔ حالانکہ اگر ان روایات کے تواتر کو بھی نہ مانیں تو بھی اس قدر کثیر ہیں کہ ہرگز کوئی عقل سلیم ایک یا دو روایت کے مقابلہ میں اس قدر کثیر التعداد روایات کی تکرار کو پسند نہ کرے گی اور اگر ایسا ہوا تو ایسی عقل پر پتھر پڑے۔

اس کے علاوہ جب ہم دونوں قسم کی روایتوں کو صحیح فرض کرتے ہیں تو کوئی خرابی بھی لازم نہیں آتی۔ بلکہ ایک نہایت معقول نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔

پس ضروری اور لازمی ہے کہ آیۂ مبحوثہ کا عبداللہ بن سلام اور جناب امیرؑ کی شان میں نازل ہونے کے قائل ہوں اور دونوں کو اس میں جمع کریں کہ "کُم" کا خطاب عبداللہ بن سلام کی طرف ہے اور الذین آمنوا سے علی ابن ابی طالبؑ مراد ہیں۔

۴۔ امام فخر الدین رازی اپنی تفسیر کبیر، جلد ۳، ص ۴۳۰ اس آیت کی تفسیر کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں:

"المسئلة الاولى فى قوله والذين آمنوا قولان الاول ان المراد عامة المومنين و ذلك لان (ثم قال بعد ذكر قصة عبادة بن صامت كما ذكرنا) و روى ايضاً ان عبد الله بن سلام قال يا رسول الله ان قومنا قد هجر و نأوا

قسموا ان لا یجالسونا ولا نستطیع مجالسۃ اصحابك لبعد المنازل فنزلت هذہ الآیۃ فقال رضینا باللّٰہ و رسولہ وبالمومنین اولیاء"(۱)

ترجمہ: پہلا مسئلہ الذین آمنوا کے بارے میں دو قول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ اس سے عام مومنین مراد ہیں۔ کیونکہ یہ بھی روایت میں ہے کہ عبد اللہ بن سلام نے حضرت رسولؐ سے عرض کی کہ ہماری قوم نے ہم لوگوں کو چھوڑ دیا اور قسم کھائی ہے کہ ہمارے ساتھ بیٹھیں گے بھی نہیں اور چونکہ ہمارے گھر دور دور بسے ہیں آپ کے اصحاب کے ساتھ بھی بیٹھ نہیں سکتے اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ تب عبد اللہ بن سلام نے کہا ہم خدا اور رسول اور مومنین کے ولی ہونے سے راضی ہوئے"۔

اس بیان میں امام صاحب نے روایت میں جو قطع و برید اور کتر بیونت کی ہے اس کی وجہ سے مطلب کچھ کا کچھ ہوگیا ہے۔ مجھے اس سے تعرض کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ مجھے تو صرف یہ دکھلانا ہے کہ اگرچہ اس آیت کا نزول عبد اللہ بن سلام کے حق میں فرض کیا جائے مگر اس پر بھی خود امام صاحب الذین آمنوا سے عبد اللہ بن سلام کو مراد نہیں لیتے بلکہ دوسرے کو۔ اور عبد اللہ بن سلام کو صرف ضمیر "کُم" کا مخاطب قرار دیتے ہیں۔

باقی رہا الذین آمنوا سے عام مومنین کا مراد ہونا محض لغو ہے کیونکہ میں اپنے چوتھے مقدمہ میں بہت اچھی طرح ثابت کر چکا ہوں کہ اس سے تمام مومنین کا مراد ہونا محال ہے۔ اور آئندہ ثابت کروں گا کہ اس سے یقینی حضرت علی ابن ابی طالبؑ مراد ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ آیت کا نزول عبد اللہ بن سلام کے حق میں فرض کرنے سے جناب امیرؑ کی شان میں نازل ہونا منافات

۱۔ تفسیر کبیر، ج ۱۲، ص ۲۵۔

نہیں رکھتا بلکہ ایک گونہ تلازم ہے۔ وھوالمطلوب

امام فخر رازی کچھ آگے چل کر مسئلہ کی دوسری شق میں الذین آمنوا سے خاص شخص کا مراد ہونا جلد ۳، ص ۴۳۱ میں ارشاد فرماتے ہیں:

"روی عطا عن ابن عباس انہا نزلت فی علی بن ابیطالب و روی ان عبد اللہ بن سلام قال لما نزلت ھذہ الآیۃ قلت یا رسول اللہ انا رایت علیا تصدق بخاتمہ علی محتاج وھو راکع فنحن نتولاہ"(۱)

ترجمہ: عطا نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ یہ آیت علی ابن ابیطالبؑ کی شان میں نازل ہوئی اور یہ بھی روایت میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو خود عبداللہ بن سلام نے عرض کی یا رسولؐ اللہ ہم نے خود دیکھا ہے کہ حضرت علیؑ نے حالت رکوع میں اپنی انگوٹھی راہ خدا میں دی۔ تو ہم ان کو اپنا حاکم و سرپرست سمجھتے اور مانتے ہیں"۔

کیوں ناظرین! کیا اب بھی کوئی شبہ باقی رہ سکتا ہے؟ اب تو بقول شخصے اقرار مقر العبد بدست خاص ہے۔ اب تو عبداللہ بن سلام خود جناب امیرؑ کی حکومت و سرپرستی کا اقرار کر رہے ہیں۔

اور سنیوں کے سرمایہ ناز مفسر حضرت عبداللہ بن عباس (جن کو فن تفسیر میں جناب امیرؑ سے بھی بالاتر کہتے ہیں حالانکہ حقیقۃً ابن عباس جناب امیرؑ کے ایک ادنیٰ شاگرد تھے) شہادت دے رہے ہیں اور اس پر طرہ مزید یہ ہے کہ امام المشککین فخر الدین رازی صاحب بڑی چیز کی تفسیر کبیر میں لکھ رہے ہیں۔

اللھم لک الحمد ولک الشکر

۱۔ تفسیر کبیر، ج ۱۲، ص ۲۵۔

الفضل ما شهدت به الاعداء

؎ کیا لطف جو غیر پردہ کھولے جادو وہ جو سر پہ چڑھ کے بولے

چوتھا قول: یعنی اس آیت کا حضرت علی ابن ابی طالبؑ کی شان میں نازل ہونا

یہ قول ایسا مضبوط و مبرہن اور اس قدر مستحکم بدلائل ہے کہ دشمنوں کو بھی اس کا اقرار کرنا پڑا۔ مفسرین میں سے بہت کم لوگ ہیں جو اس قول سے انکار و گریز کرتے ہیں۔ بہت سے لوگوں نے ولی کے معنی میں خواہ مخواہ کی تاویلیں کیں مگر جناب امیرؑ کی شان میں نازل ہونے کے قائل ضرور رہیں۔

سابقین میں خواہ علمائے اہل سنت ہوں یا اہل تشیع شاذ و نادر کے سوا ہر شخص متفق اللفظ گویا ہے اور اس کو بحیثیت روایت متواتر اور بحیثیت اقوال اجماعی کہنے میں کوئی عذر نہیں ہو سکتا۔ امام رازی اگرچہ امام المشککین کہلانے اور تعصب و تفنن میں درجہ اعلیٰ پر فائز ہیں اور اس بحث میں بہت سی موشگافیاں اور چہ می گوئیاں کی ہیں (کما مر نبذ منها) مگر اس بات سے صاف انکار نہیں کیا کہ یہ آیت جناب امیرؑ کی شان میں نازل ہوئی۔ شان نزول کے انکار کی ابتدا اگر سچ پوچھئے تو علامہ ابن تیمیہ (۱) سے ہوئی جو آٹھویں یا نویں صدی میں پیدا ہوئے اور تعصب، بدزبانی اور اہلبیت رسولؐ کی عداوت میں اپنا مثل و نظیر نہیں رکھتے اور فرقہ نجدیہ وہابیہ (جس کے بانی نے سب سے پہلے حضرت رسولؐ کے روضہ کے ڈھانے میں اپنے ہاتھ کی صفائی دکھائی) کے سرمایہ ناز اور سرتاج بلکہ خدا جانے اور کیا کیا ہیں۔ ان کے بعد بہتیروں نے اس بہتے پانی میں ہاتھ پاؤں ڈال دیئے اور بغیر ادھر اُدھر دیکھے بھالے آنکھیں بند کئے عدم آباد

۱۔ تقی الدین ابو العباس احمد بن عبد الحلیم ابن تیمیہ حرانی متوفی ۷۲۸ھ۔

کی راہ لی۔ پھر اس رنگ کو ہندوستان میں سب سے پہلے ایک کابلی (ا) پر، شاہ ولی اللہ صاحب نے اچھالا۔ اس کے بعد ان کے پیارے صاحب زادے شاہ عبد العزیز صاحب نے اپنے مکائد کے جال پھیلائے۔

چونکہ میری اس نزاع و بحث اور مناظرہ کا نتیجہ اور تمام مطالب و مقاصد کا ہیرو یہی قول ہے اسی بنا پر میں نے اس کی مخالف جتنی باتیں نظر پڑیں سب کی قلعی کھول دی ہے۔ بہت سی باتیں ناظرین کے ملاحظہ سے گزر چکی ہیں۔ امام صاحب کی بھی خبر لی گئی ہے اور علامہ صاحب کی بھی دھجیاں اڑائی گئی ہیں۔ آئندہ جو امور باقی رہ گئے ہیں ملاحظہ سے گزریں گے۔ شاہ عبد العزیز صاحب اور ان کے پدر بزرگوار کی نیرنگیوں کا تماشا بھی قابل دید ہوگا۔

یہ بات بھی عرض کر دینا ضروری ہے کہ اس آیت کا جناب امیرؑ کی شان میں ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اگر چہ ضمیر ''کُم'' کے مخاطب عبادہ بن صامت ہوں یا عبد اللہ بن سلام اصحاب رسول ہوں یا عام مومنین مگر الذین آمنوا الذین یقیمون الصلوٰۃ و یوتون الزکوٰۃ و هم راکعون سے صرف جناب امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالبؑ مراد ہیں۔

اب میں پہلے ان روایات کو عرض کرتا ہوں جو الذین آمنوا سے جناب امیرؑ کے مراد ہونے کے ساتھ ساتھ عبد اللہ بن سلام کی ضمیر ''کُم'' سے مخاطب ہونے پر دلالت کرتی ہیں:

۱۔ " اخرج ابن مردویه من طریق الکلبی عن ابی صالح عن ابن عباس قال اتی عبد الله بن سلام و رهط من اهل الکتاب نبی الله صلی الله علیه و آله عند الظهر قال

ا۔ اس سے مراد نصر اللہ کابلی ہیں جن کی کتاب الصواقع کا فارسی میں ترجمہ کر کے شاہ عبد العزیز دہلوی نے تحفہ اثنا عشریہ نامی کتاب اپنے نام سے منتشر کی جس سرقہ کا انھوں نے خود فتاوائے عزیزیہ میں اعتراف کیا ہے۔ ہندوستان میں اسی کتاب نے مسلمانوں کا شیرازہ بکھیرا۔

فقال یا رسول اللہ ان بیوتنا قاصیة لا نجد من یجالسنا و یخالطنا دون ھذا المسجد قومنا لما راونا قد صدقنا اللہ و رسولہ و ترکنا دینھم اظھروا العداوة و اقسموا ان لا یخالطونا و لا یواکلونا فشق ذلک علینا فبینا ھم یشکون ذلک الی رسول اللہ اذ نزلت ھذہ الآیة علی رسول اللہ انما ولیکم اللہ و رسولہ والذین آمنوا یقیمون الصلوٰة و یوتون الزکوٰة وھم راکعون و نودی بالصلوٰة صلوٰة الظھر و خرج رسول اللہ الی المسجد والناس یصلون بین راکع وساجدٍ و قائم و قاعد۔ واذا مسکین یسأل فدخل رسول اللہ فقال ھل اعطاک احد شیئاً قال نعم قال من قال ذلک الرجل الرجل القائم قال علی ای حال اعطاکم قال وھو راکع قال و ذلک علی ابن ابی طالب فکبّر رسول اللہ وھو یقولہ و من یتولی اللہ و رسولہ والذین آمنوا فان حزب اللہ ھم الغالبون۔"(۱)

ترجمہ: حافظ ابن مردویہ (اہلسنت کے بہت مستند عالم) نے محمد بن سائب کلبی کے طریقہ سے ابو صالح سے اور انھوں نے عبد اللہ بن عباس سے روایت کی ہے کہ عبد اللہ بن سلام اور ان کے کچھ ساتھی اہل کتاب حضرت رسولؐ کی خدمت میں ظہر کے وقت حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسولؐ اللہ

۱۔ درمنثور، ج ۳، ص ۱۰۵۔

ہمارے گھر دور دیس میں اور یہاں بھی اس مسجد کے سوا ہمارا کوئی ٹھکانا نہیں کہ ہم نشت برخاست اور میل جول کریں اور ہماری قوم نے جب دیکھا کہ ہم نے خدا اور رسول کی تصدیق کی اور ان کے دین کو چھوڑ دیا تو ہم سے کھلم کھلا عداوت کرنے لگے اور قسم کھائی ہے کہ ہماری نشت برخاست کھانا پینا ترک کر دیں یہ ہم پر بہت شاق اور گراں ہے۔ وہ لوگ آپ کے پاس یہ شکوے بیان کر ہی رہے تھے کہ یہ آیت انما ولیکم اللہ نازل ہوئی اتنے میں ظہر کی نماز ہوئی تو حضرت مسجد کی طرف چلے اور لوگ رکوع و سجود و قیام و قعود کی حالت میں تھے کہ آپ کی نظر ایک سائل پر پڑی۔ غرض آپ مسجد میں تشریف لائے اور اس سے پوچھا تجھے کسی نے کچھ دیا بھی؟ عرض کی ہاں۔ پوچھا کس نے؟ بولا۔ اس شخص نے جو کھڑا ہوا نماز پڑھ رہا ہے۔ پھر پوچھا کس حالت میں دیا کہا رکوع کی حالت میں۔ ابن عباس کہتے ہیں جن کی طرف اس نے اشارہ کیا تھا وہ علی بن ابی طالبؑ تھے۔ غرض یہ سنتے ہی حضرت رسولؐ نے تکبیر کہی اور اس آیت کی تلاوت فرمائی۔ من یتولی اللہ۔۔۔ الخ جس نے خدا و رسول اور اس مومن خاص کو اپنا حاکم و سرپرست سمجھا تو خدا کا گروہ ضرور غالب ہے۔

۲۔ شمس الاسلام صدر الائمہ ابو المؤید موفق بن احمد مکی خوارزمی المعروف بہ اخطب خوارزمی اپنی کتاب المناقب کے ۱۷ فصل میں تحریر فرماتے ہیں:

"اخبرنا الامام الاجل سراج الدین شمس الائمہ اخی ابو الفرج محمد بن احمد الطاوان ادام اللہ سموہ قال اخبرنا الشیخ الامام الزاھد ابو محمد اسماعیل بن علی

بن اسماعیل قال حدثنا السید الاجل الامام المرشد
باللہ ابو الحسین یحییٰ بن الموفق باللہ۔ قال اخبرنا ابو
احمد محمد بن علی المودب المعروف بالکفوف بقراتی
مافیہ قال اخبرنا ابو محمد عبد اللہ بن محمد بن جعفر
قال حدثنا الحسن بن محمد بن ابی ہریرہ قال حدثنا
عبد اللہ بن عبد الوہاب ۔قال حدثنا محمد بن الاسود
عن محمد بن مروان عن محمد بن سائب عن ابی صالح
عن ابن عباس قال اقبل عبد اللہ بن سلام و معہ نفر
من قومہ ممن قد آمنوا بالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ فقالوا
یا رسول اللہ ان منازلنا بعیدۃ و لیس لنا مجلس و لا
مستحدث دون ھذا المجلس و ان قومنا لما رأو ما
آمنا باللہ و رسولہ و صدقناہ رفضونا و آلوا علی انفسھم
ان لا یجالسنا ولا ینا کحونا ولا یکلمونا فشق ذلک
علینا فقال لھم النبی انما ولیکم اللہ و رسولہ و الذین
آمنوا الذین یقیمون الصلوٰۃ و یوتون الزکوٰۃ و ھم
را کعون ۔ثم ان النبی خرج الی المسجد و الناس بین
قائم و را کع نظر الی سائل فقال لہ النبی ھل اعطاک
احد شیئا قال نعم خاتم من فضۃ فقال لہ النبی علی
ای حال اعطاک قال اعطانی وھو را کع فکبّر النبی ثم
قرء و من یتولی اللہ و رسولہ والذین آمنوا فان حزب اللہ

هم الغالبون فأنشاء حسان يقول فی ذلك ابا حسن نفديك نفسی و مهجتی ۔ و كل بطی فی الهدی و مسارع أ يذهب مدحيك المحبر ضايعاً و ما المدح فی جنب الا له بضائع فانت الذی اعطيت اذ كنت را كعاً ۔ فدتك نفوس القوم يا خير را كع ۔ فأنزل فيك الله خير و ولاية ۔ فيها فی محكمات الشرائع "(۱)

ترجمہ باسناد متصل: مجھے خبر دی میرے بھائی شمس الائمہ ابو الفرج محمد بن احمد نے کہ مجھ سے بیان کیا۔ امام زاہد ابو محمد اسماعیل نے امام مرشد باللہ ابو الحسین یحییٰ بن موفق سے ابو احمد محمد مکفوف سے ابو محمد عبد اللہ سے حسن بن محمد سے عبد اللہ بن عبد الوہاب سے۔ محمد بن اسود سے، محمد بن مروان سے محمد بن سائب سے، ابو صالح سے، حضرت عبد اللہ ابن عباس سے روایت ہے کہ عبد اللہ بن سلام اپنے چند ہمراہیوں کے ساتھ جو رسولؐ اللہ پر تازہ ایمان لائے تھے حضرت رسولؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ ہمارے گھر دور دیس ہیں اور ہمارے لئے اس صحبت کے سوا نہ کوئی نشست گاہ ہے نہ گفت وشنید کی جگہ، اور ہماری قوم نے جب دیکھا کہ ہم خدا و رسولؐ پر ایمان لے آئے ہیں اور اس کی تصدیق کی ہے تو ان لوگوں نے ہمیں چھوڑ دیا اور قسم کھالی ہے کہ نہ ہمارے ساتھ نشست و برخاست کریں نہ شادی بیاہ کریں نہ بات چیت تو ہم پر بہت شاق و گراں گزرتا ہے اس وقت حضرتؐ نے فرمایا تمہارا سرپرست بس خدا ہے اور اس کا رسول اور وہ

۱۔ مناقب خوارزمی، ص ۲۶۴، حدیث ۲۴۶۔

مومن کامل جو پابندی سے نماز ادا کرتا ہے اور حالت رکوع میں زکوٰۃ دیتا ہے۔ پھر حضرتؐ رسول مسجد کی طرف تشریف لے چلے اور لوگ کچھ تو حالت قیام میں تھے اور کچھ رکوع میں۔ پھر حضرتؐ کی نظر ایک سائل پر پڑی تو آپ نے پوچھا کیا کسی نے کچھ دیا ہے؟ اس نے عرض کی ہاں ایک چاندی کی انگوٹھی۔ پھر حضرتؐ نے پوچھا تجھے کس حالت میں دی؟ وہ بولا رکوع کی حالت میں، یہ سنتے ہی حضرتؐ نے تکبیر کہی پھر آپ نے آیہ و من یتولی اللہ کی تلاوت فرمائی۔ اس کے بعد حسان بن ثابت شاعر اسلام نے یہ اشعار نظم کئے جن کا خلاصہ یہ ہے کہ اے ابوالحسنؑ آپ پر میری اور ہر ہدایت یافتہ کی جان و روح خواہ وہ جلد ایمان لایا ہو یا دیر میں لایا ہو کیا میری بازیب و زین مدح جو میں نے آپ کی شان میں کہی ہے بیکار جائے گی (ہر گز نہیں کیونکہ) مدح تو بارگاہ خداوندی میں ضائع نہیں ہوا کرتی اے سب سے بہتر رکوع کرنے والے آپ پر ساری قوم کی جان قربان ہو آپ ہی وہ بزرگ ہیں جنہوں نے حالت رکوع میں زکوٰۃ دی۔ خدا نے آپ کی شان میں سب سے بہتر حکومت نازل فرمائی اور اس کو شریعتوں کی محکم کتاب میں ثابت کر دیا"۔

تنبیہ:

ان دونوں روایتوں میں یہ تفرقہ قابل غور ہے کہ پہلے روایت میں عبدالسلام بن سلام کی شکایت پر آیہ انمٰ ولیکم اللہ کا اسی وقت نازل ہونا بیان کیا ہے اور دوسری روایت میں حضرت رسولؐ کا اسی آیت کو تلاوت فرمانا مذکور ہے۔ اور دونوں روایتوں کے راوی اول حضرت عبداللہ بن عباس ہی ہیں اور میں آئندہ بہت سی روایتوں سے ثابت کروں گا کہ یہ آیت اس

وقت نازل نہیں ہوئی تھی بلکہ اس کے کچھ دیر قبل مسجد میں نازل ہوئی تھی۔ اور یہ واضح ہے کہ ابن عباس سے اختلاف بیان خلاف قیاس و عقل ہے۔ پس معلوم ہوا کہ ان کے بعد کے کسی راوی سے یہ مسامحہ ہوا کہ قال کی جگہ نزلت کہا یا کسی کاتب نے غلطی کی ہے۔ اور روانی قلم میں تلاوت فرمائی کی جگہ نازل ہوئی لکھ گیا۔

اور یہی جمع بین الروایات کا عمدہ اور مضبوط طریقہ ہے۔ کما بینا فتدبر

۳۔ تفسیر نیشاپوری میں یوں تحریر ہے:

"القول الثانی ان المراد شخص معین (ثم قال بعد سطر) و روی عطا عن ابن عباس انه روی ان عبد الله بن سلام قال لما نزلت هذه الآیة قلت یا رسول الله انا رایت علیاً تصدق بخاتمه علی محتاج وهو راکع فنحن نتولاه"(1)

ترجمہ: دوسرا قول یہ ہے کہ الذین آمنوا سے شخص معین مراد ہے اور عطاء نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ وہ حضرت علیؑ ہیں اور یہ بھی روایت میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو عبداللہ بن سلام نے عرض کی یارسولؐ اللہ میں نے خود دیکھا ہے کہ حضرت علیؑ نے اپنی انگوٹھی ایک محتاج کو رکوع کی حالت میں خیرات کی تو ہم ان کو اپنا حاکم و سرپرست سمجھیں"۔

۴۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے اپنی تفسیر جلالین میں (جس میں انھوں نے اصح و ارجح روایت پر اختصار کرنے کا التزام کیا ہے) اس آیت کا عبداللہ بن سلام کے بارے میں نازل

۱۔ تفسیر نیشاپوری، ج ۲، ص ۶۵۔

ہونے کا اقرار کیا ہے۔(۱)

۵۔علامہ خطیب شربینی نے بھی جو متاخرین اہلسنت میں ایک بہت بڑے پایہ کے محدث ہیں اپنی تفسیر سراج منیر (جس میں بقول علماء اہلسنت ارجح و اصح روایت کے ذکر کرنے کا التزام کیا ہے) میں اس آیت کا عبداللہ بن سلام کے بارے میں نازل ہونا تسلیم کیا ہے۔

۶۔علامہ واحدی نے اپنی تفسیر وجیزہ (۲) میں (جس میں التزام کیا ہے کہ جو قول جلیل القدر ثقات محدثین کی تحقیق میں صحیح قرار پاچکا ہے اسی پر اکتفا کریں گے) اس آیت کا عبداللہ بن سلام کے بارے میں نازل ہونا اختیار کیا ہے۔

۷۔محی السنۃ علامہ بغوی نے اپنی کتاب معالم التنزیل میں جو اعلیٰ درجہ کی معتبر تفسیر ہے بروایت جابر بن عبداللہ انصاری وعبداللہ بن عباس اسی آیت کا عبداللہ بن سلام کے بارے میں نازل ہونا بیان کیا ہے۔

۸۔صاحب مکائد عظمیٰ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب اپنی کتاب تحفہ اثنا عشریہ میں یوں تحریر فرماتے ہیں:

"وجماعتی از مفسرین گویند کہ چون عبداللہ بن سلام کہ از احبار یہود بود بہ شرف اسلام مشرف شد تمام قبیلہ او را ترک نمودو باوی قطع سلوک نمود او شکایت این حادثہ بحضور رسالت پناہ آورد و گفت یا رسول اللہ ان قومنا ھجرونا پس این آیہ نازل شد و باعتبار فن حدیث این قول اصح الاقوال است"۔(۳)

ترجمہ: مفسرین کی ایک جماعت کا کہنا ہے کہ یہودی عالم عبداللہ بن سلام جب مسلمان ہوا تو

۱۔تفسیر جلالین، ص ۸۶۔

۲۔تفسیر وجیزہ، ج ۱، ص ۲۱۰۔ برحاشیہ تفسیر مراح لبید نووی۔

۳۔ہدیہ مجیدیہ ترجمہ تحفہ اثنا عشریہ، ص ۴۰۱۔

اس کے قبیلے والوں نے اس کو چھوڑ دیا۔ اس نے آنحضرتؐ سے گلہ وشکوہ کیا اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ فن حدیث کے مطابق یہ صحیح ترین قول ہے۔

۹۔ شاہ صاحب موصوف تنہا نہیں ان کے پدر بزرگوار بھی یہی بولی بول رہے ہیں۔ چنانچہ ازالۃ الخفا میں تحریر فرماتے ہیں:

"جابر بن عبد اللہ گفتہ است نزلت فی عبد اللہ بن سلام۔ لما ھجرہ قومہ من الیھود"

ترجمہ: جابر بن عبد اللہ کا بیان ہے کہ جب یہودیوں نے عبد اللہ بن سلام کو چھوڑ دیا تو یہ ان کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

۱۰۔ امام فخر الدین رازی اپنی تفسیر کبیر، جلد ۳، ص ۴۳۰ میں تحریر فرماتے ہیں:

"و روی ایضاً ان عبد اللہ بن سلام قال یا رسول اللہ ان قومنا قد ھجرونا و اقسموا ان لا یجالسونا ولا نستطیع مجالسۃ اصحابک لبعد المنازل فنزلت ھذہ الآیۃ فقال رضینا باللہ ورسولہ وبالمومنین اولیاء"(۱)

ترجمہ: یہ بھی روایت ہے کہ عبد اللہ بن سلام نے عرض کی یا رسول اللہ ہماری قوم نے ہمیں چھوڑ دیا اور قسم کھالی ہے کہ ہمارے ساتھ بیٹھیں گے بھی نہیں اور چونکہ ہمارا گھر دور ہے اس وجہ سے ہم آپ کے اصحاب کے ساتھ بھی بیٹھ نہیں سکتے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ تب عبد اللہ بن سلام نے کہا ہم خدا و رسول اور مومنین کی سرپرستی سے راضی ہوئے۔

اسی روایت میں امام رازی صاحب نے جو قطع و برید کر کے مطلب کچھ کا کچھ کر دیا ہے اس کی

۱۔ تفسیر کبیر، ج ۱۲، ص ۲۵۔

طرف سابقاً اشارہ ہو چکا ہے۔ اس کے علاوہ اسی کے چند سطروں کے بعد ص ۴۳۱ میں خود یوں رقمطراز ہیں: ذرا تماشا دیکھئے گا:

"وروی ان عبد الله بن سلام قال لما نزلت هذه الاية قلت یا رسول الله انا رأیت علیا تصدق بخاتمه علی محتاج وهو راکع فنحن نتولاه"(۱)

ترجمہ: روایت میں ہے کہ عبداللہ بن سلام نے خود بیان کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو میں نے عرض کی یارسول اللہ میں نے خود دیکھا کہ حضرت علیؑ نے ایک محتاج کو حالت رکوع میں خیرات دی تو ہم ان کو اپنا سرپرست سمجھیں۔

اا۔ تفسیر روح المعانی میں ہے:

"اخرج الحاکم و ابن مردویه و غیرهما عن ابن عباس رضی الله عنهما باسناد متصل قال اقبل ابن سلام و نفر من قومه ضمن آمنوا بالنبی فقالوا یا رسول الله ان منازلنا بعیدة و لیس لنا مجلس و لا مستحدث دون هذا المسجد و ان قومنا لما راونا امنا بالله و رسوله و صدقناه رفضونا و آلوا علی انفسهم ان لا یجالسونا و لا ینا کحونا ولا یکلمونا فشق ذلك علینا فقال لهم النبی انما ولیکم الله"(۲)

۱۔ تفسیر کبیر، ج ۱۲، ص ۲۶۔

۲۔ تفسیر روح المعانی، ص ۱۶۷۔

ترجمہ: حاکم وابن مردویہ وغیرہ نے ابن عباس سے باسناد متصل روایت کی ہے کہ عبداللہ بن سلام اور ان کے ہم قوم کے چند نو مسلمان حضرت رسولؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی یارسولؐ اللہ ہمارے گھر دور ہیں اور ہمارے لئے اس مسجد کے سوا نہ کوئی بیٹھنے کی جگہ ہے اور نہ بات کرنے کی اور ہماری قوم نے جب دیکھا کہ ہم خدا اور رسولؐ پر ایمان لائے ہیں اور اس کی تصدیق کی ہے تو ان لوگوں نے ہمیں چھوڑ دیا اور باہم قسم کھالی ہے کہ نہ ہمارے ساتھ بیٹھیں گے نہ ہم سے شادی بیاہ کریں گے اور نہ ہم سے بات کریں گے یہ ہم پر بہت شاق اور گراں ہے تو حضرتؐ نے ان کے سامنے اس آیت کو پڑھا۔

۱۲۔ تفسیر خازن میں (جو اہلسنت کی بڑی معتبر تفسیر ہے) یہ عبارت مذکور ہے:

"قال جابر بن عبد الله نزلت فی عبد الله بن سلام و ذلك انه جاء الی محمد فقال یا رسول الله ان قومنا قریظه و النضیر قد هجرونا و فارقونا و اقسموا ان لا یجالسونا فنزلت هذه الآیة"(۱)

ترجمہ: جابر بن عبداللہ نے کہا ہے کہ یہ آیت عبداللہ بن سلام کے بارے میں نازل ہوئی اور وہ اس طرح کہ عبداللہ بن سلام حضرتؐ کے پاس آ کر کہنے لگے کہ ہماری قوم اور قبیلہ قریظہ اور نضیر نے ہمیں چھوڑ دیا اور ہم سے قطع تعلق کر لیا اور قسم کھالی ہے کہ ہمارے ساتھ اٹھیں گے بیٹھیں گے بھی نہیں۔ تو یہ آیت نازل ہوئی۔

۱۔ تفسیر الخازن، ج ۱ ص ۴۷۴۔

تنبیہ:

ان روایات اور اقوال میں سے اگرچہ بعض بظاہر اس پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ آیت صرف عبداللہ بن سلام کے بارے میں نازل ہوئی۔ مگر میں تیسرے قول کے ضمن میں متعدد دلائل سے روز روشن کی طرح ثابت کر چکا کہ جتنے روایات و اقوال عبداللہ بن سلام کے بارے میں نازل ہونے پر دلالت کرتے ہیں وہ کل کے کل جناب امیرؑ کی شان میں نازل ہونے پر بدرجہ اولیٰ دلالت کرتے ہیں لہذا ان اقوال اور روایات کو جناب امیرؑ کی شان میں نازل ہونے کے شواہد میں شمار کرنا کسی طرح بیجا نہ ہوگا۔

اب میں ان روایات اور اقوال کو پیش کرتا ہوں جو صرف جناب امیر علیہ السلام کی شان میں نازل ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔ ناظرین پہلے ان روایت و اقوال کو ملاحظہ کریں جو علامہ جلال الدین سیوطی نے اپنی مشہور تفسیر درمنثور، جلد ۲ص ۲۹۳و ۲۹۴ میں ذکر کئے ہیں:

۱۳۔ "اخرج الخطیب فی المتفق عن ابن عباس قال تصدق علی خاتمہ وھو راکع فقال النبی للسائل من اعطاک ھذا الخاتم قال ذاک الراکع فانزل اللہ انما ولیکم اللہ"۔

ترجمہ: خطیب بغدادی نے اپنی کتاب متفق و مفترق میں حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے کہ جناب امیرؑ نے اپنی انگوٹھی حالت رکوع میں خیرات دی تو حضرت رسولؐ نے سائل سے پوچھا تجھے یہ انگوٹھی کس نے دی تو سائل نے عرض کی اس شخص نے جو رکوع میں تھا تو خدا نے انما ولیکم اللہ نازل کی۔

۱۴۔ "اخرج عبد الرزاق عن ابن عباس فی قولہ انما

ولیکم اللہ و رسولہ قال نزلت فی علی ابن ابی طالب"۔

ترجمہ: امام عبد الرزاق نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ آیہ انما ولیکم اللہ جناب امیرؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔

۱۵۔ علامہ عبد بن حمید نے بھی ابن عباس سے یہی روایت ذکر کی ہے کہ نزلت فی علی ابن ابیطالب۔

۱۶۔ علامہ محمد ابن جریر طبری نے بھی ابن عباس سے اسی روایت کو ذکر کیا ہے۔

۱۷۔ امام ابو الشیخ نے بھی ابن عباس سے یہی روایت بعینہ ذکر کی ہے۔

۱۸۔ علامہ حافظ ابن مردویہ نے بھی یہ روایت انھیں الفاظ کے ساتھ بیان کی ہے۔

۱۹۔ "اخرج الطبرانی فی الاوسط عن عمار بن یاسر قال وقف لعلی سائل وھو راکع فی صلوٰۃ التطوع فینزع خاتمہ فاعطاہ السائل فاتی رسول اللہ فاعلہ ذالک فنزلت علی النبی ھذہ الآیۃ انما ولیکم اللہ و رسولہ والذین آمنوا الذین یقیمون الصلوٰۃ و یوتون الزکوٰۃ و ھم راکعون فقرء ھا رسول اللہ علی اصحابہ ثم قال من کنت مولاہ فعلی مولاہ اللھم وال من والاہ و عاد من عاداہ"(۱)

امام طبرانی نے معجم اوسط میں حضرت عمار بن یاسر سے روایت کی ہے کہ جس وقت جناب امیرؑ نفلی نماز کے رکوع میں تھے ایک سائل آپ کے پاس آیا آپ نے اپنی انگوٹھی اتار کر سائل کو دے دی۔ اس کے بعد

۱۔ المعجم الاوسط، طبرانی، ج ۶ ص ۲۱۸۔

حضرت رسولؐ کے پاس آ کر اس واقعہ کی آپ کو خبر دی۔ پس حضرت پر آیہ انما ولیکم اللہ نازل ہوئی تو حضرتؐ نے اس آیت کو اپنے اصحاب کے سامنے پڑھا پھر فرمایا جس کا میں مولا ہوں اس کے علی مولا ہیں۔ خداوندا علی کے دوست کو دوست رکھ اور ان کے دشمن کو دشمن رکھ۔

۲۰۔ علامہ حافظ ابن مردویہ نے بھی اس روایت کو انھیں الفاظ کے ساتھ حضرت عمار بن یاسر سے روایت کیا ہے۔

۲۱۔ "اخرج ابو الشیخ عن علی ابن ابی طالب قال نزلت هذه الآیة علی رسول اللہ فی بیته انما ولیکم اللہ و رسوله الی اخر الآیة فخرج رسول و دخل المسجد و جاء الناس یصلون بین راکع و ساجد و قائم یصلی فاذا سائل فقال یا سائل هل اعطاك احد شیئاً قال لا الا ذاك الراکع لعلی ابن ابی طالب اعطانی خاتمه"

امام ابوالشیخ نے خود حضرت علیؑ ابن ابی طالب سے روایت کی ہے آپ فرماتے ہیں کہ آیہ انما ولیکم اللہ رسول اللہ پر حضرت کے گھر میں نازل ہوئی تو آپ برآمد ہوئے اور مسجد میں تشریف لائے اور لوگ آ کر نماز پڑھنے لگے۔ کوئی رکوع میں تھا کوئی سجدے میں، کوئی قیام میں، یکایک ایک سائل نظر پڑا تو حضرتؐ نے پوچھا کہ تجھے کسی نے کچھ دیا بھی۔ وہ بولا اس رکوع کرنے والے علی ابن ابی طالبؑ کے سوا کہ انھوں نے اپنی انگوٹھی مجھے دی ہے اور کسی نے کچھ نہیں دیا۔

۲۲۔ علامہ ابن مردویہ نے بھی اس روایت کو خود حضرت امیرؑ سے انھیں الفاظ میں بیان کیا

ہے۔

۲۳۔"اخرج ابن ابی حاتم عن سلمه ابن کهیل قال تصدق علی بخاتمه وهو راکع فنزلت انما ولیکم الله الآیة"

ترجمہ: امام ابن ابی حاتم نے سلمہ ابن کہیل سے روایت کی ہے کہ جناب امیرؑ نے حالت رکوع میں خیرات دی تو انماً ولیکم اللہ نازل ہوئی۔

۲۴۔امام ابوالشیخ نے بھی اس روایت کو سلمہ بن کہیل سے روایت کی ہے۔

۲۵۔حافظ ابن عساکر نے بھی اس روایت کو سلمہ بن کہیل سے روایت کیا ہے۔

۲۶۔"اخرج ابن جریر عن مجاهد فی قوله تعالیٰ انماً ولیکم الله نزلت فی علی ابن ابیطالب تصدق وهو راکع۔

امام محمد ابن جریر طبری نے مجاہد سے روایت کی ہے کہ جناب امیرؑ نے حالت رکوع میں خیرات دی تو یہ آیت آپ کی شان میں نازل ہوئی"۔

۲۷۔امام محمد ابن جریر طبری نے اس روایت کو سدی سے بھی روایت کی ہے۔

۲۸۔امام محمد ابن جریر طبری نے اسی روایت کو عطیہ بن حکیم سے بھی روایت کی ہے۔

۲۹۔"اخرج الطبرانی عن ابی رافع قال دخلت علی رسول الله وهو نائم او یوحیٰ الیه فاذحیّة فی جانب البیت فکرهت ان اثب علیها فاوقظ النبی و خفت ان یکون یوحی الیه فاضطجعت بین الحیة و بین النبی لئن کان منهاٰ سوء کان بی دونه فمکثت ساعته فاستیقظ النبی وهو یقول انما ولیکم الله و رسوله الایة الحمدلله الذی

اتم لعلی نعمه وھنا لعلی بفضل اللہ ایاہ"

امام طبرانی نے ابو رافع سے روایت کی ہے کہ میں رسولؐ اللہ کی خدمت میں گیا اور حضرت یا آرام فرما رہے تھے یا آپ پر وحی ہو رہی تھی۔ یکا یک مکان کے کونہ میں میری نظر ایک سانپ پر جا پڑی تو مجھے یہ اچھا نہ معلوم ہوا کہ اس پر حملہ کر کے حضرت کو چونکا دوں اور مجھے ڈر معلوم ہوا کہ شاید آپ پر وحی آ رہی ہو۔ غرض میں حضرت رسولؐ اور سانپ کے درمیان لیٹ گیا تاکہ اگر اس سے کچھ گزند پہونچے تو مجھی کو، نہ حضرت کو۔ آخر میں تھوڑی دیر تک بیٹھا رہا تو حضرت رسولؐ یہ کہتے ہوئے بیدار ہوئے: انما ولیکم اللہ۔ خدا کا شکر جس نے علیؑ کے واسطے اپنی نعمتیں پوری کیں اور علیؑ کو وہ فضل مبارک ہو جو خدا نے خاص اس پر کیا ہے۔

۳۰۔ "اخرج ابن مردویه عن ابن عباس قال کان علی ابن ابیطالب قائماً یصلی فمرّ سائل وھو راکع فاعطاہ خاتمه فنزلت ھذہ الآیة انما ولیکم اللہ"

ترجمہ: ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے کہ حضرت امیرؑ کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک سائل آپ کے رکوع کی حالت میں اُدھر سے گزرا تو آپ نے اپنی انگوٹھی اسے عطا فرمائی تو یہ آیت انما ولیکم اللہ نازل ہوئی"۔

یہ وہ روایات ہیں جو درمنثور (۱) سے منقول ہیں ان پر بعض ناقابل متعصبین نے کچھ اعتراضات کئے ہیں ان کا ذکر اور جواب بھی ناظرین کی دلچسپی سے خالی نہیں ہے لہذا میں اس کو

۱۔ درمنثور، ج ۳، ص ۱۰۶۔ ۱۰۵۔

مع جواب کے عرض کرتا ہوں:

پہلا اعتراض:

''تفسیر درمنثور ذخیرہ محض اور ہر رطب و یابس کا مجموعہ ہے۔لہذا جو روایت اس سے لی گئی ہے وہ ہرگز قابل اعتبار نہیں ہے۔اور نہ اس کو شاہد قرار دینا صحیح ہے''۔

پہلا جواب:

خود علامہ جلال الدین سیوطی مصنف کتاب خطبہ کتاب میں تحریر کرتے ہیں:

"الحمد لله الذی احیاء بمن شاء ماثر الآثار بعد الدثور ووفق لتفسیر کتابه العزیز بما وصل الینا بالاسناد العالی من الخبر الماثور"(1)

ترجمہ: خدا کی حمد جس نے ماثر آثار کو فنا کے بعد جس کے ذریعہ سے چاہا زندہ کیا اور اپنی کتاب عزیز کی تفسیر کی ان احادیث منقولہ سے جو مجھ تک باسناد عالی پہونچی ہیں توفیق عطا کی۔

اس سے صاف علوم ہوتا ہے کہ علامہ سیوطی نے تفسیر درمنثور میں صرف وہی احادیث ذکر کئے جو باسناد عالی ان تک پہونچی ہیں۔

دوسرا جواب:

جس نے درمنثور کو اچھی طرح دیکھا ہے وہ کہہ سکتا ہے کہ علامہ سیوطی کی اسی کتاب میں یہ عادت قرار پاگئی ہے کہ جا بجا جن روایات یا رواۃ کو قابل قبول نہیں جانتے اور مقدوح سمجھتے ہیں

1۔تفسیر درمنثور، ج1،ص9۔

اس کی فوراً جرح وقدح کر دیتے ہیں جس سے صاف واضح ہے کہ اگر یہ کتاب ذخیرہ محض ہوتی تو ہرگز ایسا نہ کرتے بلکہ صحیح وسقیم کو بلا تمیز وفرق چھوڑ دیتے۔ پس معلوم ہوا کہ جن روایات پر قدح نہیں کی ہے وہ سب علامہ کے نزدیک صحیح اور قابل وثوق واعتبار ہیں۔

تیسرا جواب

مولوی ابوالحسنات عبدالحی صاحب فرنگی محلی لکھنوی جو اہلسنت کے نزدیک مایۂ فخر وناز ہیں۔ علامہ سیوطی کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

''ان کے اخبار قطعیات سے ہیں۔ وہ بزرگ ہیں جو اپنی تصنیفات میں جھوٹی روایتیں نہیں لکھتے جو کچھ لکھتے ہیں اس پر مناقشہ نہیں کیا جاتا۔ ان کے القاب میں تحریر فرماتے ہیں: امام الاسلام، عمدۃ الانام، امام الحنابلین وغیرہ۔ پھر معلوم نہیں کوئی شخص ان کی تصنیف کو ذخیرہ محض کیوں کر کہہ سکتا ہے۔

چوتھا جواب:

شاہ عبدالعزیز دہلوی علامہ سیوطی کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

''زیرا کہ جماعت محدثین اہلسنت کہ در طبقہ متاخر پیدا شدند مثل دیلمی و خطیب و ابن عساکر چون دیدہ کہ احادیث صحاح و حسان را متقدمین مضبوط کردہ رفتہ اند و جائے سعی در آنہا نماندہ مائل شدند بجمع احادیث ضعیفہ و موضوعہ و مقلوبۃ الاسانید و المتون تابطریق بیاض یکجا فراھم آوردہ نظر ثانی نمایند و موضوعات را از حسان بغیرھا ممتاز سازند و بسبب قلت فرصت و کوتاھی عمر خود آنہا را

این مهم سر انجام نه شد۔ اما متاخرین که از ایشان بعد تر پیدا شدند امتیاز کردند ابن الجوزی موضوعات را جدا ساخت و سخاوی حسان بغیرها را در مقاصد حسنه نوشت و سیوطی در در منثور پرداخت"۔

اس سے صاف واضح ہے کہ علامہ سیوطی نے احادیث میں تمیز و تحقیق کر کے تفسیر در منثور لکھی ہے پھر اس کو ہر رطب و یابس کا مجموعہ یا ذخیرہ محض کہنا افتراء بین اور بہتان واضح نہیں تو اور کیا ہے۔

دوسرا اعتراض

ان تمام روایتوں میں سے کسی روایت کے اسناد مذکور نہیں ہیں لہذا قابل وثوق نہیں ہیں۔

پہلا جواب

یہ اعتراض بھی پہلے کی طرح محض لغو اور مہمل ہے۔ کیونکہ خود علامہ سیوطی در منثور کے دیباچہ میں لکھتے ہیں:

"وبعد فلما الفت كتاب ترجمان القرآن وهو التفسير للسند عن رسول الله واصحابه و تم بحمد الله فی مجلدات فكان ما اوردته فيه من الآثار بأسانيد الكتب المخرج منها و اردات و رايت قصور اكثر الهمم عن تحصيله و رغبتهم فی الاقتصار على متون الحديث دون الاسناد و تطويله فلخصت منه هذا المختصر مقتصراً فيه على متن الاثر مصدراً بالعزو والتخريج الى كل كتاب معتبر، و سميته بالدر المنثور فی التفسير الماثور والله

اسأله ان یضٰعف لمولفه الاجور و یعصمه من الخطاء والزور بمنه و کرمه انه البر الغفور"(۱)

ترجمہ: حمد ونعت کے بعد جب میں نے کتاب ترجمان القرآن (جس کی سند رسول اللہ اور ان کے اصحاب تک کی گئی ہے) لکھی اور بحمد اللہ کئی جلدوں میں تمام بھی ہوئی اور ان میں جو احادیث لکھی ہیں اور ان کے ساتھ وہ تمام اسناد بھی نقل کئے جو منقول عنہا کتابوں میں مذکور تھے تو میں نے دیکھا کہ اکثر ہمتیں اس کی تحصیل سے قاصر ہیں اور ان کی رغبت اسی جانب ہے کہ صرف متون احادیث پر اقتصار کیا جائے۔ پس میں نے ترجمان القرآن سے اس مختصر کو ملخص کیا۔ اور ان میں متن روایت پر اختصار کیا اور انتساب وتخریج کی ابتدا معتبر کتاب کی طرف کی اور اس کا نام در منثور فی التفسیر الماثور رکھا۔ میں خدا سے چاہتا ہوں کہ اس کے مصنف کو اجر زیادہ عطا فرمائے۔ اور اپنے فضل وکرم سے خطاو زور سے محفوظ رکھے۔ بیشک وہ نیکی کرنے والا اور غفور ہے۔

اس عبارت سے واضح ہوا کہ یہ تمام روایتیں غیر مذکور السند نہیں ہیں بلکہ سب مذکور السند ہیں۔ یہاں صرف اختصار کے خیال سے ان اسناد کو ذکر نہیں کیا ورنہ جن کتابوں سے ان روایات کو لیا ہے ان میں بہ تفصیل تمام بہ اسناد مذکور ہیں۔

دوسرا جواب

مولوی عبد الحی صاحب اپنے رسالہ اقامۃ الحجۃ میں جس مقام پر صحابہ اور تابعین کی عبادات کے متعلق کچھ روایتیں غیر مذکور السند نقل کی ہیں۔ اسی ایراد کا ذکر کر کے جواب میں تحریر فرماتے

۱۔ تفسیر در منثور ج ۱ص ۹۔

ہیں:

"یہ روایات ایسے لوگوں کے کتب میں منقول ہیں۔ جو قابل اعتماد اور نقل ہیں حجت مانے جاتے ہیں۔اس لئے ان کی روایتیں اگر چہ مذکور السند نہ ہوں مگر انھیں ضرور معتبر و مستند سمجھنا چاہئے اور اگر اس قسم کے اعتراض وشک کا خیال کیا جائے گا تو کتب تاریخ اسماء رجال بھی قابل اطمینان و اعتماد نہ رہیں گے کیونکہ ان میں سے اکثر معتبر اور مرسل ہیں اور کوئی شخص اس بارے میں شک کرے تو قطعی طور سے معلوم ہو جائے گا کہ یہ شخص متعصب ہے اور قابل خطاب نہیں اور زجر و عتاب کے سوا کسی بات کے لائق نہیں ہے"۔

تیسرا جواب

شیخ عبدالحق صاحب دہلوی شرح مشکوۃ میں تحریر فرماتے ہیں:

"وانی اذا نسبت الحدیث الیهم کانی اسندت الی النبی

"ہم نے جب احادیث کی نسبت ان ائمہ فن اور علماء کی طرف کر دی تو گویا اُس حدیث کی حضرت رسولؐ کی طرف نسبت دی۔

تیسرا اعتراض

ان تمام روایات میں کسی روایت پر علامہ سیوطی نے صحت کا حکم نہیں کیا ہے پس ان سے استدلال کرنا بھی صحیح نہ ہوگا۔

پہلا جواب

میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ علامہ سیوطی کی یہ عادت ہے کہ جو راوی یا روایت ان کی نظر میں مجروح و مقدوح ہے اس کی وہ جرح و قدح کر دیتے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ جس روایت کی انھوں نے قدح نہیں کی وہ ان کے نزدیک صحیح ہے اور چونکہ ان روایات میں سے کسی روایت پر سیوطی نے جرح نہیں کی ہے۔ لہذا یہ کل روایتیں ان کے نزدیک محکوم بہ صحت ہیں۔

دوسرا جواب

یہ تو ظاہر ہے کہ علامہ سیوطی اور وہ لوگ جن کی کتابوں سے سیوطی نے یہ روایات نقل کئے ہیں معمولی اور جاہل نہیں ہیں بلکہ یہ وہ لوگ ہیں جن کو اہلسنت صرف علماء ہی نہیں بلکہ اس سے بالاتر امام اور رکن دین سمجھتے اور کہتے ہیں اور مولوی عبد الحی صاحب فرنگی محل لکھنوی نے اپنی کتاب تذکرۃ الراشد میں یہ بحث بہت تفصیل کے ساتھ لکھی ہے اور ایک قاعدہ کلیہ بنایا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جو عالم ہے وہ صحت کا ضرور التزام رکھتا ہے مقصود یہ ہے کہ یہ ہو نہیں سکتا کہ عالم ہو کر غلط روایات کو اپنی کتاب میں درج کرے۔ چنانچہ ایک اعتراض کے جواب میں لکھتے ہیں:

"و ثبوت ان صاحب الاتحاف ملتزم لصحة ما ینقله و مهتم بقوة ما ینتحله مبنی علی مقدمین مصحبتین الاولی انه من العلماء العقلاء والثانیة ان شان العلماء العقلاء هو الالتزام المذکور والاهتمام المسطور"۔

ترجمہ: اس بات کا ثبوت کہ صاحب اتحاف نے نقل اور انتساب میں صحت کو اپنے اوپر لازم کرلیا ہے اور اس کا اہتمام خاص کرتے ہیں۔ دو مقدمہ پر موقوف ہے اول تو یہ کہ وہ منجملہ علماء اور عقلاء کے ہیں اور دوسرے جو شخص عالم و عاقل ہوگا وہ التزام صحت اور نقل میں اہتمام خاص ضرور کرے گا۔

اس کے علاوہ مولوی عبد الحی صاحب نے بہت سے فقرات لکھے ہیں جو تطویل سے خالی نہیں ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ غیر ممکن ہے کہ عالم و عاقل ہو اور غلط روایت درج یا نقل کرے پھر جب عموماً علماء کے واسطے یہ قاعدہ مسلم ہوگیا تو علامہ سیوطی تو افسر علماء اور امام الاسلام اور مقتدائے انام ہیں یہ کیوں کر کوئی روایت غلط نقل کرسکتے ہیں بلکہ جتنی روایتیں انھوں نے بدون جرح نقل کی ہیں وہ کلاً ان کے نزدیک صحیح اور قابل اعتبار و مستند ہیں۔

چوتھا اعتراض

"یہ روایتیں سالم عن المعارض نہیں ہیں بلکہ ان کے مخالف اور مقابل دوسری روایتیں موجود ہیں پھر ان روایات کا کیوں کر اعتبار ہو سکتا ہے"۔

پہلا جواب

وہ روایتیں جنھیں معترض معارض خیال کرتا ہے اول تو ان روایات کے مقابلہ میں بہت قلیل اور شاذ کے حکم میں ہیں ثانیاً: وہ روایتیں اگر میرے ہاں کی ہوتیں تو باوجود قلت ہم انھیں تسلیم بھی کرتے۔ لیکن جب یہ روایتیں جو صرف آپ ہی کی کتابوں میں ہیں تو کالائے بد بریش مالک آپ جانئے اور آپ کا کام جانے۔ مجھے ان سے کیا مطلب اور مجھے کیوں کر ان روایات سے الزام دیا جا سکتا ہے۔ میں تو بقول شخصے خذ ما صفا ودع ما کدر۔ سچی باتوں کو آپ کی کتابوں سے چُن کر لے لیتا ہوں اور کوڑا آپ کے سر کے لئے مبارک۔ اگر خرافات مہملات کو آپ اپنی کتابوں میں بھر لیں تو میں اسے کیوں ماننے لگا۔

دوسرا جواب

وہ روایتیں ہرگز معارض ومخالف میرے بیان کردہ روایتوں کی نہیں کیونکہ میں اس بحث کے تیسرے قول کے ضمن میں ثابت کر چکا ہوں۔ جو روایتیں ظاہراً عبداللہ بن سلام کے بارے میں نازل ہونے پر دلالت کرتی ہیں وہ کل کی کل حقیقتاً جناب امیرؑ کی شان میں نازل ہونے کی اول دلیل ہیں۔ پھر ان کو معارض ومخالف سمجھنا معترض کی خوش فہمی کی دلیل ہے۔

اب میں اُن روایات کو سلسلہ وار بیان کرتا ہوں جو درمنثور کے علاوہ اور کتابوں میں مذکور ہیں

:

۳۱۔ ملا متقی نے کنزالعمال میں سلسلہ وار حضرت ابن عباس سے یہ روایت کی ہے:

"قال تصدق علی بخاتمه وهو راكع فقال النبی للسائل

من عطاك هذا الخاتم قال ذاك الراكع فنزل فيه انما
وليكم الله و رسوله و كان فی خاتمه مكتوباً سبحان من
فخرلی بانی له عبد ثم كتب فی خاتمه بعد لله الملك فقط
(۱)"

ترجمہ: ابن عباس کہتے ہیں کہ حضرت علی مرتضیٰؓ نے اپنی انگوٹھی حالت رکوع میں خیرات دی تو حضرت رسولؐ اللہ نے سائل سے پوچھا تجھے یہ انگوٹھی کس نے دی۔ اس نے عرض کی اس رکوع کرنے والے نے تو خدا نے یہ آیت نازل فرمائی اور آپ کی انگوٹھی کا نقش پہلے یہ تھا سبحان من فخرنی بانی له عبد اس کے بعد آپ نے اپنی انگوٹھی میں لله الملك (ملک خدا ہی کا ہے) کندہ کرایا۔ اس روایت کو خطیب بغدادی نے بھی متفق میں ذکر کیا ہے"۔

۳۲۔ شیخ حافظ محمد بن یوسف بن محمد الکنجی الشافعی کتاب کفایۃ الطالب فی مناقب علی ابن ابی طالب کے اکتالیسویں باب میں تحریر فرماتے ہیں:

"اخبرنا الفقيه ابو زكريا يحيیٰ بن علی بن احمد بن محمد الخضرمی النحوی بجامع دمشق اخبرنا اسماعيل بن عثمان بن اسماعيل القاری بشادياج نيشاپور اخبرنا هيبة الرحمن بن عبد الواحد بن الاستاذ عبد الكريم بن هوازن القشيری اخبرنی جدی عبد الكريم املاء اخبرنا ابو محمد بن يوسف الاصبهانی حدثنا ابو الحسن

۱۔ کنز العمال، ج ۱۳، ص ۱۰۸، ح ۳۶۳۵۴۔

علی بن محمد بن عقبه حدثنا الحضرمی بن ابان الهاشمی ان سائلاً اتی المسجد وهو یقول من یقرض الولی الوفی و علی علیه السلام راکع یقول بیده للسائل ای اخلع الخاتم من یدی قال رسول الله یا عمرو وجبت قال بابی انت یا رسول الله ما وجبت قال وجبت له الجنة والله ما خلعه من یده حتی خلعه الله من کل ذنب و من کل خطیة قال فما خرج احد من المسجد حتی نزل لجبرئیل علیه السلام قال یقول عزوجل انما ولیکم الله و رسوله و الذین آمنوا الذین یقیمون الصلوٰة و هم راکعون و انشاء حسان بن ثابت اباحسن تفدیك نفسی ومهجتی و کل بطی فی الهدی و مسارع ایذهب مدحی والمحبین ضائعا ۔ وما المدح فی ذات الاله بضائع ۔ و انت الذی اتیت اذ کنت راکع ۔ فدتك نفوس القوم یا خیر راکع ۔فانزل فیك الله خیرولایة۔ فاثبتها فی محکمات الشرائع"(۱)

کہ مجھ سے بیان کیا فقیہ ابوزکریا یحییٰ بن علی بن احمد بن محمد خضرمی نحوی جامع دمشق نے کہ مجھ سے کہا اسماعیل بن عثمان بن اسماعیل قاری نیشاپوری نے کہ مجھے خبر دی ہبۃ الرحمن بن عبدالواحد بن الاستاد عبدالکریم بن ہوازن قشیری نے کہ خبر دی مجھے میرے دادا عبدالکریم ملا نے کہ بیان کیا مجھ سے

۱۔ کفایۃ الطالب، ج۱،ص ۲۲۹۔

ابومحمد بن یوسف اصبہانی نے کہ بیان کیا مجھ سے ابوالحسن علی ابن محمد بن عقبہ نے کہ بیان کیا مجھ سے خضرمی ابن ابان ہاشمی نے کہ ایک سائل مسجد میں یہ کہتا ہوا آیا کہ کون ہے ایسا جو خدائے غنی و وفی کو قرض دے اور جناب امیرؑ رکوع میں تھے اور اپنے ہاتھ کے اشارے سے سائل کو کہہ رہے تھے کہ انگوٹھی میرے ہاتھ سے نکال لے۔ حضرت رسولؐ نے فرمایا اے عمر واجب ہوگئی۔ عمر نے کہا یا رسولؐ اللہ آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں کیا چیز واجب ہوگئی۔ آپ نے فرمایا ان کے لئے جنت واجب ہوگئی۔ خدا کی قسم انھوں نے اپنے ہاتھ سے انگوٹھی نہیں چھوڑی یہاں تک کہ خدا نے ان کو ہر گناہ اور خطا سے الگ کردیا۔ راوی کہتا ہے کہ ابھی کوئی شخص مسجد سے نہیں نکلا تھا کہ حضرت جبرئیل یہ آیت لے کر نازل ہوئے: انما ولیکم اللہ ... الخ اور حسان بن ثابت نے کچھ اشعار نظم کئے جن کا خلاصہ یہ ہے کہ یا علیؑ آپ پر میری جان اور مرا دل اور ہر مومن کی جان فدا ہو خواہ وہ جلدی ایمان لایا ہو یا دیر کر کے۔ کیا میری مزین مدح آپ کے بارے میں بیکار ہو سکتی ہے (ہرگز نہیں) کیونکہ جو مدح خدا کی خوشنودی کے لئے کی جاتی ہے وہ ضائع نہیں۔ آپ وہ بزرگوار ہیں جس نے رکوع کی حالت میں عطا کی۔ اے سب سے بہتر رکوع کرنے والے آپ پر ساری قوم کی جان فدا ہو۔ تو خدا نے آپ کے بارے میں سب سے بہتر حکومت نازل کی۔ اور اس کو محکمات شرائع میں ثابت کردیا۔

۲۳۔ شیخ حافظ امام ابوالحسن علی بن محمد معروف بہ ابن المغازلی نے اپنی کتاب المناقب میں یوں تحریر کیا ہے:

" قوله تعالیٰ انمٰا ولیکم الله و رسوله اخبرنا محمد بن احمد بن عثمان ابنانا ابو بکر احمد بن ابراهیم بن الحسین بن شاذان البزاز ابنا الحسن بن علی العدوی حدثنا سلمه بن شبیبه حدثنا عبد الرزاق اخبرنا مجاهد عن ابیه عن ابن عباس فی قوله تعالیٰ انمٰا ولیکم الله و رسوله والذین آمنوا قالوا نزلت فی علی بن ابیطالب"(۱)

کہ مجھ تک بسند مذکور ابن عباس سے یہ روایت پہونچی ہے کہ آیہ انمٰا ولیکم اللہ جناب علی مرتضیٰؑ کی شان میں نازل ہوئی"۔

۳۴۔ شیخ حافظ ابن المغازلی موصوف نے اسی حدیث کو اپنی کتاب المناقب میں دوسری سند سے یوں ذکر کیا ہے:

" اخبرنا ابو نصر احمد بن موسیٰ بن الطحان اجازة۔ عن القاضی ابی الفرج الحنوطی ،حدثنا عبد الحمید بن موسیٰ القتاد حدثنا محمد بن اسحاق الخزان ،حدثنا عبد الله بن بکار ، حدثنا عبید بن العتیك عن محمد بن الحسن عن ابیه عن جده عن علی بن الحسین علیهم السلام فی قوله تعالیٰ انما ولیکم الله و رسوله والذین آمنوا۔ قال الله و رسوله والذین آمنوا علی ابن ابی طالب (۲)"

۱۔ مناقب ابن مغازلی، ج ۱، ص ۲۶۰۔

۲۔ مناقب ابن مغازلی، ج ۱، ص ۲۶۱۔ ۲۶۰۔

کہ بسند مذکور حضرت علی بن الحسین علیہم السلام سے آیہ انما ولیکم اللہ کے بارے میں مجھ تک یہ روایت پہونچی ہے کہ اللہ و رسولہ سے مراد خدا اور اس کے رسول ہیں اور الذین آمنوا سے علی بن ابی طالبؑ مراد ہیں"۔

۳۵۔شیخ حافظ ابن المغازلی موصوف نے اسی حدیث کو اپنی کتاب المناقب میں تیسری سند سے یوں ذکر کیا ہے:

"اخبرنا احمد بن محمد بن طاوان ان ابا احمد عمر بن عبد اللہ بن شوذب حدثہم حدثنا ابی حدثنا ابراھیم بن عبید السلام حدثنا محمد بن عمر بن یسیر العسقلانی حدثنا ابی حدثنا مطلب بن زیاد عن اسدی عن ابی عیسیٰ عن ابن عباس قال مرّ سائل بالنبی و فی یدہ خاتم فقال من اعطاك ھذا الخاتم قال ذاك الراکع و علی علیہ السلام یصلی فقال النبی الحمد للہ الذی جعلھا فی وفی اھلبیتی انما ولیکم اللہ و رسولہ الایۃ و کان علی خاتمہ الذی تصدق بہ سبحان من فخزنی بانی لہ عبدك"(۱)

کہ بسند مذکور مجھ تک حضرت ابن عباس سے روایت پہونچی ہے کہ ایک سائل حضرت رسولؐ کے قریب سے گزرا اور اس کے ہاتھ میں ایک انگوٹھی تھی۔حضرتؐ نے پوچھا تجھے یہ انگوٹھی کس نے دی۔عرض کی اس رکوع کرنے والے نے۔اور حضرت علیؑ نماز پڑھ رہے تھے۔پس حضرت رسولؐ نے فرمایا خدا کا شکر جس نے ہم میں اور ہمارے اہلبیت میں انما ولیکم اللہ

۱۔مناقب ابن مغازلی،ج ۱،ص ۲۶۱۔

قرار دیا۔ اور جو انگوٹھی خیرات کی تھی اس پر (پاک و پاکیزہ ہے وہ خدا جس نے مجھے اپنا بندہ ہونے کا فخر دیا) لکھا ہوا تھا"۔

۳۶۔ شیخ حافظ ابن المغازلی موصوف نے اپنی کتاب المناقب میں اسی حدیث کو چوتھی سند سے یوں ذکر کیا ہے:

"اخبرنا احمد بن محمد بن طاوان ابنا ابو احمد عمر بن عبد اللہ بن شوذب قال حدثنا محمد بن احمد العسکری الدقاق حدثنا محمد بن عثمان بن ابی شیبہ حدثنا عبادہ حدثنا عمر بن ثابت عن محمد بن السائب عن ابیہ عن ابی صالح عن ابن عباس قال کان علی راکعا فجاء ہ مسکین فاعطاہ خاتمہ فقال رسول اللہ من اعطاک ھذا قال اعطانی ھذا الراکع فانزلت ھذہ الآیۃ انما ولیکم اللہ و رسولہ والذین آمنوا"(۱)

کہ بسند مذکور یہ روایت مجھ تک ابن عباس سے یوں پہونچی ہے کہ حضرت علیؑ رکوع میں تھے کہ ایک مسکین آپ کے پاس آیا تو آپ نے اپنی انگوٹھی اسے عطا کی تو حضرت رسولؐ نے اس سے پوچھا کہ تجھے یہ انگوٹھی کس نے دی وہ بولا اس رکوع کرنے والے نے۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی: انما ولیکم اللہ ... الایۃ"۔

۳۷۔ شیخ حافظ ابن المغازلی نے اسی حدیث کو اپنی کتاب المناقب میں پانچویں سند سے یوں ذکر کیا ہے:

۱۔ مناقب ابن مغازلی، ج ۱، ص ۲۶۱۔

"اخبرنا محمد بن احمد بن طاؤان ابا احمد عمر بن عبد اللہ بن شوذب اخبرھم قال حدثنا محمد بن جعفر بن محمد بالعسکری حدثنا محمد عثمان حدثنا ابراھیم بن محمد بن میمون حدثنا علی بن عباس بن عابس قال انا و ابومریم علی عبد اللہ بن عطا قال ابو مریم حدثنی علیاً بالحدیث الذی حدثنی عن ابی جعفر قال کنت عند ابی جعفر جالساً اذمر علیه ابن عبد اللہ بن سلام قلت جعلنی اللہ فداك هذا ابن الذی عنده علم الکتاب قال لا ولکنه صاحبکم علی بن ابی طالب الذی نزلت فیه آیات من کتاب اللہ و من عنده علم الکتاب۔ افمن کان علی بینة من ربه و یتلوه شاهد منه انما ولیکم اللہ و رسوله الایة"(۱)

کہ بہ سند مذکورہ عبد اللہ بن عطا سے مجھ تک یہ روایت پہونچی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھا کہ حضرتؑ کے پاس سے عبد اللہ ابن سلام کے بیٹے گزرے میں نے عرض کی خدا مجھے آپ پر فدا کرے کیا یہ اس شخص کا بیٹا ہے جس کے پاس علم الکتاب ہے آپ نے فرمایا نہیں وہ تو تمہارے آقا علی ابن ابی طالب ہیں جن کے بارے میں قرآن کی بہت سی آیتیں نازل ہوئیں۔ من عنده علم الکتاب۔ افمن کان علی بینة من ربه و یتلوه شاهد منه

۱۔ مناقب ابن مغازلی، ج ۱، ص ۲۶۲۔

و انما ولیکم اللہ الایۃ "۔

۳۸۔ حافظ سبط ابن الجوزی الحنفی نے اپنی کتاب تذکرۃ خواص الامہ میں اس روایت کو یوں ذکر کیا ہے:

" و منها فی المائدۃ قوله تعالیٰ انما ولیکم اللہ و رسوله والذین آمنوا الی قوله وهم راکعون ذکر الثعلبی فی تفسیرہ عن السدی و عتبه بن حکیم و غالب بن عبد اللہ قالوا انزلت هذہ الایۃ فی علی ابن ابی طالب کرّم اللہ وجهه مرّ به سائل وهو فی المسجد راکع فاعطاہ خاتمه " (۱)

کہ ان آیات سے جو جناب امیرؑ کی شان میں نازل ہوئیں آیہ انما ولیکم اللہ ہے ثعلبی نے اپنی تفسیر میں سدی اور عتبہ بن حکیم اور غالب بن عبد اللہ سے روایت کی ہے کہ یہ لوگ اس کے قائل ہیں کہ یہ آیت حضرت علیؑ کی شان میں نازل ہوئی جب کہ ایک سائل مسجد میں آیا اور جناب امیرؑ حالت رکوع میں تھے تو آپ نے اپنی انگوٹھی اس کو عطا فرمائی "

اس عبارت کے بعد سبط ابن جوزی نے وہ قصہ پورا نقل کیا ہے جو ثعلبی نے اپنی تفسیر میں حضرت ابوذر سے روایت کیا ہے جس کو میں آئندہ لکھوں گا۔

۳۹۔ علامہ بن ابن جوزی نے اپنی کتاب تذکرہ خواص الامۃ میں دوسرے طریق سے یوں ذکر کیا ہے:

" وفی روایۃ خرج رسول اللہ وعلی قائم یصلی و فی

۱۔ تذکرۃ خواص الامۃ، باب ۲، ص ۱۵۔

المسجد سائل و معه خاتم فقال له رسول اللہ هل اعطاك احد شیئا فقال نعم ذلك المصلی هذا الخاتم وهو راکع فکبّر رسول اللہ و نزل جبرئیل یتلوه هذه الآیة فقال حسان بن ثابت:

اباحسن نفدیك روحی و مهجتی
وکل بطی فی الهدی و مسارع
فانت الذی اعطیت اذ کنت راکعاً
فدتك نفوس الخلق یاخیر راکع
نجاتك المیمون یاخیر سید ویاخیر شار ثم یاخیر بایع
فانزل فیك اللہ خیر ولایة وبیّنها فی محکمات الشرائع

وقال ایضاً

من ذا بخاتمه تصدق راکعا واسرها فی نفسه اسرارا
من کان بات علی فراش محمد ومحمد اسری یوم الغارا
من کان فی القرآن سمّی مومنا فی تسع ایات تبین امیرها [1] انتہا۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت رسولؐ دولت سرا سے برآمد ہوئے اور حضرت علیؑ نماز پڑھ رہے تھے اور مسجد میں ایک سائل تھا اور اس کے پاس ایک انگوٹھی تھی۔ حضرت رسولؐ نے اس سے پوچھا تجھے کسی نے کچھ دیا بھی۔ اس نے عرض کی ہاں اس نماز پڑھنے والے نے حالت رکوع میں یہ انگوٹھی دی ہے۔ پس حضرت رسولؐ نے تکبیر کہی اور جبرئیل یہ آیت

۱۔ تذکرۃ خواص الامۃ، باب ۲، ص ۱۶۔

پڑھتے ہوئے نازل ہوے۔ اور حسان بن ثابت نے یہ اشعار نظم کئے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے: اے علی آپ پر میری روح اور جان اور ہر مومن کی فدا ہو خواہ وہ دیر کر کے ایمان لایا ہو یا جلدی۔ آپ ہی وہ بزرگ ہیں جس نے حالت رکوع میں عطیہ کیا اے سب سے بہتر رکوع کرنے والے آپ پر تمام خلق کی جانیں فدا ہوں۔ آپ نے اے بہتر سردار اور بہتر خریدار اور بہتر بیچنے والے اپنی مبارک انگوٹھی خیرات کی۔ تو خدا نے آپ کے بارے میں سب سے اچھی حکومت نازل فرمائی اور اس کو محکمات شرائع میں واضح کر کے بیان کر دیا۔

اور پھر یوں بھی نظم کیا:

بھلا وہ کون ہے جس نے حالت رکوع میں اپنی انگوٹھی خیرات دی اور اپنے نفس میں اچھی طرح چھپایا۔ وہ کون ہے جو فرش رسول پر سویا اور خود حضرت رسولؐ شب کو غار کی طرف تشریف لے گئے۔ وہ کون ہے جس کا نام قرآن میں نو آیتوں میں مومن رکھا گیا جو نہایت روشن معلوم ہوتی ہیں۔ اس سے حسان نے اشارہ کیا ہے قول ابن عباس کی طرف جو وہ کہا کرتے تھے کہ کوئی آیت قرآن میں ایمان کے بارے میں نازل نہیں ہوئی مگر حضرت علیؑ اس کے سردار اور امیر ہیں"۔

۴۰۔ شمس الاسلام صدر الائمہ ابو المؤید موفق بن احمد مکی خوارزمی معروف بہ باخطب خوارزمی نے اپنی کتاب المناقب کی فصل ہفتدہ میں اس روایت کو یوں ذکر کیا ہے:

"اخبرنی الشیخ الزاهد ابو الحسن علی بن احمد العاصمی قال اخبرنا القاضی الامام شیخ القضاة اسماعیل بن

احمد الواعظ قال اخبرنا والدی ابو بکر احمد بن الحسین البیہقی قال اخبرنا ابو عبد اللہ الحافظ قال اخبرنا ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ الصفار قال حدثنا ابو یحییٰ عبد الرحمن بن مسلم الرازی الاصبہانی قال حدثنا یحییٰ بن جریش قال حدثنا عیسی بن عبد اللہ بن عبد اللہ بن عمر بن علی بن ابیطالب قال حدثنی ابی عن ابیہ عن جدہ عن علی بن ابیطالب قال نزلت ہذہ الآیۃ علی رسول اللہ انما ولیکم اللہ فخرج رسول اللہ و دخل المسجد و الناس یصلون بین راکع و قائم فاذا سائل ۔سائل قال یا سائل ہل اعطاک احد شیئا قال لا الا ہذا الراکع لعلی اعطانی خاتماً"(۱)

ترجمہ: یہ کہ بسند مذکور حضرت علی مرتضیؑ سے مجھ تک یہ روایت پہونچی ہے کہ حضرتؐ نے فرمایا کہ یہ آیت رسولؐ اللہ پر نازل ہوئی تو آپ دولتسرا سے مسجد میں تشریف لائے اور یہ لوگ مشغول نماز تھے کوئی رکوع میں تھا کوئی قیام میں ناگاہ ایک سائل نے سوال کیا آپ نے پوچھا کسی نے تجھے کچھ دیا یا نہیں وہ بولا نہیں مگر اس راکع علیؑ نے ایک انگوٹھی عطا کی ہے"۔

۴۱۔سید اجل جمال الدین محدث نے اپنی کتاب الاربعین میں اس روایت کو یوں ذکر کیا ہے:

"الحدیث السابع عن ابی ذر الغفاری قال سمعت رسول

۱۔مناقب خوارزمی، ص ۲۶۶، حدیث ۲۴۸۔

الله بهاتين والافصمتا و رأيته بهاتين والافعميتا يقول على قائد البررہ و قاتل الكفرہ منصور من نصرہ و مخذول من خذله اما انى صليت مع رسول الله يوما من الايام صلاۃ الظهر فسأل سائل فى المسجد فلم يعطه احد شيئا فرفع السائل يده الى السماء و قال اللهم اشهد انى سالت فى مسجد رسول الله فلم يعطنى احد شيئا و على كان راكعا فاومى بيده اليمنى و كان يختم فيها فاقبل السائل حتى اخذ الخاتم من خنصرہ و ذلك بعين النبى فوقع النبى راسه عند ذلك الى السماء وقال اللهم ان اخى موسىٰ سال فقال رب اشرح لى صدى و يسرلى امرى و احلل عقدۃ من لسانى يفقهوا قولى واجعل لى وزيراً من اهلى هارون اخى اشدد به ازرى و اشركه فى امر فانزلت عليه قرانا ناطقا سنشد عضدك باخيك و نجعل لكما سلطانا فلا يصلون اليكما باياتنا اللهم و انا محمد نبيك و صفيك اللهم اشرح لى صدرى و يسر لى امرى و اجعل لى وزيرا من اهلى عليا اشددبه ظهرى فقال ابو ذر فوالله ما استتم رسول الله الكلمة حتى نزل جبرئيل من عند الله فقال يا محمد اقرء قال ما اقرء قال اقرا انما وليكم الله۔

ساتویں حدیث حضرت ابوذر غفاری سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں

نے رسالت مآبؐ سے اپنے ان کانوں سے سنا ورنہ (اگر جھوٹ کہوں تو) بہرے ہوجائیں اور اپنی ان دونوں آنکھوں سے دیکھا ورنہ اندھی ہوجائیں۔ حضرت رسولؐ فرماتے تھے کہ علی مرتضیٰؑ نیکوکاروں کے پیشوا ہیں اور کافروں کے قاتل ہیں جو اس کی نصرت کرے منصور ہے اور جو ان کو ذلیل کرے ذلیل ہے۔ اور ابوذر کہتے ہیں کہ میں نے رسولؐ اللہ کے ساتھ ایک دن نماز ظہر پڑھی اور ایک سائل نے مسجد میں سوال کیا اور کسی نے اس کو کچھ نہ دیا تو اس نے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف بلند کئے اور کہنے لگا خداوند گواہ رہنا کہ میں نے تیرے رسولؐ کی مسجد میں سوال کیا اور کسی نے کچھ نہیں دیا۔ اور علی مرتضیٰؑ رکوع میں تھے کہ اپنے داہنے ہاتھ سے اس کی طرف اشارہ کیا اور وہ داہنے ہی ہاتھ میں انگوٹھی پہنے ہوئے تھے یہ دیکھ کر سائل آگے بڑھا اور انگوٹھی ان کی چھوٹی انگلی سے اتار لی۔ اور اسی واقعہ کو رسالت مآبؐ ملاحظہ فرمارہے تھے اسی وقت آپ نے اپنا سر آسمان کی طرف اٹھایا اور عرض کی خداوند! میرے بھائی موسیٰ نے تجھ سے سوال کیا اور عرض کی خداوندا میرے لئے میرا سینہ کشادہ کردے اور میرا کلام آسان کردے اور میری زبان کی گرہ کھول دے تاکہ لوگ میری بات اچھی طرح سمجھیں اور میرے اہل سے میرے بھائی ہارون کو میرا وزیر بنا اور اس کی وجہ سے میری پشت قوی کر اور اس کو میرے کام میں شریک کر تو تو نے موسیٰ پر قرآن ناطق نازل فرمایا کہ عنقریب ہم تمہارا بازو تمہارے بھائی کی بدولت قوی کردیں گے اور تم دونوں کو غلبہ عطا فرمائیں گے۔ تو لوگ تم دونوں تک ہمارے معجزات کی بدولت نہ پہونچ سکیں گے۔ خداوندا میں

محمد تیرا نبی ہوں اور تیرا برگزیدہ ہوں۔ خداوندا میرا سینہ کشادہ فرما۔ اور میرے کام کو آسان فرما۔ اور میرے اہل سے علیؑ کو میرا وزیر بنا اور اس کے ذریعہ سے میری پشت قوی کر۔ ابوذر کہتے ہیں خدا کی قسم ابھی حضرتؐ کا کلام ختم نہ ہو پایا تھا کہ خدا کی طرف سے جبرئیل نازل ہوئے اور کہا اے رسولؐ پڑھئے آپ نے فرمایا کیا پڑھوں جبرئیل نے کہا پڑھئے **انما ولیکم الله۔۔۔۔**"۔

۴۲۔ علامہ جمال الدین محدث نے اس حدیث کو دوسرے طریق سے بھی ذکر کیا ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

"وهذا الحديث مروی من طريق ابن عباس ايضاً و فيه من الزيادة فانشا حسان:

ابا حسن تفديك روحی و مهجتی

و كل بطی فی الهدی و مسارع

ايذهب مدحی المحبين ضائعاً

وما المدح فی جنب الاله بضايع

فانت الذی اعطيت اذا كنت راكعاً

فدتك نفوس القوم يا خير راكع

فانزل فيك الله خير ولاية

فاثبتها فی محكمات الشرائع

یہ حدیث ابن عباس کے طریقہ سے بھی مروی ہے اور اس میں کچھ زیادہ بھی ہے اور حسان بن ثابت نے کچھ اشعار اس موقع پر نظم کیے تھے۔ (جن کا ترجمہ کئی جگہ گزر چکا ہے)۔

۴۳۔علامہ محمد بن یوسف بن محمود بن الحسن الزرندی المدنی الانصاری نے اسی حدیث کو اپنی کتاب نظم درر السمطین فی فضائل المصطفی والمرتضی والبتول والسبطین میں یوں ذکر کیا ہے:

"عن عمار بن یاسر قال وقف بعلی سائل وھو راکع فی صلوٰۃ فنزع خاتمہ فاعطاہ السائل فأتی رسول اللہ فاعلمہ ذلک فنزلت فی علی ھذہ الایۃ انما ولیکم اللہ الایۃ فقرءھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ"(۱)

حضرت عمار بن یاسر سے روایت ہے کہ علی مرتضیٰؑ کے سامنے ایک سائل کھڑا ہوا اور آپ رکوع میں تھے تو آپ نے اپنی انگوٹھی اتار کر سائل کو دی پھر جب حضرت رسولؐ آئے تو حضرت کو اس کی خبر دی اس وقت یہ آیت علی مرتضیٰؑ کی شان میں نازل ہوئی اور حضرت رسولؐ نے اس کو پڑھا"۔

۴۴۔علامہ زرندی موصوف نے اسی حدیث کو دوسرے طریق سے اپنی کتاب نظم درر السمطین میں یوں ذکر کیا ہے:

"عن الاعمش عن عبایہ قال بینا ابن عباس علی شفیر زمزم یحدث عن رسول اللہ فجعل لا یقول قال رسول اللہ الا قال رجل متعمم بعمامۃ قال رسول اللہ فقال ابن عباس سالتك باللہ من انت فکشف العمامۃ عن وجھه و قال یا ایھا الناس من عرفنی فقد عرفنی و من لم یعرفنی فانا جندب بن جنادہ البدری ابو ذر الغفاری سمعت النبی بھاتین والافصمتا ورایتہ

۱۔نظم درر السمطین،ص۸۶،ذکر ما نزل فی علی فی القرآن من الایات۔

بہاتین والافعمیتاً یقول علی قائد البررہ قاتل الکفر منصور من نصرہ مخذول من خذلہ اما انی صلیت مع رسول اللہ یوماً من الایام صلوٰۃ الظہر فسال سائل فی المسجد فلم یعطہ احد فرفع یدہ الی السماء و قال اللھم اشھد انی سألت فی مسجد رسول اللہ فلم یعطنی احد شیئاً و علی کان راکع فاوحی خنصرہ الیمنی و کان یختم فیھا فاقبل السائل حتی اخذ الخاتم من خنصرہ و ذالک بعین النبی فرفع النبی راسہ عند ذالک الی السماء و قال اللھم ان اخی موسی سأل فقال رب اشرح لی صدری و یسر لی امری واحلل عقدۃ من لسانی یفقھوا قولی واجعل لی وزیرا من اھلی ھارون اخی اشدد بہ ازری و اشرکہ فی امری فانزلت علیہ قرآناً ناطقاً سنشد عضدک باخیک و نجعل لکما سلطاناً فلا یصلون الیکما بایاتنا اللھم و انا محمد نبیک و صفیک اللھم اشرح لی صدری و یسر لی امری و اجعل لی وزیرا من اھلی علیاً اشدد بہ ازری قال ابو ذر فواللہ ما استتم رسول اللہ الکلمۃ حتی نزل جبرئیل من عند اللہ و قال یا محمد اقرء قال ما اقرء قال اقرء انما ولیکم اللہ و رسولہ الایۃ"(۱)

۱۔ نظم درر السمطین ص ۸۷، ذکر ما نزل فی علی فی القرآن من الآیات۔

اعمش بن عبایہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ ابن عباس کے ساتھ کنارہ زمزم پر بیٹھے رسولؐ اللہ کا تذکرہ کر رہے تھے اور ابن عباس قال رسول اللہ کہنے نہ پائے تھے کہ اسی اثنا ایک آدمی عمامہ باندھے ڈھاٹا لگائے ان کے قریب سے کہنے لگا قال رسول اللہ۔ ابن عباس نے کہا میں تم کو خدا کی قسم دیتا ہوں بتاؤ تم کون ہو؟ اس نے عمامہ اپنے چہرے سے ہٹایا اور کہنے لگا جو مجھے پہچانتا ہے وہ تو خیر پہچانتا ہے اور جو نہیں پہچانتا وہ پہچان لے کہ میں ہوں جندب بن جنادہ البدری ابو ذر غفاری۔ میں نے اپنے ان دونوں کانوں سے سنا ہے اور اگر جھوٹ ہو تو بہرے ہو جائیں اور میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اگر جھوٹ ہو تو اندھی ہو جائیں کہ رسولؐ اللہ فرماتے تھے علی مرتضیٰؑ نیک کاروں کا پیشوا ہے اور کفار کا قاتل ہے جس نے اس کی مدد کی وہ منصور ہے۔ جس نے اس کی ذلت کی وہ رسوا ہے۔ آگاہ ہو کہ میں نے رسولؐ اللہ کے ساتھ ایک دن نماز ظہر پڑھی تو ایک سائل نے مسجد میں سوال کیا اور اس کو کسی نے کچھ نہ دیا تو اس نے اپنا ہاتھ آسمان کی طرف اٹھایا اور کہنے لگا خداوندا گواہ رہنا میں نے تیرے رسولؐ کی مسجد میں سوال کیا اور کسی نے کچھ نہ دیا اور علی مرتضیٰؑ رکوع میں تھے تو اپنے داہنے ہاتھ کی چھوٹی انگلی سے جس میں انگوٹھی پہنے ہوئے تھے اشارہ کیا اور سائل بڑھا اور اس نے آپ کی چھوٹی انگلی سے انگوٹھی اتار لی اور یہ واقعہ رسولؐ کے سامنے ہوا۔ حضرت رسولؐ نے اسی وقت اپنا سر آسمان کی طرف بلند کیا اور عرض کی خداوندا میرے بھائی موسیٰ نے سوال کیا تھا اور یوں کہا تھا کہ بارالٰہا میرا سینہ کشادہ کر دے اور میرا کام آسان کر دے اور میری زبان

کی گرہ کھول دے تاکہ لوگ میری بات اچھی طرح سمجھیں اور میرے اہل سے میرے بھائی ہارون کو میرا وزیر قرار دے اور اس سے میری پشت قوی کر اور اس کو میرے کام میں میرا شریک بنا تو تو نے ان پر قرآن ناطق نازل کیا کہ ہم عنقریب تمہارے بازو تمہارے بھائی کے ذریعہ سے قوی کریں گے اور تم دونوں کو غلبہ عطا کریں گے تو لوگ تم دونوں تک تمہارے معجزات کی وجہ سے پہونچ بھی نہ سکیں گے۔ خداوندا اور میں ہوں محمد تیرا نبی اور تیرا برگزیدہ۔ بارالہا میرا سینہ کشادہ کردے اور میرے کام کو آسان کردے اور میرے اہل سے علی مرتضیٰؑ کو میرا وزیر بنا اور اس کے ذریعہ سے میری پشت قوی کر ابوذر کہتے ہیں خدا کی قسم ابھی رسولؐ اللہ کا کلام ختم نہ ہونے پایا تھا کہ جبرئیل خدا کی طرف سے نازل ہوئے اور کہنے لگے اے رسولؐ پڑھئے آپ نے پوچھا کیا پڑھوں کہا پڑھئے انماؔ ولیکم اللہ الایۃ"۔

۴۵۔ علامہ زرندی موصوف نے اپنی کتاب نظم درر السمطین میں اسی حدیث کو تیسرے طریق سے یوں ذکر کیا ہے:

"عن ابن عباس قال اقبل عبد الله بن سلام و معه نفر من قومه فمن آمن بالنبی (ص) فقال یا رسول الله ان منازلنا بعیدة و لیس لنا مجلس ولا مستحدث دون المسجد و ان قومنا لما راونا امنا بالله و رسوله رفضونا وآلوا علی انفسهم ان لا یجالسونا و لا ینا کحونا ولا یکلمونا فشق ذلك علینا فقال لهم النبی انما ولیکم

الله و رسوله والذین آمنوا الذین یقولون الصلوٰۃ و یوتون الزکوٰۃ وھم راکعون ثم ان النبی خرج الی المسجد و الناس بین قائم و راکع و جالس فبصر سائل فقال له النبی ھل اعطاك احد شیئاً قال نعم خاتم من فضة قال من اعطاك قال ذلك القائم واومی بیدہ الی علی فقال النبی علی ای حال اعطاك قال اعطانی وھو راکع فکبّر النبی صلی الله علیه وآله ثم قرء من یتولی الله و رسوله والذین آمنوا فان حزب الله ھم الغالبون فانشاء حسان بن ثابت:

ابا حسن نفدیك روحی و مھجتی
و کل بطیء فی الھدی و مسارع
ایذھب مدحی المحبین ضایعاً
وما المدح فی جنب الاله بضایع
فانت الذی اعطیت اذ کنت راکعاً
فدتك نفوس القوم یاخیر راکع
فانزل فیك الله خیر ولایة
وبینھا فی محکمات الشرائع(۱)

ابن عباس سے روایت ہے کہ عبداللہ بن سلام اپنی قوم کے چند آدمیوں کے ساتھ جو رسولؐ اللہ پر ایمان لا چکے تھے حضرتؐ کے پاس آئے اور

۱۔ نظم درر السمطین، ص ۸۸، ذکر ما نزل فی علی فی القرآن من الآیات۔

عرض کرنے لگے یا رسولؐ اللہ ہمارے گھر دور ہیں ہم لوگوں کی نہ اس مسجد کے سوا کوئی نشست گاہ ہے اور نہ کوئی بات کرنے کی جگہ ہے اور ہماری قوم نے جب ہم کو دیکھا کہ ہم خدا اور رسولؐ پر ایمان لائے ہیں تو ہم کو چھوڑ دیا اور باہم قسم کھائی ہے کہ نہ ہمارے ساتھ بیٹھیں گے اور نہ شادی بیاہ کریں گے اور نہ بات چیت کریں گے۔ یہ ہم پر بہت شاق وگراں ہے۔ تو حضرتؐ نے فرمایا (کچھ پروانہ کرو) تمہارا سرپرست و حاکم تو خدا ہے اور اس کا رسول اور وہ مومن کامل جو نماز کو پابندی سے برپا رکھتا ہے اور حالت رکوع میں زکوٰۃ دیتا ہے۔ پھر حضرت رسول مسجد میں تشریف لائے اور لوگوں میں سے کچھ تو حالت قیام میں تھے اور کچھ حالت رکوع میں اور کچھ بیٹھے ہوئے تھے۔ اتفاقاً حضرت کی نظر ایک سائل پر پڑی آپ نے اس سے پوچھا تجھے کسی نے کچھ دیا بھی اس نے عرض کی ہاں۔ چاندی کی ایک انگوٹھی آپ نے پوچھا تجھے یہ کس نے دیا اس نے علی مرتضیٰؑ کی طرف اشارہ کر کے بتایا کہ اس قائم نے۔ تب آپ نے پوچھا انھوں نے کس حالت میں دیا۔ وہ بولا بحالت رکوع۔ اس وقت حضرتؐ نے تکبیر کہی اور پھر اس آیت کی تلاوت فرمائی: "من یتولی اللہ۔۔۔ الایۃ

اور حسان بن ثابت نے یہ اشعار نظم کیے جن کا خلاصہ یہ ہے:

اے ابوالحسنؑ آپ پر میرا نفس اور دل ہر ہدایت یافتہ کا فدا ہو خواہ وہ جلدی ایمان لایا ہو یا دیر کر کے۔ کیا میری زیب و زین مدح جو آپ کی شان میں ہو، اکارت ہو جائے گی۔ حالانکہ جو مدح خدا کی خوشنودی کے لئے کی جاتی ہے وہ ہرگز برباد نہیں ہوا کرتی۔ آپ ہی وہ بزرگ ہیں جس نے

حالت رکوع میں زکوٰۃ دی۔ اے سب سے بہتر رکوع کرنے والے آپ پر ساری قوم کی جان فدا ہو جائے اور خدا نے آپ کے بارے میں سب سے بہتر حکومت نازل فرمائی اور آپ کو بہت مضبوط شریعت میں واضح طور پر بیان کر دیا"۔

۴۶۔ ثعلبی نے اپنی تفسیر میں جو ایک مشہور و معروف کتاب ہے اس روایت کو اپنے اسناد کے ساتھ سدی اور عتبہ بن حکیم اور غالب بن عبد اللہ سے یوں ذکر کیا ہے:

"قال ابوذر الغفاری صلیت یوماً من الایام صلوٰۃ الظھر فی المسجد و رسول اللہ حاضر فقام سائل فلم یعطہ احد شیئاً قال و کان علی قد رکع فأومی الی السائل الخنصرہ فاخذ الخاتم من خنصرہ و النبی یعاین ذلک فرفع راسہ الی السماء و قال اللھم ان اخی موسی سألك فقال رب اشرح لی صدری و یسرلی امری الی قولہ و اشرکہ فی امری فانزلت علیہ قرآنا ناطقا سنشد عضدك باخیك و نجعل لکما سلطانا فلا یصلون الیکما اللھم فانا محمد نبیك و صفیك فاشرح لی صدری و یسرلی امری واجعل لی وزیرا من اھلی علیاً واشدد بہ ازری او قال ظھری قال ابو ذر فواللہ مااستتم رسول اللہ الکلمۃ حتی نزل جبرئیل من عند اللہ تعالیٰ فقال یا محمد اقراء انما ولیکم اللہ الایۃ"۔(۱)

۱۔ تفسیر ثعلبی، ج ۲، ص ۴۸۶۔

حضرت ابوذر غفاری سے روایت ہے کہ میں نے ایک دن مسجد میں نماز ظہر پڑھی اور حضرت رسولؐ بھی موجود تھے کہ ایک سائل نے سوال کیا تو اُسے کسی نے کچھ نہ دیا اور علی مرتضیٰؑ رکوع میں تھے اپنی چھوٹی انگلی سے سائل کی طرف اشارہ کیا پس اس نے ان کی انگلی سے انگوٹھی اتار لی اور حضرت رسولؐ اس کو دیکھ رہے تھے پس اپنے سر کو آسمان کی طرف بلند کیا اور کہا خداوندا میرے بھائی موسیٰ نے تجھ سے سوال کیا اور عرض کیا کہ بارالٰہا میرا سینہ کشادہ فرما اور میرا کام آسان کر اور میری زبان کی گرہ کھول دے تا کہ لوگ میری بات سمجھیں اور میرے اہل سے میرے بھائی ہارون کو میرا وزیر بنا اور ان کے ذریعہ سے میری پشت قوی کر اور میرے کام میں ان کو شریک کر، تو ان پر تو نے قرآن ناطق نازل فرمایا کہ ہم عنقریب تمہارے بھائی سے تمہارا بازو قوی کریں گے اور تم دونوں کو غلبہ عطا کریں گے تو لوگ تم دونوں تک نہ پہونچ سکیں گے۔ خداوندا میں محمد ہوں اور تیرا نبی و برگزیدہ ہوں۔ تو میرا سینہ بھی کشادہ فرما اور میرے کام میں مجھے آسانی عطا فرما اور میرے اہل سے علیؑ کو میرا وزیر بنا اور اس کے ذریعہ میری پشت قوی کر۔ حضرت ابوذر کہتے ہیں کہ ابھی رسولؐ اللہ نے اپنا کلام ختم نہیں کیا تھا کہ خدا کی طرف سے جبرئیل نازل ہوئے اور کہا اے رسول پڑھئے انما ولیکم اللہ الآیۃ"

۷۴۔ تفسیر نیشاپوری نے بھی اس حدیث کو اسی سند سے حضرت ابوذر سے بعینہ انھیں الفاظ کیساتھ روایت کی ہے۔ (۱) اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

۱۔ تفسیر نیشاپوری، ج ۲، ص ۶۰۵۔

۴۸۔ تفسیر بیضاوی میں جو بہت مشہور و معروف اور داخل درس اور بہت مستند شمار کی جاتی ہے۔ اسی آیت کی بحث میں لکھا ہے:

"و انہا نزلت فی علی رضی اللہ عنہ حین سأل سائل وھو راکع فی صلوٰۃ فطرح الیہ خاتمۃ" (۱)

یہ آیت نازل ہوئی حضرت علیؑ کی شان میں چونکہ ایک سائل نے آپ کی نماز کے رکوع کی حالت میں سوال کیا اور آپ نے اپنی انگوٹھی اس کی طرف ڈال دی"۔

۴۹۔ تفسیر معالم التنزیل میں محی السنۃ امام بغوی نے اس حدیث کو یوں ذکر کیا ہے:

"قال السدی قولہ والذین آمنوا الذین یقیمون الصلوٰۃ و یوتون الزکوٰۃ و ھم راکعون مرادبہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ مرّبہ سائل وھو راکع فی المسجد فاعطاہ خاتمۃ" (۲)

سدی نے کہا ہے کہ "قول باری تعالیٰ الذین آمنوا الذین یقیمون الصلوٰۃ و یوتون الزکوٰۃ و ھم راکعون" سے خداوند عالم نے علی بن ابی طالب کو مراد لیا ہے۔ کیونکہ مسجد میں آپ کے رکوع کی حالت میں ایک سائل آپ کے سامنے سے گزرا تو آپ نے اپنی انگوٹھی اُسے عطا فرمائی"۔

۵۰۔ امام بغوی نے اسی تفسیر معالم التنزیل میں اسی حدیث کو ابن عباس سے بھی روایت کیا

۱۔ تفسیر بیضاوی، ج ۱، ص ۲۷۲۔

۲۔ تفسیر معالم التنزیل، ج ۲، ص ۴۷۔

ہے۔(۱)

۵۱۔ملا علی قاری نے مرقاۃ شرح مشکوۃ میں حدیث ان علیاً منی لا منہ وھو ولی کل مومن (بے شک علیؑ مجھ سے اور میں علی سے ہوں اور وہ ہر مومن کا حاکم ہے) کی شرح میں یوں تحریر فرمایا ہے:

"قال الطیبی ھو اشارۃ الی قولہ تعالیٰ انما ولیکم اللہ و رسولہ و الذین آمنوا الذین یقیمون الصلوٰۃ و یوتون الزکوٰۃ وھم راکعون"(۲)

طیبی نے کہا ہے کہ اس حدیث سے اشارہ ہے قول خداوند عالم انما ولیکم اللہ کی طرف (اس کے بعد کشاف و بیضاوی وغیرہ کے اقوال نقل کر کے لکھتے ہیں) والحدیث رواہ ابن جریر و ابن ابی حاتم و ابن مردویہ بروایات مختلفۃ اس حدیث کو ابن جریر طبری، ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ نے بھی مختلف روایات سے روایت کی ہے۔

۵۲۔تفسیر کشاف میں یہ شان نزول یوں مذکور ہے:

"و انہا نزلت فی علی کرم اللہ وجھہ حین سال سائل وھو راکع فی صلوٰۃ فطرح لہ خاتمۃ کان مرجاً فی خنصرہ فلم یتکلف لخلعہ کثیر عمل تفسد بمثلہ صلاتہ فان قلت کیف صح لعلی رضی اللہ عنہ واللفظ لفظ جماعۃ؟ قلت جئی بہ لفظ الجمع و ان کان السبب فیہ رجلا و

۱۔تفسیر معالم التنزیل، ج ۲،ص ۴۷۔

۲۔مرقاۃ، ج ۱،ص ۳۴۰۔

احدا لیرغب الناس فی مثل فعله فینالوا مثل ثوابه و لینبه علی ان سجیة المومنین ان تکون علی هذه الغایة من الحرص علی البر و الاحسان وتفقد الفقراء حتی ان لزهم امر لا یقبل التاخیر و هم فی الصلوٰة لم یوخروه الی الفراغ منها"(۱)

اور اس میں شک نہیں کہ یہ آیت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شان میں نازل ہوئی۔ جب آپ سے ایک سائل نے سوال کیا اور آپ اپنی نماز کے رکوع میں تھے تو آپ نے اپنی انگوٹھی اس کے سامنے ڈال دی۔ گویا وہ انگوٹھی آپ کی انگلی میں ڈھیلی تھی جس کی وجہ سے اس کے اتارنے میں عمل کثیر جو مفسد نماز ہوتا ہے بجالانے کی نوبت نہ آئی۔

پس اگر تو کہے کہ صیغہ تو جمع کا ہے پھر تنہا حضرت علیؑ کے واسطے اس کا لانا کیوں کر صحیح ہوگا تو میں کہوں گا کہ اگرچہ سبب نزول کا ایک ہی شخص ہو مگر باوجود اس کے صیغہ جمع اس واسطے لایا گیا کہ لوگ آپ کے ایسے فعل کی طرف رغبت کریں اور آپ کے ایسے ثواب پر فائز ہوں اور اس بات کی تنبیہ کے واسطے کہ مومنین کی عادت ایسی ہی ہونی چاہئے کہ وہ حریص ہوں نیکی اور احسان اور فقراء کی خیر گیری میں یہاں تک کہ اگر ان کو کوئی ایسا امر پیش آجائے جس میں تاخیر نہ ہو سکتی ہو اور وہ نماز میں مشغول ہوں تو نماز سے فارغ ہونے تک کی تاخیر بھی گوارا نہ کریں اور فوری بجالائیں"۔

۵۳۔ کاشف شرح مشکوٰۃ حدیث وھو ولی کل مومن کی شرح میں لکھا ہے:

۱۔ تفسیر کشاف، ج ۱ص ۶۲۴۔

"هو ولی کل مومن اشارة الی قوله تعالیٰ انما ولیکم الله و رسوله والذین آمنوا الذین یقیمون الصلوٰة و یوتون الزکوٰة وهم راکعون"(۱)

ترجمہ: وہ (علیؑ) حاکم ہے ہر مومن کا اشارہ ہے قول خدا انماؔ ولیکم الله و رسوله والذین آمنوا کی طرف (اس کے بعد تفسیر کشاف کی گزشتہ عبارت نقل کی ہے جو میں عرض کر چکا ہوں)"۔

۵۴۔علامہ محب الدین طبری نے ذخائر العقبیٰ مودۃ اہل القربیٰ (کے باب ذکر صدقہ علیؑ) میں یہ تحریر فرمایا ہے:

"عن عبد الله بن سلام قال اذن بلال لصلوٰة الظهر فقام الناس یصلون فمن بین راکع و ساجد سائل یسأل فاعطی علی خاتمه وهو راکع فاخبر السائل رسول الله فقرء رسول الله انما ولیکم الله و رسوله الایة اخرجه الواحدی و ابو الفرج ابن الجوزی"(۲)

عبد اللہ بن سلام سے روایت ہے کہ ایک دن بلال نے نماز ظہر کی اذان کہی اور لوگ نماز پڑھنے لگے ۔ اسی اثنا میں کہ کوئی رکوع میں اور کوئی سجدہ میں تھا ایک سائل نے سوال کیا تو حضرت علیؑ نے حالت رکوع میں اپنی انگوٹھی اسے عطا فرمائی پھر جب سائل نے اسکی خبر رسول اللہ کو دی تو حضرتؐ نے آیہ انما ولیکم اللہ کی تلاوت فرمائی۔

۱۔ ذخائر العقبیٰ ص ۱۰۲۔

۲۔ ذخائر العقبیٰ ص ۱۰۲۔

اس روایت کو واحدی اور ابوالفرج بن جوزی نے بھی بیان کیا ہے"۔

۵۵۔علامہ محمد بن صباح مالکی نے اپنی کتاب فصول مہمہ فی معرفۃ الائمہ کی فصل مناقب میں یوں تحریر فرمایا ہے:

"و نقل ابو اسحاق احمد بن محمد الثعلبی الخ (۱)"

اور ثعلبی کے ذریعہ سے حضرت ابن عباس سے وہ روایت بیان کی ہے جو میں گزشتہ نمبروں میں نقل کر چکا ہوں۔

۵۶۔علامہ عاصمی اپنی کتاب زین الفتیٰ میں اس آیت کی نسبت یوں تحریر فرماتے ہیں:

"والمشهور انها نزلت فی المرتضی رضوان الله علیه حین اعطی السائل خاتمه وهو راکع"

مشہور یہ ہے کہ یہ آیت علی مرتضیٰؑ کی شان میں نازل ہوئی جب آپ نے اپنی انگوٹھی حالت رکوع میں سائل کو عطا فرمائی تھی"۔

۵۷۔مولانا شاہ ولی اللہ صاحب لکھنوی فرنگی محلی جن کی وفات کی تاریخ مولوی عبدالحی صاحب نے اس دھوم دھام اور شان وشوکت سے فرمائی ہے۔امام زمن استاد جہانی۔بہ پرواز روحش ملائکہ بشر۔بذکر صفاتش بہ سالش شنیدم۔فقیہ و اصولی، محدث و مفسر۔اپنی کتاب مراۃ المومنین حدیث منزلت کے ذیل میں یوں رقمطراز ہیں:

" آنحضرتؐ چونکه نفاق منافقان دریافت فرمود برین دقیقه اگاهی داد و مرتبه هارونیه که خلعت خاص از جناب الٰهی به علی مرتضیٰ علیه السلام عنایت شده بود بیان فرمود چنانچه مروی است که چون آیه انما ولیکم الله الایه نازل شد آنحضرتؐ

۱۔فصول المہمۃ،ص ۱۲۴۔

در شان علی مرتضیؑ دعای وزارت فرمود مثل دعای موسیٰ در حق هارون علیهما السلام

قال الامام الرازی فی تفسیر الکبیر روی عطا عن ابن عباس انها نزلت فی علی بن ابیطالب روی ان عبد الله بن سلام قال لما نزلت هذه الایة قلت یا رسول الله انا رایت علیاً تصدق بخاتمه علی محتاج وهو راکع فنحن نتولاه و روی عن ابی ذر انه قال صلیت مع رسول الله یوما صلوٰة الظهر فسأل سائل فی المسجد فلم یعطه احد فرفع السائل یده الی السماء فقال اللهم اشهد انی سألت فی مسجد الرسول فما اعطانی احد شیئا علی کان راکعا فأومی الیه بخنصره الیمنی و کان فیها خاتم فاقبل السائل حتی اخذ الخاتم فرای النبی فقال اللهم ان اخی موسیٰ سألك فقال رب اشرح لی صدری الی قوله و اشرکه فی امری فانزلت علیه قرآنا ناطقا سنشد عضدك بأخیك و نجعل لکما سلطانا اللهم فانا محمد نبیك و صفیك فاشرح لی صدری و یسر لی امری واجعل لی وزیرا من اهل علیاً اشدد به ظهری قال ابو ذر فوالله ما اتم رسول الله هذه الکلمة حتی نزل جبرئیل فقال یا محمد اقرء انما ولیکم الله الایة"۔

ترجمہ: حضرت رسولؐ چونکہ منافق کے نفاق سے واقف تھے اس نکتہ پر

لوگوں کو مطلع فرمایا اور مرتبہ ہارونی جو بارگاہ خداوندی سے علی مرتضیٰؑ کے لئے خلعت خاص عنایت ہوا تھا بیان فرمایا۔ چنانچہ مروی ہے کہ جب آیہ انّما ولیکم اللہ نازل ہوا تو حضرت رسولؐ نے علی مرتضیٰؑ کی شان میں دعائے وزارت فرمائی۔ جس طرح حضرت موسیٰؑ نے حضرت ہارونؑ کے بارے میں کی تھی۔ امام رازی نے تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ عطا نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ یہ آیت علی مرتضیٰؑ کی شان میں نازل ہوئی اور یہ بھی روایت ہے کہ عبد اللہ بن سلام نے بیان کیا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو میں نے رسولؐ سے عرض کی یا رسولؐ اللہ میں نے خود دیکھا ہے کہ علی مرتضیٰؑ نے حالت رکوع میں اپنی انگوٹھی ایک محتاج کو دی تو ہم لوگ ان کو اپنا حاکم و امام سمجھتے ہیں۔ اور ابوذر غفاری سے روایت ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک دن حضرت رسولؐ کے ساتھ نماز ظہر پڑھی تو ایک سائل نے مسجد میں سوال کیا اور کسی نے کچھ نہ دیا تو اس نے اپنے ہاتھ اٹھائے اور کہنے لگا۔ خداوندا تو گواہ رہنا کہ میں نے تیرے رسولؐ کی مسجد میں سوال کیا اور کسی نے مجھے کچھ نہ دیا اور حضرت علیؑ رکوع میں تھے تو اپنے داہنے ہاتھ کی چھوٹی انگلی جس میں انگوٹھی تھی اشارہ کیا پس سائل آگے بڑھا یہاں تک کہ اس نے انگوٹھی لے لی اور حضرت رسولؐ نے اس واقعہ کو خود ملاحظہ کیا اور عرض کی خداوند میرے بھائی موسیٰ نے تجھ سے سوال کیا اور عرض کی پروردگارا میرے سینہ کو کشادہ کر میرے کام کو آسان کر اور میرے اہل سے میرے بھائی ہارون کو میرا وزیر بنا اور میری پشت اس سے قوی کر اور میرے کام میں اس کو شریک کر تو تو نے ان پر قرآن ناطق

نازل فرمایا کہ ہم عنقریب تمہارا بازو تمہارے بھائی سے قوی کریں گے اور تم دونوں کو حکومت عطا کریں گے خداوندا میں محمد بھی تیرا نبی اور تیرا برگزیدہ ہوں تو تو میرے سینہ کو کشادہ کر اور میرے کام میں آسانی عطا کر اور میرے اہل سے علیؑ کو میرا وزیر بنا اور اس سے میری پشت قوی کر۔ ابوذر کہتے ہیں کہ خدا کی قسم ابھی رسولؐ اللہ نے اپنی دعا تمام بھی نہ فرمائی تھی کہ جبرئیل امین نازل ہوئے اور کہا یا رسولؐ اللہ پڑھئے انما ولیکم اللہ الایۃ "۔

۵۸۔ ملا ابو البرکات اپنی تفسیر مدارک التنزیل ص ۱۶۸ سطر ا مطبوعہ بمبئی احمدی میں جو بہت معتبر اور مشہور تفسیر ہے اس آیت کے تحت میں یوں تحریر فرماتے ہیں:

"قیل انها نزلت فی علی رضی الله عنه حین سأله سائل وهو راكع فی صلوٰة فطرح له خاتمه كانه كان مرخا فی خنصره فلم يتكلف لخلعه كثير عمل يفسد صلوٰته و ورد بلفظ الجمع و ان كان السبب فيه واحد اترغيباً للناس فی مثل فعله لينالوا مثل ثوابه (و انی لهم ذلك) والاية تدل على جواز الصدقة فی الصلوٰة و على ان العمل القليل لا يفسد الصلوٰة "(۱)

روایت میں ہے کہ یہ آیت حضرت علیؑ کی شان میں نازل ہوئی۔ جب ان سے ایک سائل نے نماز کے رکوع میں سوال کیا تو آپ نے انگوٹھی اس کے سامنے گرادی گویا وہ آپ کی انگلی میں ڈھیلی تھی کہ آپ کو اس کے

۱۔ مدرک التنزیل، ج ۱، ص ۲۸۹۔

اتارنے میں عمل کثیر کی ضرورت نہ پڑی جو آپ کی نماز کو خراب و فاسد کرتا۔ اور سبب نزول اگرچہ ایک ہیں پھر بھی صیغہ جمع اس واسطے خدا لایا تا کہ لوگوں کو ایسے کام کرنے کی رغبت ہو اور ایسا کام کر کے ایسے ثواب کو حاصل کریں (مگر ایسی قسمت کہاں) اور آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نماز میں خیرات کرنا جائز ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ عمل قلیل سے نماز فاسد اور خراب نہیں ہوتی"۔

۵۹۔ تفسیر حسینی میں اس آیت کے تحت میں یوں مذکور ہے:

"در اکثر تفاسیر مذکور است کہ ایں آیت در شان علی مرتضیٰ نازل شدہ و در اسباب نزول آوردہ کہ حضرت رسالتؐ پناہ از حجرہ طاہرہ بہ مسجد آمد۔ و مردمان بعضی در رکوع و جمعی در قیام بودند۔ دیدہ مبارک آنحضرتؐ بر سائلی افتاد پرسید ہیچ کس ترا چیزی داد وے خاتمے از زر یا نقرہ بحضرت نمود گفت کہ این خاتم بمن دادہ اند حضرتؐ پرسید کہ این عطا کہ گروہ است۔ درویش اشارہ بہ مرتضیٰ علی علیہ السلام کرد۔ حضرت فرمود کہ درچہ حالت بہ تو داد سائل گفت اعطانی وھو راکع (در حالت رکوع بہ من داد) حضرت رسالتؐ پناہ تکبیر گفت و این گفت و این آیہ برخواند"

۶۰۔ ملا اسعد بن ابراہیم نے اپنی کتاب العین میں یوں تحریر کیا ہے:

" الحدیث السادس عشر عن جابر بن عبد اللہ الانصاری قال کنا حول النبی اذ ورد اعرابی شعث

الحال رث الثیاب کانما خرج من تحت التراب فحی تحیة سب مدقع و انشد مشیرا الی النبی ﷺ شعرا :

اتیتک والعذراء تبکی برقة وقد ذھلت ام الصبی عن الطفل

واخت و بنتان و ام کبیرة وقد کدت من فقری خالط فی عقلی

وقد مسسنی عری و فقر وفاقة ولیس لنا مال یمر ولا یحلی

وما المنتھی الا الیک مقرنا ولیس قراء الناس الا الی الرسل

فلما سمع النبی شعرہ بکیٰ و قال معاشر الناس ان اللہ سأق الیکم ثواباً و قاد الیکم اجرا والجزاء من اللہ و کان علی فی ناحیة المسجد یصلی فاومی الی الاعرابی ان یدنو الیه فدنیٰ منه فدفع الیه خاتمة و ھو فی الصلوٰة فنزل الوحی فی الحال انما ولیکم اللہ الایة و تصدق الناس فی ذلک الیوم بعد علی علی الاعرابی باربع مائه خاتم و قال الاعرابی و ھذہ ایضاً من برکات علی"

ترجمہ: سولھویں حدیث جابر بن عبداللہ انصاری سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت رسولؐ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ یکا یک ایک اعرابی پریشان حال پھٹے کپڑے پہنے ہوئے یوں آیا گویا وہ ابھی مٹی سے نکلا ہے۔ اس نے بڑی انکساری اور فروتنی سے سلام اور حضرت رسولؐ کی طرف اشارہ کر کے یہ اشعار پڑھے۔ میں آپ کے پاس اس حالت میں آیا ہوں کہ دوشیزہ (کنواری) لڑکی تو بلند آواز سے رو رہی تھی اور لڑکی کی ماں شدت پریشانی سے اپنی لڑکی سے بے خبر تھی اور ایک بہن دو لڑکیاں اور

ایک بڑھیا ماں ہے (ان سب کا بار مجھ پر ہے) اور فقر کی وجہ سے ایسا بدحواس ہوں کہ قریب ہے کہ پاگل ہو جاؤں مجھ پر عریانی کی مصیبت ایک طرف اور فقر و فاقہ کی ایک طرف۔ اور میرے پاس کوئی مال نہیں ہے جو تلخ مالوں میں ہو یا شیریں۔ بے یاری و بے مددگاری کی حالت میں بس آپ تک میری منتہی ہے اور لوگوں کی گریز تو بس رسولوں ہی تک ہو سکتی ہے۔ جب حضرت رسولؐ نے اس کے شعر کو سنا تو رونے لگے اور فرمایا اے گروہ ناس خداوند عالم ثواب کو تم لوگوں تک کھینچ لایا ہے اور اجر کو تم لوگوں کے پاس لے آیا ہے۔ جزا تو خدا کی بارگاہ سے ضرور ملے ہی گی۔ اور حضرت علیؑ مسجد کے ایک کونہ میں نماز پڑھ رہے تو اعرابی کو اشارہ سے اپنے پاس بلایا جب وہ قریب گیا تو اپنی انگوٹھی اسے دی۔ جب آپ نماز کے رکوع میں تھے اسی وقت یہ وحی نازل ہوئی انما ولیکم اللہ الآیۃ۔ یہ دیکھ کر حضرت علیؑ کے بعد لوگوں نے اس اعرابی کو اپنی اپنی انگوٹھیاں دینی شروع کیں یہاں تک کہ اس اعرابی کے پاس چار سو انگوٹھیاں جمع ہو گئیں۔ یہ تماشا دیکھ کر وہ اعرابی بے ساختہ بول اٹھا یہ بھی حضرت علیؑ ہی کی برکت ہے۔ یعنی ان ہی کی بدولت یہ مال ملا۔

۶۱۔ مولوی رشید الدین احمد خان صاحب کتاب ایضاح میں تحریر فرماتے ہیں:

"و نزول آیہ کریمہ مذکورہ بالا درشان امیر المومنین علی مرتضیٰ علیہ السلام نیز قولی است کہ اکثر ثقات بطرف آن رفتہ"۔

(اکثر موثقین کے بقول مذکورہ بالا آیت (ولایت) امیر المومنین علی مرتضیٰؑ کے بارے میں نازل ہوئی ہے)۔

۶۲۔ ریاض النضرۃ فی مناقب العشرہ کی اس بحث میں جہاں ان آیات کا شمار کیا ہے جو حضرت علیؑ کی شان میں نازل ہوئی ہیں یوں مذکور ہے:

"ومنھا قوله تعالیٰ انما ولیکم الله الایه نزلت فیه اخرجه الواحدی و سیأتی القصة مشروحة"۔(۱)

ترجمہ: ان آیات میں سے ایک آیت انما ولیکم اللہ جو حضرت علیؑ کی شان میں نازل ہوئی اس روایت کو واحدی نے ذکر کیا ہے اور اس کا قصہ آئندہ آپ کی خیرات کے ضمن میں تفصیلاً مذکورہ ہوگا"۔

۶۳۔ علامہ ابن طلحہ شافعی نے اپنی کتاب مطالب السئول کی ساتویں فصل میں اس واقعہ کو یوں ذکر کیا ہے:

"اما عبادته فاعلم سلك الله بنا وبك سبيل العبادة ان حقيقة العبادة هي الطاعة فكل من اطاع الله تعالیٰ و قام بامتثال الاوامر و اجتناب المناهي فهو عابد ولما كانت متعلقات الاوامر الصادرة من الله تعالیٰ علی لسان نبيه متنوعة كانت العبادة بحسب ذلك متنوعة فمنها الصلوٰة و منها الصدقة و منها الصيام الی غيرها من الانواع و كل ذلك كان علی عليه السلام قائماً فيه مقبلا عليه مسارعاً اليه متخلياً به حتی ادرك بمسارعة الی طاعة الله و رسوله مافات غيره فانه جمع بين الصلوٰة و الصدقة فتصدق وهو راكع فی صلوٰته

۱: ریاض النضرۃ، ج ۲، ص ۲۰۸۔

و جمع بینهما فی وقت واحد حتی انزل الله فیه قرآنا یتلی الی یوم القیامة و شرح ذلك و بیانه مارواه ابو اسحاق احمد بن محمد الثعلبی مسنداً الی ابن عباس" (۱)

ترجمہ: جناب امیرؑ کی عبادت (خدا تم کو اور ہم کو نیک بختی کی راہ چلائے) پہلے یہ سمجھو کہ عبادت کیا چیز ہے۔عبادت طاعت کا نام ہے۔پس جو شخص خدا کی اطاعت کرے اور اس کے احکام کو بجالائے اور اس کے ممنوعات سے پرہیز کرے وہی عابد ہے۔اور چونکہ جو احکام حضرت رسولؐ پر خدا کی طرف سے نازل ہوتے تھے چار قسم کے تھے۔عبادت بھی اسی کے موافق چند قسموں کی ہے۔مثلاً ایک قسم نماز ہے۔ایک قسم صدقہ ہے ایک قسم روزہ ہے اسی طرح اور بھی بہت سی قسمیں ہیں۔اور ان تمام اقسام کے حضرت علیؑ بڑی سختی سے پابند اور خاص طور پر متوجہ اور بہت جلدی کے ساتھ کرنے والے تھے اور اس زیور سے خوب آراستہ تھے اور ان ہی وجوہ سے خدا و رسول کی اطاعت میں ایسے مدارج پر فائز ہوئے جو اور کسی صحابی کو نصیب نہیں ہوئے۔آپ نے نماز اور خیرات میں یوں جمع کیا کہ آپ نے نماز میں حالت رکوع میں خیرات دی اور ان دونوں کاموں میں ایک وقت میں جمع کیا یہاں تک کہ خدا نے ان کی شان میں وہ قرآن نازل کیا جو قیامت تک پڑھا جائے گا اور اس کی تفصیل اور توضیح اس روایت سے معلوم ہوتی ہے جو ثعلبی نے ابن عباس سے روایت کی ہے اس کے بعد وہی روایت لکھی ہے جو پہلے میں بیان کر چکا ہوں اور بلحاظ اختصار میں

۱: مطالب السئول ص ۱۲۴۔

ترک کرتا ہوں"۔

۶۴۔علامہ ابن طلحہ شافعی نے بھی اسی کتاب مطالب السئول کی ساتویں فصل میں یوں تحریر کیا ہے:

"و قال الامام الثعلبی عقیب ما اورده هذه القصة بصورتها سمعت ابا منصور الجمازی یقول سمعت محمد بن عبد الله الحافظ یقول سمعت ابا الحسن علی بن الحسن یقول سمعت ابا محمد هارون الخضرمی یقول سمعت محمد بن منصور الطوسی یقول سمعت احمد بن حنبل یقول ما جاء لاحد من اصحابه رسول الله من الفضائل ما جاء لعلی بن ابیطالب فی ایراده قول الامام احمد عقیب هذه القصة اشارة الی ان هذه المنقبة العلیه وهی الجمع بین هاتین العبادتین العظیمتین البدنیة والمالیة فی وقت واحد حتی نزل القرآن الکریم بمدح القائم بهما المسارع الیهما قد اختص بها علی و لم تحصل لغیره"(۱)

ترجمہ: امام ثعلبی نے اس قصہ کے بیان کرنے کے بعد لکھا ہے کہ مجھ سے ابومنصور جمازی نے بیان کیا کہ میں نے محمد بن عبداللہ حافظ سے سنا وہ کہتے تھے کہ میں نے ابوالحسن علی ابن الحسین سے سنا وہ کہتے تھے کہ میں نے ابومحمد ہارون خضرمی سے سنا وہ کہتے تھے کہ میں نے محمد بن منصور طوسی سنا وہ کہتے

۱۔مطالب السئول،ص۱۲۶۔

تھے کہ میں نے امام احمد بن حنبل کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ جو فضائل علیؑ بن ابیطالب کو حاصل ہوئے وہ اصحاب رسولؐ میں سے کسی کو حاصل نہیں ہوئے۔ علامہ ابن طلحہ کہتے ہیں کہ ثعلبی کا اس قصہ کے بیان کے بعد امام احمد بن حنبل کے قول نقل کرنے میں اشارہ اس بات کا ہے کہ یہ منقبت عالیہ یعنی دو عظیم عبادتوں بدنی اور مالی کا ایک وقت میں اس طرح جمع کرنا کہ جمع کرنے والے اور گوے سبقت لے جانے والے پر قرآن کریم بھی نازل ہوجائے علی بن ابیطالبؑ کے مخصوصات سے ہے اور ان کے سوا کسی کو یہ مرتبہ نہیں حاصل ہوا''۔

۶۵۔ صاحب نظم درر السمطین اسی کتاب کے دیباچہ میں مدح جناب رسالتمآبؐ میں اس واقعہ کے متعلق یوں تحریر فرماتے ہیں:

''وانتخب له من اهله علياً اخا وعونا وفردا و خليلاً و رفيقا و وزيراً و صيره على ابلاغ الدين والرسالة موازرا و مساعدا و منجدا و ظهيرا و جعله ابا بنيه و جمع كل الفضائل فيه و انزل عليه فى شانه انما وليكم الله و رسوله الاية تعظيما و توقيرا و تعريفا بحق ولايته و تنبيها على كمال رعايته ليحافظوا عليها و ينالوبها سعادة و نضارة و تقديرا''(۱)

ترجمہ: خدا نے انکے واسطے ان کے اہل سے حضرت علیؑ کو ان کا بھائی، مددگار، یکتا، دوست، رفیق اور وزیر قرار دیا اور ان کو دین اور رسالت کے

۱۔ نظم درر السمطین، ص ۲۳۔

پہونچانے میں رسولؐ کا بوجھ بٹانے والا معین وناصر اور پشت پناہ بنایا اور ان کو رسولؐ کے صاحب زادوں کا باپ بنایا اور تمام فضائل کو اس میں جمع کیا اور ان کی شان میں اور ان کی تعظیم وتوقیر اور ان کی حقیقت حکومت کے پہنچوانے کے واسطے انما ولیکم اللہ کو نازل کیا اور نیز ان کے کمال رعایت پر آگاہ کرنے کے واسطے تاکہ لوگ اس کا خیال رکھیں اور اس کی وجہ سے نیک بختی اور تازگی پر فائز ہوں"۔

۶۶۔ ملک العلماء شہاب الدین دولت آبادی اپنی کتاب ہدایۃ السعداء میں یوں تحریر فرماتے ہیں:

"وانگشتری در دست راست پوشیدن سنت بود و مصطفی وصحابہ بدست راست پوشیدہ و شاہ علی علیہ السلام کہ در رکوع انگشتری صدقہ دادہ بود۔ یوتون الزکوۃ و ہم راکعون نازل شد۔ انگشتری در دست راست بود۔ اما چون شعار مذہب شیعہ برین شد متاخران اہلسنت مکروہ گفتند"۔

۶۷۔ علامہ ابوالحجاج یوسف بن محمد الہادی اپنی کتاب اباذکر امیر المومنین میں یوں تحریر فرماتے ہیں:

"الخصلة الاخرى التى لعلى وحده رضى الله عنه انه اعطى مسكينا خاتما من فضه وهو رضى الله عنه راكع فانزل الله تعالىٰ فى ذلك الذين يقيمون الصلوٰة و يوتون الزكوٰة و هم راكعون قال مجاهد والسدى رضى الله عن جميعهم قيل خرج النبى صلى الله عليه وآله و مسكين

يسأل فی المسجد فساله عليه الصلوٰة والسلام هل اعطاك احد شيئاً قال نعم قال ماذا قال خاتم من فضة قال من اعطا كه قال ذلك الرجل القائم فاذا هو علی بن ابيطالب رضی الله عنه فكبّر رسول الله صلی الله عليه وآله عند ذلك و نزلت الاية"

ترجمہ: دوسری خصلت جوتنہا حضرت علیؑ میں تھی وہ یہ ہے کہ آپ نے رکوع میں ایک محتاج کو اپنی ایک چاندی کی انگوٹھی خیرات دی تو خدا نے ان کی شان میں الذین یقیمون الصلوٰۃ و یوتون الزکوٰۃ وھم را کعون نازل کیا مجاہد اور سدی رضی اللہ عنہم نے بیان کیا ہے کہ ایک دفعہ حضرت رسولؐ دولت سرا سے باہر نکلے اور مسجد میں آئے تو دیکھا کہ ایک محتاج سوال کر رہا ہے آپ نے اس سے پوچھا تجھے کسی نے کچھ دیا بھی وہ بولا ہاں۔ پوچھا کیا کہا ایک چاندی کی انگوٹھی۔ پوچھا کس نے دی اس نے کہا وہ شخص جو کھڑا نماز پڑھ رہا ہے اور وہ حضرت علیؑ تھے یہ سنتے ہی حضرت رسولؐ نے تکبیر کہی اور آیت نازل ہوئی"۔

۶۸۔ مولوی رشید الدین احمد خاں صاحب کتاب ایضاح میں بہت واضح طور پر اس واقعہ کو مسلمات اور یقینیات سے شمار کرتے ہیں اور یوں تحریر فرماتے ہیں:

"سوم آنکه بر تقدیر اعلمیت شیخین رضی الله عنهما باعتبار نقل اخبار رسید الابرار بلکه فرض شجعیت شان نیز به بعضی وجوه از حیدر کرار نزد شخص مشار الیه که جناب صفت مآب بعد ازین نقل نموده اند مثبت تعصب آن شخص و عدم

تعظیم و محبت او نسبت به امیر ولایت پناہ مورد کریمہ انما ولیکم اللہ نمی شود"۔

۶۹۔امام فخر الدین رازی اپنی کتاب نہایۃ العقول میں اس واقعہ کا اقرار کرتے ہیں کہ یہ آیت حضرت امیرؑ کی شان میں ضرور نازل ہوئی۔ چنانچہ عبارت ان کی یہ ہے:

" والاستدلال به على طريقين الاول مبنى على امور ثلثة احدها ان لفظة الولى محتملة للاولى بالتصرف و ثانيها ان هذه اللفظة فى هذه الاية متعينة لهذا المعنى و ثالثها ان المراد بقوله والذين آمنوا الى قوله و هم راكعون على ما وحده والاعتراض على الطريق الاول انا لا ننازعكم فى الطريق الاول و الثالث و انما ننازعكم فى المقام الثانى"

ترجمہ: اس آیت سے جناب امیرؑ کی خلافت پر دو طرح استدلال ہو سکتا ہے پہلے طریقہ کا تین باتوں پر مدار ہے ایک یہ کہ لفظ ولی کے معنی اولی بالتصرف کے بھی ہیں۔ دوسرے یہ کہ اس آیت میں لفظ ولی سے یہی معنی مراد ہیں۔ تیسرے یہ کہ الذین آمنوا و هم راكعون سے مراد صرف حضرت علیؑ ہیں اور اعتراض پہلے طریقہ پر یہ ہے کہ ہم تم سے نہ پہلی بات میں نزاع کرتے ہیں اور نہ تیسری بات میں بلکہ ہم تم سے صرف دوسری بات میں نزاع کرتے ہیں اور اسی کو نہیں مانتے ہیں۔ اس سے صاف واضح ہے کہ اس آیت کے جناب امیرؑ کی شان میں نازل ہونے سے انکار نہیں ہے بلکہ انکار ہے تو صرف اس بات سے کہ ولی کے معنی حاکم

کے ہیں اور یہی یہاں مراد بھی ہے"۔

۷۰۔امام رازی اسی کتاب نہایۃ العقول میں دوسری جگہ یوں تحریر فرماتے ہیں:

"الرابع ان المفسرین اتفقوا علی نزول ھذہ الایۃ فی حق علی ابن ابیطالب رضی اللہ عنہ فوجب ان یکون ھو المراد لا غیر"

ترجمہ: چوتھے یہ ہے کہ مفسرین نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ یہ آیت حضرت علیؑ کی شان میں نازل ہوئی۔پس ضروری ہے کہ وہی مراد ہوں نہ کوئی دوسرا۔

اگرچہ یہ استدلال شیعوں کا امام صاحب نے نقل کیا ہے مگر چونکہ ان کی نہ رد کی ہے نہ اس سے انکار کیا ہے تو معلوم ہوا کہ وہ اس کو تسلیم کرتے ہیں"۔

۷۱۔علامہ قوشجی شرح تجرید میں یوں ارشاد فرماتے ہیں:

"بیان ذلک انھا نزلت باتفاق المفسرین فی علی علیہ السلام حین اعطی السائل خاتمہ وھو راکع فی صلواتہ"

ترجمہ: اس کی تفصیل یہ ہے کہ یہ آیت باتفاق مفسرین حضرت علیؑ کی شان میں نازل ہوئی جب آپ نے سائل کو اپنی انگوٹھی رکوع نماز میں عطا کی تھی"۔

۷۲۔صاحب ذخیرۃ المال نے اپنی کتاب میں اس کا یوں اقرار کیا ہے:

"وقد حکم اللہ سبحٰنہ علی کل مومن و مومنۃ ان یتولی علیاً رضی اللہ عنہ علی کل حالٍ انما ولیکم اللہ و رسولہ والذین آمنوا الذین یقیمون الصلوٰۃ و یوتون الزکوٰۃ وھم راکعون و ذلک علی رضی اللہ عنہ کرم اللہ

وجهه"
خداوند عالم نے ہر مومن و مومنہ کو حکم دیا ہے کہ حضرت علیؑ کو ہر حال میں اپنا حاکم سمجھے کیونکہ انما ولیکم اللہ میں الذین آمنوا الایۃ سے مراد حضرت علیؑ ہیں"۔

۷۳۔ یہی صاحب ذخیرۃ المال اسی کتاب میں دوسری جگہ یوں تحریر فرماتے ہیں:

فلله قد انزل احسن القصص بانه ولينا والنص خص
ذاك المقيم للصلوٰة خاشعاً وهو المودی للزكوٰة راكعاً
فاحذر ولا تنقب لسد مآرب و كن مع حزب الاله الغالب
واقرء هديت انما وليكم واسمع حديثاً جاء فی غدير خم

ترجمہ: خدا نے کیا اچھا قصہ بیان کیا کہ وہ (حضرت علیؑ) ہمارے حاکم ہیں اور نص آپ کے لئے خاص ہے وہ شخص جس نے نہایت خشوع سے نماز پڑھی جس نے حالت رکوع میں زکوٰۃ ادا کی پس تو ڈرتا رہ۔ اور مطالب کی دیوار میں رخنہ انداز نہ ہو اور خدائے غالب کی گروہ کے ساتھ رہ اور انما ولیکم آیہ کو پڑھ کر ہدایت یافتہ ہو اور اس بات کو سن جو غدیر خم میں آئی"۔

۷۴۔ علامہ ابوالشکور محمد بن عبدالسعید حنفی اپنی کتاب التمہید میں یوں اقرار کرتے ہیں:

"و كذا الجواب عن قوله تعالىٰ انما وليكم الله ورسوله والذين آمنوا الاية فنقول لان علياً رضى الله عنه كان ولياً و اميراً بهذا الدليل فی ايامه ووقته وهو بعد عثمان و اما قبل ذلك فلا"

ترجمہ: اسی طرح جواب (شیعوں کا) انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین آمنوا سے یہی ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ بیشک حضرت علیؑ حاکم اور امیر اسی دلیل سے تھے مگر اپنے زمانہ اور وقت میں یعنی بعد عثمان کے اور اس کے قبل نہیں۔

اس سے اگرچہ بعد ہی سہی مگر اتنا تو ثابت ہوا کہ یہ آیت حضرت علیؑ کی شان میں نازل ہوئی"۔

فیصلہ

میں نے اپنے پہلے مقدمہ میں یہ ثابت کر دیا کہ آیہ مبارکہ إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ میں انّما حصر کے واسطے ہے اور ہمارے فراری مخاطب صاحب نے بے چون و چرا مان بھی لیا تھا اور دوسرے مقدمہ میں یہ بھی اچھی طرح ثابت ہوگیا کہ آیہ مذکورہ میں ولی کے معنی حاکم و کارساز کے ہیں اور ہمارے مخاطب نے بھی مان لیا ہے۔ تیسرے مقدمہ میں یہ بھی ثابت ہو چکا ہے کہ ضمیر "کُم" سے خطاب عبد اللہ بن سلام وغیرہ مومنین کی طرف ہے۔ چوتھے مقدمہ میں یہ بھی ثابت ہو چکا ہے کہ الذین آمنوا سے عام مومنین مراد نہیں ہیں بلکہ بعض مومنین۔ یہ بھی ثابت ہو چکا ہے کہ و ھم کا واو حالیہ ہے۔ یہ بھی ثابت ہو چکا ہے کہ راکعون کے معنی خاشعون کے نہیں بلکہ رکوع سے رکوع نماز مراد ہے۔ اب چوہتر شواہد سے جو کل کے کل اہل سنت کے مستند علماء کے ہیں یہ بھی بخوبی ثابت ہوگیا کہ یہ آیہ مبارکہ حضرت علی بن ابیطالبؑ ہی کی شان میں نازل ہوئی اور الذین آمنوا سے صرف جناب امیرؑ ہی مراد ہیں۔

اب تمام مقدمات کو یکجا کر کے اس آیہ کا صحیح اور محصل ترجمہ یہ ہوا کہ اے ایماندارو تمہارا حاکم و سرپرست صرف خدا ہے اور اس کا رسول اور علی ابن ابیطالبؑ۔ اس سے نہ صرف اسی کی تصریح نکلی کہ حضرت امیرؑ حاکم و سرپرست ہیں بلکہ آپ کی بلا فصل خلافت کی یہ آیت قطعی نص ہے۔ کیونکہ

آپ کے علاوہ کسی اور شخص کے واسطے منصوص الخلافت ہونے کا کوئی دعویدار نہیں ہے۔ فقط یہی نہیں بلکہ شاہ عبد العزیز دہلوی نے اس کے خلاف کی تصریح کر دی ہے۔ چنانچہ تحفہ اثنا عشریہ میں ارشاد فرماتے ہیں: ''خلفاء ثلاثه نزد اهلسنت نه معصوم اند نه منصوص علیه''۔ پھر منصوص علیہ خلیفہ کے مقابلہ دوسرا شخص اگرچہ کسی باشد، ہرگز قابل اعتبار و وثوق نہیں ہو سکتا اور نہ اس کو کوئی عاقل، بشرطیکہ عقل سے کام لے اور تعصب سے خالی ہو، خلیفہ کہہ سکتا ہے۔ اس کے علاوہ خود خداوند عالم نے انما کے ساتھ مقید کر کے یہ صاف صاف فرمایا دیا کہ میرے اور رسول اور علیؑ کے سوا کوئی مومنین کا حاکم و سرپرست نہیں پھر خدا اور رسول کے بعد علی بن ابیطالبؑ کے سوا ایمانداروں کا حاکم کون ہو سکتا ہے۔

خلاصہ اس آیت سے تصریحی اور قطعی طور پر علی بن ابیطالبؑ کی خلافت بلافصل ثابت ہوئی۔

وهو المطلوب۔

و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین ۔ سبحان ربك رب العزة عما یصفون وسلام علی المرسلین والائمة الطاهرین ۔

تمنا و دعا

میں یہ اپنا مختصر ہدیہ انشاء اللہ بروز قیامت اپنے جد امجد مایہ ناز آدم و بنی آدم فخر مخلوقات عالم بہترین آل غالب حضرت علی بن ابیطالبؑ کی حضور میں پیش کروں گا اور بارگاہ خداوندی میں عرض ہے کہ بروز قیامت اس کو میری بخشائش کا ذریعہ قرار دے۔

التماس

ناظرین خدا خدا کر کے یہ مضمون ختم ہوا۔ اگرچہ ہمارے مخاطب مولوی ثناء اللہ صاحب اڈیٹر اہلحدیث کے فرار اور اقرار فرار کے بعد اس کے پورا کرنے کا ارادہ بھی نہ تھا اور سچ یوں ہے کہ جی بھی نہ لگتا تھا مگر چند حضرات کے اصرار اور شدید اصرار نے مجھ سے لکھوایا اور کسی طرح ختم ہوا۔ اب وہ اعتراضات جو امام رازی، ابن تیمیہ، نصر اللہ کابلی، شاہ ولی اللہ اور شاہ عبد العزیز نے اس مبحث کے متعلق کیے ہیں باقی رہ گئے اگرچہ ان میں سے بہت اعتراضات ان حضرات کے موقع موقع سے اثناء بحث میں مذکور ہو چکے ہیں اور ان کے جوابات بھی ناظرین ملاحظہ فرما چکے مگر پھر بھی بہت سے باقی ہیں۔ اگر ناظرین اور خصوصاً جناب اڈیٹر صاحب اصلاح کو اس سے دلچسپی ہو تو میں اس سلسلہ کو باقی رکھوں اور تھوڑی، بہت محنت کر کے ان تمام اعتراضات کے شافی تشفی بخش اور دنداں شکن جواب تحریر کر دوں ورنہ یہیں تک لکھ کر ختم کروں اور آپ سے رخصت ہوں۔

والسلام پھر ملیں گے اگر خدا لایا

ناچیز ابو المثنا فرمان علی از مظفر پور (بہار)

منابع تحقیق رسالہ الولی

اسم کتاب	مؤلف	ناشر
تفسیر کشاف	جاراللہ زمخشری	دارالفکر، بیروت
تفسیر حسینی	حسینی	اقبال، تہران
تفسیر کبیر	امام رازی	داراحیاء التراث العربی
تفسیر بیضاوی	قاضی ناصر الدین بیضاوی	دارالکتب العلمیہ، بیروت
تفسیر در منثور	جلال الدین سیوطی	دارالفکر، بیروت
تفسیر نیشا پوری	نظام الدین حسن نیشا پوری	دارالکتب العلمیہ، بیروت
تفسیر جلالین	جلال الدین محلی و جلال الدین سیوطی	دارالجبل، بیروت
تفسیر وجیز	واحدی	دارالفکر، بیروت
تفسیر معالم التنزیل	محیی السنہ بغوی	دارالمعرفہ، بیروت
تفسیر روح المعانی	محمود بن عبداللہ آلوسی	داراحیاء التراث العربی، بیروت
تفسیر ثعلبی	ابواسحاق احمد ثعلبی	دارالکتب العلمیہ، بیروت
تفسیر مدارک التنزیل	ابوالبرکات نسفی	دارالکلم الطیب، لبنان
تذکرۃ خواص الامۃ	سبط ابن جوزی	مکتب نینوا، تہران
تاریخ طبری	ابن جریر طبری	دارالتراث العربی، بیروت
جمہرۃ اللغۃ	ابن درید بصری	دارالعلم الملائین، بیروت
دیوان لبید	لبید بن ربیعہ عامری	دارالمعرفہ

ذخائر العقبیٰ	محب طبری	دار المعرفہ، بیروت
ریاض النضرۃ	محب طبری	دار الکتب العلمیہ، بیروت
سنن ترمذی	ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی	دار الکتب العلمیہ، بیروت
صحاح	جوہری	دار العلم الملائین، بیروت
فصول المہمہ	ابن صباغ مالکی	انتشارات اعلمی، تہران
کفایۃ الطالب	حافظ گنجی شافعی	دار احیاء تراث اھل البیت
کنز العمال	ملا متقی ھندی	موسسہ الرسالہ، بیروت
مطول	تفتازانی	مکتبہ داوری، قم
مسند احمد	احمد بن حنبل	دار احیاء التراث العربی، بیروت
منتہی الارب	صفی پوری	کتب خانہ سنائی تہران
میزان الاعتدال	ذہبی	دار الفکر، بیروت
منہاج السنۃ	ابن تیمیہ	جامعہ امام محمد بن سعود، سعودی عرب
المخصص	ابو الحسن علی بن اسماعیل معروف بہ ابن سیدہ	دار احیاء التراث العربی، بیروت
مناقب خوارزمی	موفق بن احمد خوارزمی	جامعہ مدرسین، قم
معجم الاوسط	طبرانی	دار الحرمین قاہرہ
مناقب ابن مغازلی	ابن مغازلی	دار مکتبۃ الحیاۃ، بیروت
مرقاۃ	ملا علی قاری	مکتب امدادیہ ملتان پاکستان
مطالب السئول	کمال الدین محمد بن طلحہ شافعی	موسسہ البلاغ، بیروت
نظم درر السمطین	جمال الدین محمد بن یوسف زرندی	مکتبہ نینوا، تہران
ہدیہ مجیدیہ ترجمہ تحفہ اثنا عشریہ	مولف شاہ عبد العزیز دہلوی مترجم عبد المجید خان	اعتقاد پبلشنگ، دہلی

نفس رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

محرک و مصنف اول، حجۃ الاسلام علامہ سید علی حیدر نقوی طاب ثراہ۔

[illegible]

چہار دہ صد سالہ یادگار شہادت امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے خصوصی موقع پر خصوصی اشاعت نو





جلدیں: ۱۴   مجموعی قیمت: 4000 روپے

مجموعی صفحات: چھ ہزار سے زائد   کتاب مجلد مع گرد پوش۔

ناشرین:

(۱) ولایت فاؤنڈیشن
نئی دہلی۔ ۱۱۰۰۰۱ رابطہ نمبر: 09958225575

(۲) ادارہ اصلاح
مسجد دیوان ناصر علی مرحوم مرتضیٰ حسین روڈ، لکھنؤ۔ ۲۲۶۰۰۳
E-mail: islah_lucknow@yahoo.co.in
فون نمبر: 0522 4077872۔ موبائل: 9415465237



مترجم ومفسر قرآن مولانا

سید **فرمان علی** صاحب قبلہ اعلی اللہ مقامہ

تالیف مترجم ومفسر قرآن مولانا سید فرمان علی صاحب قبلہ اعلی اللہ مقامہ

₹ 150/

ISBN 819498537-4

9788194985372

IDARA-E-ISLAH

Masjid Diwan Nasir Ali, Murtaza Husain Road

Yahiyahganj, Lucknow - 226003, (U.P.) INDIA

www.islah.in, E-mail: islah_lucknow@yahoo.co.in

Ph. 0091 522 4077872